بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب مستطاب

رموز القرآن

جس میں

بعض آیات قرآنی کی تفسیر اور ان کے رموز و حقائق کو بیان کیا گیا ہے

ذاکرین و واعظین کے لئے بہترین تحفہ

حسب خواہش

الحاج ڈاکٹر سید ندیم الحسن صاحب نقوی ایم بی بی ایس

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم الحاج مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

مصنف دو صد دو نہ کتاب

پبلشر و ناشر

شمیم بکڈپو ناظم آباد ۲ کراچی نمبر ۱۸

مطبوعہ: (سندھ آفسٹ پریس کراچی)

Marfat.com

DATA ENTERED

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۱	قرآن سراپا ہدایت	۱	۱	۱۵	گائے کا قصہ	۱	۲۷
۲	کٹر کافر کو عذاب سے ڈرانا فائدہ نہیں دیتا۔	۱	۲	۱۶	حضرت عیسیٰ اور تائید روح القدس	۱	۲۹
				۱۷	ہاروت و ماروت	۱	۳۰
۳	دلوں پر مہر لگانے کا مطلب	۱	۳	۱۸	آیات کے ناسخ و منسوخ ہونے کا بیان	۱	۳۲
۴	اللہ کا استہزاء	۱	۵	۱۹	امامت ابراہیمی	۱	۳۴
۵	اللہ کے رسی ڈھیلنے کا مطلب	۱	۶	۲۰	تعمیر خانہ کعبہ اور اس کا جائے امن ہونا	۱	۳۶
۶	قرآن کی مثل لانے کا چیلنج	۱	۶	۲۱	حضرت ابراہیم کی دعا مکہ معظمہ کے حق میں	۱	۳۸
۷	خدا نے مچھر کی مثال کیوں دی	۱	۱۰			۱	
۸	قرآن کن لوگوں کو گمراہی میں چھوڑتا ہے۔	۱	۱۲	۲۲	امت مسلمہ	۱	۳۹
				۲۳	تحویل قبلہ	۲	۴۱
۹	خلافت آدم	۱	۱۳	۲۴	شہداء راہ خدا زندہ ہیں	۲	۴۷
۱۰	آدم کا جنت سے نکلنا	۱	۱۷	۲۵	شعائر اللہ	۲	۴۹
۱۱	اللہ کے سوا دوسروں سے بھی مدد مانگ سکتے ہیں	۱	۲۰	۲۶	خون مردار اور لحم خنزیر کی حرمت	۲	۵۱
				۲۷	قصاص	۲	۵۲
۱۲	لفظ آل کی توضیح	۱	۲۲	۲۸	صوم ماہ رمضان	۲	۵۴
۱۳	کوہ طور کا سروں پر بلند ہونا	۱	۲۴	۲۹	حج و عمرہ	۲	۵۶
۱۴	بنی اسرائیل کا بندر ہو جانا	۱	۲۶	۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	۲	۵۸

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۳۱	شراب و جوا	۲	۶۰	۴۹	مریم کو کسی بشر کا مس نہ کرنا	۳	۹۵
۳۲	حیض میں جماع کی ممانعت	۲	۶۲	۵۰	حضرت عیسیٰ کا بے باپ کے	۳	۹۶
۳۳	طلاق	۲	۶۳		پیدا ہونا		
۳۴	دودھ پلانے کی مدت دو سال	۲	۶۴	۵۱	حضرت عیسیٰ کے معجزات	۳	۹۷
۳۵	بیوہ کے سوگ کی مدت	۲	۶۵	۵۲	خدا کا مکر کیا ہے	۳	۹۸
۳۶	ایک معصوم کے زندہ ہونیکا واقعہ	۲	۶۶	۵۳	حضرت عیسیٰ کی مثال آدم	۳	۹۹
۳۷	تابوت سکینہ	۲	۶۹		جیسی ہے		
۳۸	نہر طالوت	۲	۷۲	۵۴	مباہلہ	۳	۱۰۰
۳۹	دین میں جبر نہیں	۳	۷۳	۵۵	میثاق انبیاء	۳	۱۰۳
۴۰	حضرت عزیر کا واقعہ	۳	۷۵	۵۶	یہودیوں پر اونٹ کا گوشت	۳	۱۰۴
۴۱	حضرت ابراہیم کا پرندوں کو	۳	۷۷		حرام نہ تھا		
	زندہ کرنا			۵۷	خانہ کعبہ سراپا ہدایت ہے	۴	۱۰۶
۴۲	سود کی حرمت	۳	۷۹	۵۸	خیر امت کون ہیں	۴	۱۰۷
۴۳	راسخون فی العلم	۳	۸۱	۵۹	جنگ بدر میں ملائکہ کا آنا	۴	۱۰۹
۴۴	اسلام اللہ کا دین ہے	۳	۸۴	۶۰	شیطان [illegible]	۴	۱۱۲
۴۵	تقیہ	۳	۸۸	۶۱	[illegible] کی اجازت	۴	۱۱۳
۴۶	آل عمران سے کون مراد ہیں	۳	۹۱	۶۲	مطلقہ کا حق	۴	۱۱۵
۴۷	مریم کے لئے خدا کی طرف سے	۳	۹۳	۶۳	متعہ	۴	۱۱۶
	رزق آنا			۶۴	مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے	۵	۱۱۸
۴۸	حضرت [illegible] دعا مانگنا	۳	۹۴	۶۵	[illegible] امتوں پر گواہ	۵	۱۲۰

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۶۶	آل ابراہیم کو کتاب و حکمت سے مخصوص کیا گیا۔	۵	۱۲۰
۶۷	اولی الامر کون ہیں	۵	۱۲۲
۶۸	جو رسول کا فیصلہ نہیں مانتا وہ مومن نہیں	۵	۱۲۴
۶۹	صدیق کون ہے	۵	۱۲۵
۷۰	رفع عیسیٰ علیہ السلام	۶	۱۲۸
۷۱	اچھائی اور برائی کس کی طرف سے ہے۔	۶	۱۲۹
۷۲	موسیٰ کلیم اللہ ہیں	۶	۱۳۰
۷۳	کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے معنی۔	۶	۱۳۱
۷۴	اکمال دین واتمام نعمت	۶	۱۳۲
۷۵	وضو	۶	۱۳۵
۷۶	نور وکتاب مبین	۶	۱۳۶
۷۷	زمانہ فترت	۶	۱۳۷
۷۸	وادی تیہ	۶	۱۳۸
۷۹	عوج بن عوق	۶	۱۳۹
۸۰	ہابیل و قابیل	۶	۱۴۱
۸۱	وسیلہ تلاش کرنے کا حکم	۶	۱۴۳
۸۲	چور کی سزا	۶	۱۴۳
۸۳	نور	۶	۱۴۴
۸۴	یہود و نصاریٰ کو اپنا سرپرست بناؤ	۶	۱۴۶
۸۵	سچے مومن کی صفات	۶	۱۴۷
۸۶	ولی کون ہے	۶	۱۴۹
۸۷	خلافت علی کی تبلیغ	۶	۱۵۱
۸۸	شراب جوا بت اور پانسے	۷	۱۵۴
۸۹	مائدہ	۷	۱۵۵
۹۰	کتاب خدا میں کوئی چیز نہیں چھوٹی۔	۷	۱۵۸
۹۱	کفار کو نعمتیں کیوں دیں	۷	۱۶۰
۹۲	رسول کے ذریعہ تبلیغ وحی ضروری ہے	۷	۱۶۱
۹۳	توبہ	۷	۱۶۳
۹۴	ابراہیم کو ملکوت سمٰوٰت و ارض دکھائے گئے	۷	۱۶۴
۹۵	حضرت ابراہیم کا استدلال	۷	۱۶۴
۹۶	خدا کا مردہ سے زندہ پیدا کرنا	۷	۱۶۶
۹۷	عدم رویت باری تعالیٰ	۷	۱۶۷
۹۸	نماز کے وقت زینت کا حکم	۸	۱۶۸

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۹۹	قیمتی لباس پہننا حرام نہیں	۸	۱۶۹
۱۰۰	چھ دن میں زمین و آسمان بنائے گئے	۸	۱۶۹
۱۰۱	خلق و امر	۸	۱۷۱
۱۰۲	خلافت ہارونی	۹	۱۷۱
۱۰۳	رسالت اور کلام کے لئے موسیٰ کا انتخاب [illegible]	۹	۱۷۳
۱۰۴	الواح تورات	۹	۱۷۴
۱۰۵	سامری کا گوسالہ	۹	۱۷۵
۱۰۶	موسیٰ کا طور سے لوٹنا	۹	۱۷۷
۱۰۷	[illegible] کے لئے موسیٰ کا انتخاب	۹	۱۷۹
۱۰۸	اُمّی کے معنی	۹	۱۸۰
۱۰۹	من و سلویٰ	۹	۱۸۳
۱۱۰	یوم سبت کا واقعہ	۹	۱۸۴
۱۱۱	عہد الست	۹	۱۸۵
۱۱۲	بلعم باعور	۹	۱۸۷
۱۱۳	قرآن میں دل کا ذکر [illegible]	۹	۱۸۸
۱۱۴	مال و اولاد فتنہ ہیں	۹	۱۹۰
۱۱۵	[illegible]	۹	۱۹۱

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۱۱۶	خمس اور اس کے مستحق	۱۰	۱۹۳
۱۱۷	کافر ماں باپ کا رشتہ مسلمان اولاد سے قطع ہو جاتا ہے	۱۰	۱۹۳
۱۱۸	مشرک نجس ہے	۱۰	۱۹۵
۱۱۹	یہود و نصاریٰ کا شرک [illegible]	۱۰	۱۹۶
۱۲۰	دین اسلام کا غلبہ تمام ادیان پر	۱۰	۱۹۹
۱۲۱	غار ثور	۱۰	۲۰۰
۱۲۲	[illegible]	۱۰	۲۰۲
۱۲۳	[illegible]	۱۱	۲۰۳
۱۲۴	[illegible]	۱۰	۲۰۴
۱۲۵	[illegible]	۱۱	[illegible]
۱۲۶	[illegible]	۱۱	[illegible]
۱۲۷	[illegible]	۱۱	۲۰۶
۱۲۸	[illegible]	۱۱	[illegible]
۱۲۹	[illegible]	۱۲	[illegible]
۱۳۰	[illegible]	۱۲	۲۰۹
۱۳۱	[illegible]	۱۲	۲۱۰

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۱۳۲	زن لوط	۱۲	۲۱۱
۱۳۳	برزخی دوزخ جہنم	۱۲	۲۱۲
۱۳۴	اولاد انبیاء سے رشک وحسد	۱۲	۲۱۳
۱۳۵	انبیاء کی قوت شامہ	۱۲	۲۱۴
۱۳۶	یوسف نے زلیخا کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔	۱۲	۲۱۵
۱۳۷	قمیص یوسف کے کرشمے	۱۲	۲۱۶
۱۳۸	یوسف کا بے پناہ حسن اور زنان مصر	۱۲	۲۱۷
۱۳۹	قیدخانہ میں حضرت یوسف کی تبلیغ	۱۲	۲۱۸
۱۴۰	یوسف کی عصمت پر زلیخا کی گواہی	۱۲	۲۱۹
۱۴۱	انبیاء بھی نفس امارہ رکھتے ہیں	۱۳	۲۲۰
۱۴۲	انبیاء و آئمہ نہ چاہیں تو کوئی انہیں پہچان نہیں سکتا	۱۳	۲۲۱
۱۴۳	برادران یوسف پر چوری کا الزام	۱۳	۲۲۱
۱۴۴	برادران یوسف نے یوسف پر چوری کا الزام لگانا	۱۳	۲۲۲
۱۴۵	روتے روتے یعقوب کی بینائی جاتی رہی	۱۳	۲۲۲

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۱۴۶	یعقوب نے پیراہن یوسف کی بو سونگھ لی	۱۳	۲۲۳
۱۴۷	باپ کا بیٹے کو سجدہ کرنا	۱۳	۲۲۴
۱۴۸	زلیخا کا باقی قصہ	۱۳	۲۲۵
۱۴۹	اسلام عقلی دین ہے	۱۳	۲۲۶
۱۵۰	ہر قوم کیلئے ایک ہادی ہوتا ہے	۱۳	۲۲۷
۱۵۱	کتاب خدا کا علم کس کے پاس ہے	۱۳	۲۲۸
۱۵۲	شجرہ طیبہ	۱۳	۲۲۹
۱۵۳	درخت خبیثہ	۱۳	۲۳۰
۱۵۴	حضرت ابراہیم کی دعائیں	۱۳	۲۳۱
۱۵۵	حفاظت قرآن کا دعویٰ اللہ نے کیا ہے	۱۴	۲۳۱
۱۵۶	آسمانی برج اور شیاطین سے حفاظت	۱۴	۲۳۲
۱۵۷	عالم آدم میں نفخ روح	۱۴	۲۳۴
۱۵۸	شیطان کو وقت معلوم تک کی مہلت کیوں دی گئی	۱۴	۲۳۵
۱۵۹	نبی و امام عالم پیدا ہوتے ہیں	۱۴	۲۳۶
۱۶۰	مجبوری میں کلمہ کفر کہنا جائز ہے	۱۴	۲۳۷
۱۶۱	لفظ امت شخص واحد پر بھی بولا جاتا ہے	۱۴	۲۳۸
۱۶۲	شہد کی مکھی اور اسکی خصوصیات	۱۴	۲۳۹
۱۶۳	اگر جان جاتی ہو تو حرام کھا سکتے ہیں	۱۴	۲۴۵

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۱۶۴	معراج رسول	۱۵	۲۴۹	۱۸۲	سامری اور اس کے گوسالہ کا قصہ	۱۶	۲۸۰
۱۶۵	ذوی القربیٰ رسول کون ہیں	۱۵	۲۵۰	۱۸۳	آدم کونسی جنت میں تھے	۱۶	۲۸۱
۱۶۶	ہر شے تسبیح خدا کرتی ہے	۱۵	۲۵۱	۱۸۴	آدم کا نسیان	۱۶	۲۸۲
۱۶۷	شجرہ ملعونہ	۱۵	۲۵۲	۱۸۵	اہل ذکر کون ہیں	۱۷	۲۸۴
۱۶۸	شیطان کا تسلط خاصان خدا پر نہیں ہوتا	۱۵	۲۵۲	۱۸۶	اگر چند خدا ہوتے تو عالم تباہ ہو جاتا	۱۷	۲۸۵
۱۶۹	روح کیا ہے	۱۵	۲۵۴	۱۸۷	حضرت ابراہیم کی بت شکنی	۱۷	۲۸۶
۱۷۰	نو آیات جو موسیٰ کو دی گئیں	۱۵	۲۵۴	۱۸۸	حضرت داؤد کا فیصلہ	۱۷	۲۸۸
۱۷۱	اطاعت والدین کا حکم	۱۵	۲۵۵	۱۸۹	حضرت سلیمان کی سلطنت	۱۷	۲۸۹
۱۷۲	اصحاب کہف	۱۵	۲۵۶	۱۹۰	قیامت کا میدان اور [illegible] کا ہوگا	۱۷	۲۹۰
۱۷۳	موسیٰ خضر کی ملاقات	۱۵	۲۵۸				
۱۷۴	یاجوج و ماجوج کا قصہ	۱۵	۲۶۳	۱۹۱	معنی خدائی نشانوں کی تعظیم [illegible]	۱۷	۲۹۱
۱۷۵	حضرت یحییٰ علیہ السلام	۱۶	۲۶۸	۱۹۲	خلقت انسانی کے مدارج [illegible]	۱۸	۲۹۲
۱۷۶	حضرت مریم کا قصہ	۱۶	۲۷۰	۱۹۳	[illegible]	۱۸	۲۹۴
۱۷۷	ادریس نبی	۱۶	۲۷۴	۱۹۴	[illegible]	۱۸	۲۹۵
۱۷۸	فاخلع نعلیک کا مطلب	۱۶	۲۷۵	۱۹۵	[illegible]	۱۸	۲۹۶
۱۷۹	عصائے موسیٰ کا سانپ بننا	۱۶	۲۷۶		[illegible]		
۱۸۰	موسیٰ کی درخواست وزارت کے لئے	۱۶	۲۷۷	۱۹۶	خدا کے نور کی مثل	۱۸	۳۰۱
				۱۹۷	[illegible]	۱۸	۳۰۴
۱۸۱	حروف مقطعات [illegible]	۱۶	۲۷۹	۱۹۸	[illegible]	۱۸	۳۰۶

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۱۹۹	ہر شے کی خلقت پانی سے ہے	۱۸	۳۰۷	۲۱۸	مادر موسیٰ کو وحی	۲۰	۳۲۷
۲۰۰	اللہ کا وعدہ استخلاف	۱۸	۳۰۸	۲۱۹	موسیٰ کا محل فرعون میں پہنچنا	۲۰	۳۲۸
۲۰۱	اوقات خلوت	۱۸	۳۰۹	۲۲۰	موسیٰ کا ایک قبطی کو قتل کرنا	۲۰	۳۲۹
۲۰۲	جب گھروں میں داخل ہو تو سلام کرو	۱۸	۳۱۰	۲۲۱	موسیٰ آل فرعون	۲۰	۳۳۱
				۲۲۲	موسیٰ کا مدائن پہنچنا	۲۰	۳۳۱
۲۰۳	حضرت ابراہیم کا آزر کیلئے استغفار	۱۹	۳۱۱	۲۲۳	ابو طالب مومن تھے	۲۰	۳۳۴
۲۰۴	لسان صدق کون ہے	۱۹	۳۱۱	۲۲۴	لفظ اُم کے معنی	۲۰	۳۳۵
۲۰۵	نزول قرآن قلب رسول پر ہوا	۱۹	۳۱۲	۲۲۵	انتخاب انبیاء و خلفاء خدا کے ہاتھ میں ہے۔	۲۰	۳۳۶
۲۰۶	دعوت ذوالعشیرہ	۱۹	۳۱۲				
۲۰۷	آنحضرت کو بازو جھکانے کا حکم	۱۹	۳۱۵	۲۲۶	قارون کا قصہ	۲۰	۳۳۶
۲۰۸	شعراء کی مذمت	۱۹	۳۱۵	۲۲۷	اطاعت والدین	۲۰	۳۴۰
۲۰۹	حضرت موسیٰ کا نبوت پانا	۱۹	۳۱۶	۲۲۸	رسول قرأت و کتابت کیوں نہ کرتے تھے۔	۲۱	۳۴۱
۲۱۰	حضرت سلیمان کا لشکر	۱۹	۳۱۷				
۲۱۱	حضرت سلیمان اور وادی نمل	۱۹	۳۱۸	۲۲۹	مکڑی کا گھر	۲۱	۳۴۱
۲۱۲	حضرت سلیمان اور ہدہد	۱۹	۳۱۹	۲۳۰	قرآن کا علم کچھ لوگوں کے ہی ہے۔	۲۱	۳۴۲
۲۱۳	ہدہد کا بیان	۱۹	۳۲۰				
۲۱۴	تخت بلقیس	۱۹	۳۲۲	۲۳۱	معجزہ کا ظہور خدا کے ہاتھ میں ہے۔	۲۱	۳۴۳
۲۱۵	سلیمان کا خط بلقیس کے نام	۱۹	۳۲۳				
۲۱۶	حضرت سلیمان کا اہل دربار سے خطاب	۱۹	۳۲۴	۲۳۲	مضبوط اور سیدھا دین کیا ہے	۲۱	۳۴۴
۲۱۷	بلقیس کی عقل کا امتحان	۱۹	۳۲۶	۲۳۳	قرابتدار رسول کے حق ادا کرنے کا حکم	۲۱	۳۴۵

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۲۳۴	شرک کیوں ظلم عظیم ہے	۲۱	۳۴۷
۲۳۵	خدا کی نعمتوں کو کوئی شمار نہیں کرسکتا۔	۲۱	۳۴۹
۲۳۶	حضرت رسول خدا تمام مومنوں کی جانوں پر حاکم تھے	۲۱	۳۵۱
۲۳۷	ازواج رسول	۲۱	۳۵۱
۲۳۸	رسول کے حکم کے بعد کسی کو کچھ کہنے کا حق نہیں	۲۲	۳۵۲
۲۳۹	لے پالک کی زوجہ مطلقہ سے عقد ہوسکتا ہے۔	۲۲	۳۵۴
۲۴۰	محمد کسی امتی کے باپ نہ تھے	۲۲	۳۵۷
۲۴۱	رسول کو ایک خاص نکاح کی اجازت	۲۲	۳۵۸
۲۴۲	بے اذن رسول کے گھر میں داخل ہونے کی ممانعت	۲۲	۳۵۹
۲۴۳	صلوات میں آل محمد داخل ہیں	۲۲	۳۶۲
۲۴۴	نواسیاں داخل اولاد ہیں	۲۲	۳۶۴
۲۴۵	حضرت داؤد کے لئے لوہا نرم ہوجاتا تھا	۲۲	۳۷۰
۲۴۶	حضرت سلیمان کے لئے ہوا اور جنات کا مسخر ہونا	۲۲	۳۷۵
۲۴۷	حضرت سلیمان کی قدرت کا واقعہ	۲۲	۳۹۱
۲۴۸	وارث کتاب اللہ کون ہے	۲۲	۴۰۰
۲۴۹	امام مبین کون ہے	۲۲	۴۰۳
۲۵۰	حبیب النجار کی [illegible]	۲۲	[illegible]
۲۵۱	قیامت [illegible]	۲۲	[illegible]
۲۵۲	رسول [illegible]	۲۲	[illegible]
۲۵۳	[illegible] اہلبیت [illegible]	۲۳	[illegible]
۲۵۴	حضرت ابراہیم [illegible]	۲۳	[illegible]
۲۵۵	حضرت [illegible]	۲۳	[illegible]
۲۵۶	[illegible]	۲۳	[illegible]
۲۵۷	حضرت داؤد کو خدا نے [illegible] حکمت اور فصل خطاب [illegible]	۲۳	[illegible]
۲۵۸	حضرت داؤد کے سامنے [illegible]	۲۳	[illegible]
۲۵۹	سلیمان [illegible]	۲۳	[illegible]
۲۶۰	کرسی سلیمان [illegible]	۲۳	[illegible]
۲۶۱	[illegible] سلیمان [illegible]	۲۳	[illegible]
۲۶۲	خلقت انسانی [illegible]	۲۳	[illegible]
۲۶۳	[illegible]	۲۳	[illegible]
۲۶۴	[illegible]	۲۳	[illegible]
۲۶۵	[illegible]	۲۳	[illegible]

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۲۶۶	رسول کا اجر رسالت	۲۵	۴۰۱
۲۶۷	وحی کی صورتیں	۲۵	۴۰۳
۲۶۸	آسمان و زمین کس پر روئے	۲۵	۴۰۴
۲۶۹	والدین کے ساتھ احسان	۲۵	۴۰۵
۲۷۰	آنحضرت کے گناہوں کی معافی کا مطلب	۲۶	۴۰۵
۲۷۱	بیعت رسول بیعت خدا ہے	۲۶	۴۰۶
۲۷۲	نبی کی آواز پر آواز بلند کرنے کی ممانعت	۲۶	۴۰۶
۲۷۳	طعنہ دینے اور برا نام رکھنے کی ممانعت	۲۶	۴۰۸
۲۷۴	بدگمانی اور ٹوہ لگانے کی ممانعت۔	۲۶	۴۰۸
۲۷۵	انبیاء خدا کے ہاں سے علم لے کر آتے ہیں	۲۶	۴۰۹
۲۷۶	جن و انس کو عبادت کے لئے پیدا کرنے کا مطلب	۲۷	۴۱۰
۲۷۷	ستارہ کا ٹوٹنا	۲۷	۴۱۱
۲۷۸	قاب قوسین او ادنیٰ کا مطلب	۲۷	۴۱۳
۲۷۹	رسول کو معراج میں کیا وحی ہوئی	۲۷	۴۱۵
۲۸۰	سدرہ پر جبرئیل کو دوبارہ دیکھنا	۲۷	۴۱۷

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۲۸۱	رسول نے کبھی کسی بت کی تعریف نہیں کی	۲۷	۴۱۷
۲۸۲	معجزہ شق القمر	۲۷	۴۱۸
۲۸۳	مس کتابت قرآن	۲۷	۴۱۹
۲۸۴	نبوت و کتاب ذریت ابراہیم کو ملی	۲۷	۴۲۰
۲۸۵	حضرت رسولخدا کے متعلق بشارت عیسیٰ	۲۸	۴۲۱
۲۸۶	دین اسلام تمام ادیان پر غالب آئیگا	۲۸	۴۲۱
۲۸۷	تناسوت کرنا اولیائے خدا کا حق ہے	۲۸	۴۲۲
۲۸۸	ذکر رسول کا نام ہے	۲۸	۴۲۳
۲۸۹	رسول کی دو بیبیوں کے دل ٹیڑھے ہوگئے تھے	۲۸	۴۲۴
۲۹۰	نوح اور لوط کی بیبیاں	۲۸	۴۲۸
۲۹۱	آسیہ زن فرعون	۲۸	۴۲۹
۲۹۲	عالم امکان کی حد آخر	۲۹	۴۳۰
۲۹۳	علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا	۲۹	۴۳۰
۲۹۴	نفس کی تین قسمیں	۲۹	۴۳۱
۲۹۵	جاں کنی کا ہولناک عالم	۲۹	۴۳۲
۲۹۶	شداد کا بہشت	۳۰	۴۳۴
۲۹۷	والد و ما ولد سے کیا مراد ہے	۳۰	۴۳۵
۲۹۸	رسول کا شرح صدر اور نصب جانشین کا حکم	۳۰	۴۳۶
۲۹۹	زمین کا کلام کرنا	۳۰	۴۳۷
۳۰۰			

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

(۱) قرآن سرتا پا ہدایت ہے

۱۔ الم۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ۔ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۔

یہ وہ کتاب ہے جس میں شک کو راہ نہیں۔ وہ متقیوں کے لئے سرتا پا ہدایت ہے۔

کتاب خدا کا دامن وہم و قیاس، شک و گمان سے بالکل پاک صاف ہے۔ اس میں جتنی باتیں ہیں سب یقین کی روشنی میں ہیں۔ قرآن کریم یوں تو کافۃ الناس کے لئے ہدایت ہے خواہ وہ کہیں بستے ہوں کسی قوم و قبیلہ کے ہوں یا کسی مذہب و ملت کے ماننے والے ہوں ہدایت حاصل کرنا چاہیں لیکن پوری پوری ہدایت تو وہ متقی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جن کی صفات یہ بیان کی گئی ہیں

۱۔ غیب پر ان کا ایمان ہو۔

۲۔ پابندی سے نماز پڑھتے ہوں

۳۔ جو رزق اللہ نے ان کو دیا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کیا کرتے ہوں

۴۔ جو کتاب (قرآن) رسول پر نازل کی گئی ہے اس کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان لائیں

۵۔ رسول سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں ان پر بھی ایمان رکھتے ہوں

۶۔ قیامت پر بھی ایمان رکھتے ہوں

اگر مذکورہ بالا صفات میں سے کوئی ایک بھی نہ ہو تو وہ متقیوں کی فہرست سے نکل جائے گا

ہوجائے گا اور قرآن سے پوری ہدایت حاصل نہ کرسکے گا۔

غیب پر ایمان بہت سی چیزوں پر شامل ہے۔

وجود باری تعالیٰ۔ ملائکہ جنت ددوزخ۔ جزاوسزا۔ انبیائے سابقین۔ وجود حضرت حجت حشر ونشر۔ قیامت۔ رجعت۔

انبیائے مرسلین کے بھیجنے کے بعد خدا کی حجت بندوں پر تمام ہوجاتی ہے۔ جو لوگ ان کے بتائے ہوئے احکام الٰہی پر ایمان نہیں لاتے یا ان سے بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں ان کا ایمان ناقص ہے وہ کتاب خدا کی ہدایت سے پورا پورا فائدہ حاصل نہیں کرسکتے

---

(۲) کٹر کافر کو عذاب سے ڈرانا فائدہ نہیں دیتا

پ۱-البقرہ ع ۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

(جن لوگوں نے کفر اختیار کیا (اے رسول) چاہے تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہیں لائیں گے)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب خدا نے اپنا یہ فیصلہ سنادیا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو ان کا ایمان نہ لانا باعث عذاب نہیں ہوسکتا کیونکہ علم الٰہی کے خلاف وہ کیسے کرسکتے ہیں جب ان پر تبلیغ کارگر نہیں ہوسکتی تو وہ مجبور قرار پائے۔

یہ اعتراض اس لئے غلط ہے کہ علم الٰہی افعال عباد پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ ہم جس طرح ماضی کے واقعات کو جانتے ہیں۔ علام الغیوب خدا اس سے ہزار درجہ بہتر آئندہ کے واقعات کو جانتا ہے پس اس کے علم میں وہ سب باتیں ہیں۔ جو بندے اپنی آئندہ زندگی میں کرنے والے ہیں۔ علم الٰہی نے ان کو مجبور نہیں کیا بلکہ وہ خود کفر پر اڑے رہے اس کو ایک مثال سے سمجھیئے!

ایک طبیب یا ڈاکٹر مریض کی حالت کا اندازہ کر کے کہتا ہے اب کوئی علاج فائدہ نہ دے گا۔ یہ ایک ہفتہ کے اندر مر جائے گا اور وہ مر جانے تو اس کی موت کا سبب اس کی جسمانی حالت کی تباہی ہوگا نہ کہ طبیب۔ ورنہ طبیب قاتل قرار پاتا۔

بندہ اپنے فعل میں مختار ہے خدا نے اچھائی اور برائی کے دونوں راستے دکھا دیئے ہیں اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا جس راستہ کو وہ چاہے اختیار کرے۔ چاہے کافر بنے یا مومن۔ جو کچھ وہ بننے والا ہے وہ خدا کے علم میں پہلے سے موجود ہے اسی کی بنا پر وہ رسول سے کہہ رہا ہے کہ ان کفار کا ذکر مثلاً جیسے ابوجہل و ابولہب وغیرہ و تم عذاب خدا سے ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ ایمان نہ لانے والے ہیں۔

(۳) دلوں پر مہر لگانے کا مطلب

پ۱ البقرہ ع۱ — خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ [illegible]

(اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا [illegible] ہوئے ہیں)

یہ سمجھنا چاہیے کہ جب اللہ نے مہر ان کے دلوں اور کانوں پر لگا دی [illegible]

[illegible]

لہذا ایسے لوگوں کے دلوں پر قدرت کی طرف سے ایسا نشان دیا گیا۔ جس سے پتہ چلے کہ یہ
ناقابل ہدایت ہیں اگرچہ ہم اس علامت کو نہ پہچانیں۔ لیکن خدا کے فرشتے اور رسول پہچان لیتے ہیں
فرشتے تو خیر فرشتے ہیں دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو قیافہ شناس ہوتے
ہیں اور لوگوں کا چہرہ دیکھ کر ان کے واردات قلبی کا پتہ چلا لیتے ہیں اور ان کے اخلاق محاسن و
معائب کو ان کے چہروں کے آئینوں میں دیکھ لیتے ہیں اور بتا دیتے ہیں کہ فلاں شخص
سنگدل ہے یا رحمدل۔ سخی ہے یا بخیل۔ عالم ہے یا جاہل۔ یہ علامتیں ایسی پوشیدہ
ہوتی ہیں کہ عام نگاہیں ان تک نہیں پہنچ سکتیں۔ افلاطون کے متعلق مشہور ہے کہ جو لوگ
اس سے ملنے آتے وہ ان کے چہروں سے ان کے باطن کا حال معلوم کر لیتا جو بری
طبیعت ہوتے ان سے بات چیت نہ کرتا۔

حصول ہدایت کا تعلق تین ہی چیزوں سے ہے اول کان جن سے انبیاء و مرسلین
کی ہدایت کو سنتے ہیں۔ دوسرے آنکھ ہے جس سے آثار قدرت کو دیکھ کر ایمان لاتے
ہیں تیسرا دل ہے جس سے دیکھنے اور سننے کے بعد کسی صحیح عقیدہ پر قائم ہونے کا
فیصلہ کیا جاتا ہے اگر کوئی شخص ان تینوں دروازوں کو اپنے اوپر بند کر لے تو وہ ہدایت یافتہ
ہو ہی نہیں سکتا اور اس پر تبلیغ کرنا وقت کا ضائع کرنا ہوگا۔

زمین شور سنبل بر نیارد | درو تخم عمل ضائع مگردان

اس آیت کا آخری حصہ یہ ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (ان
کے لئے سخت عذاب ہے) اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا روکنا ہوتا تو پھر
عذاب عظیم کا ذکر نہ کرتا۔ یہ عدل الٰہی کے خلاف ہے کہ آپ ہی تو مہر لگا کر ہدایت
سے روکے اور پھر ان مجبوروں پر عذاب بھی نازل کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندہ
اپنے افعال میں خود مختار ہے۔

Marfat.com

(۴) اللہ کا استہزاء

پ۱ ۔ البقرۃ ۲ ۔ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ وَیَمُدُّھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ
(اللہ ان کو ڈھیل دیتا ہے اور وہ اپنی غلطی میں غلطاں و پیچاں ہیں) ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم

اس آیت میں استہزاء یعنی تمسخر کی نسبت اللہ کی طرف ہے۔ حالانکہ تمسخر کرنا اللہ کی شان سے بعید ہے۔ چونکہ اس سے پہلے کی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ منافقین جب کفار سے ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم تو مسلمانوں میں شامل ہو کر ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے اس انداز بیان کو مد نظر رکھ کر اللہ نے فرمایا کہ اللہ ان سے استہزاء کرتا ہے لیکن اس کے اصلی معنی یہ ہیں کہ ان کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے۔ علم بدیع میں اس اسلوب بیان کو صنعت مشاکلت کہتے ہیں یعنی جس انداز میں کوئی کلام کرے اسی انداز میں اسی کے الفاظ کے ساتھ جواب دے۔

مثلاً ایک برہنہ شخص کسی کے یہاں جا کر مہمان ہوا اور وہ موسم سرما کا تھا۔ میزبان نے اس سے کہا کہ جو آپ پسند کریں وہ کھانا پکوا دیا جائے۔ اس نے جواب میں کہا کہ مجھے ایک جبہ پکوا دیجئے۔ یا مثلاً نصاریٰ جب اپنے بچوں کا اصطباغ (بپتسمہ) کراتے تھے تو زرد رنگ کے پانی میں نہلاتے تھے جس میں حضرت عیسیٰ کو نہلایا گیا تھا تو کہتے تھے ہمارا بچہ نصرانیت میں رنگا گیا۔ مسلمانوں پر اعتراض کرتے تھے کہ تمہارا اصطباغ نہیں ہوا [illegible] تو خدا نے ان کے جواب میں فرمایا صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً [illegible] رنگ تو اللہ کا ہے اور اس سے بہتر رنگنے والا کون ہے۔ مسلمانوں نے جواب [illegible] صبغنا اللہ بالایمان یعنی اللہ نے ہم کو ایمان سے رنگا ہے۔ [illegible] صنعت مشاکلت کی بنا پر اللہ نے [illegible] کو اپنی طرف نسبت دی ہے [illegible]

مکروا و مکر اللہ واللہ خیر الماکرین

۵) اللہ کے مرض بڑھانے کا سبب

پ البقرع ۲ - فِی قُلُوْبِہِمْ مَرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ط

(ان کے دلوں میں کفر کی بیماری ہے اللہ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے)

دل کی بیماری سے مراد کفر ہے۔ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ نے دل کی بیماری بڑھائی تو پھر دردناک عذاب کیسا؟ خدا کے مرض بڑھانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کافروں سے اپنی توفیقات کو سلب کر لیتا ہے اس لئے کہ وہ کفر سے ایمان کی طرف آنے کا ارادہ نہیں رکھتے مدد تو نیک کام میں کی جاتی ہے نہ کہ بد کام میں البتہ جو صاحب ایمان ہیں اللہ کی توفیقات ان کے ساتھ ہوتی ہیں جن سے روز بروز ان کے ایمان میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ انعام تو فرمانبرداروں کو دیا جاتا ہے نہ کہ باغیوں اور سرکشوں کو۔ توفیق الٰہی سے یہ مراد ہے کہ وہ اہل ایمان کے لئے ایسے اسباب فراہم کر دیتا ہے جو اس کے ایمان کو زیادہ قوی کرنے والے ہوں کافروں کے لئے وہ ایسا کیوں کرے۔

۶) قرآن کی مثل لانے کا چیلنج

پ البقرہ ع ۳ : - وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ وَادْعُوْا شُہَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ہ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ہ

(اگر تم اس کلام سے جو ہم نے محمد پر نازل کیا ہے شک میں پڑ گئے ہو پس اگر تم سچے ہو تو ایک سورہ ایسا بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلاؤ پس اگر تم یہ نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکتے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے)

Marfat.com

عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا وہ اپنے سوا سب کو عجم یا گونگا کہتے تھے ان کی شاعری کی بڑی دھوم تھی۔ عورتیں، مرد اور بچے تک شعر کہتے تھے۔ جب قبیلہ میں کوئی شاعر ہوتا تو اس کو مبارک باد دی جاتی۔ ان کے نامور شعرائے سات قصیدے اس دعوے کے ساتھ خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکائے تھے کہ ہے کوئی جو ایسا کلام پیش کر سکے۔ برسوں تک اس دعوی کے طلسم کو کوئی توڑ نہ سکا۔ لیکن جب قرآن نازل ہوا تو ان کے چکرا گئے۔ جب کسی طرح جواب نہ بن پڑا تو ہٹ دھرمی پر کمر باندھی اور مختلف طریقے سے افترا پردازیاں کرنے لگے۔

۱۔ یہ خود محمد کا گھڑا ہوا کلام ہے خدا کا نہیں۔

۲۔ یہ تو پرانے زمانے کے قصے کہانیاں ہیں۔

۳۔ ایک عجمی شخص (سلمان فارسی) محمد کے پاس آتا ہے اور یہ سبق پڑھا جاتا ہے

۴۔ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

اس قسم کی بکواس تو کرتے رہے مگر جواب نہ بن پڑا۔ کئی بار نامور ادیب شہرہ آفاق فصحا و بلغا سر جوڑ کر بیٹھے اور اپنی قابلیتوں کا پسینہ چوٹی سے ایڑی تک بہایا مگر عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ ان کی عاجزی کا ثبوت یہ ہے کہ بار بار لڑائیاں لڑیں جانیں گنوائیں۔ ایک سورہ کا جواب لکھ کر لے آتے تو آنحضرت کا دعوے نبوت باطل ہو جاتا۔

آخر کچھ تو اس کلام میں اعجازی شان تھی کہ ان سے جواب نہ بن پڑا اور ان کے ماننے ان کی فصاحت و بلاغت کا خون ہو گیا اور ایک انصاف پسند [illegible] کہنا ہی پڑا ما هذا [illegible] (یہ انسان کا کلام نہیں)

[illegible]

کلام باری تعالیٰ [illegible]

۱۔ فَدَعَا رَبَّهٗ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (نوح نے اپنے رب سے دعا کی میں مغلوب ہوں میری دعا قبول کر) صرف پانچ الفاظ کی دعا ہے۔ اب اس کے محاسن پر غور کیجئے۔

۱۔ مجیب الدعوات رب کو پکار کر اپنی طرف توجہ دلانا۔

۲۔ دعاؤں کے قبول کرنے والے کی لفظ "رب" کہہ کر مدح وثنا کرنا۔ تاکہ توجہ جلد ہو اور زیادہ ہو۔ مانگنے سے پہلے اپنے معطی کی مدح کرنا بلاغت کا بہترین اصول ہے۔

۳۔ اپنے حال پر توجہ دلانے کے لئے رحمت وعطوفت پروردگار کا اظہار۔

۴۔ اظہار تواضع وانکسار مانگنے والے کے لئے ضروری ہے۔ سوال میں تاثیر اس سے پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ اَنِّیْ مغلوب کہہ کر اپنی بیکسی وبے بسی کا اظہار تاکہ توجہ زیادہ ہو۔

۶۔ عرض حاجت بعنوان شائستہ۔

۷۔ اختصار کلام تاکہ طوالت مخاطب پر بار نہ ہو اور گستاخی نہ قرار پائے۔

غرضیکہ ایک کوزہ میں دریا کو بند کر دیا ہے۔ ایک ذرا سی آیت میں بلاغت کلام کے سات اصول کس خوبی سے پائے جاتے ہیں۔

۲۔ مَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ۔ (اے رسول جب تک تم ان میں ہو ہم ان کو عذاب کرنے والے نہیں) اب اس کے رموز وغوامض پر نظر ڈالیے۔

۱۔ کافروں کو تہدید کی گئی کہ وہ مستحق عذاب ہو چکے ہیں تاکہ وہ حرکات ناشائستہ سے باز رہیں

۲۔ عذاب دینے پر اپنی قدرت کا اظہار۔

۳۔ عذاب نازل کرنا اس کی مصلحت پر موقوف ہے۔

۴۔ پیغمبر کی فضیلت اور عزت کا بیان کہ جس قوم میں اس کا وجود ہے اس پر عذاب نازل نہ ہو

(۳) مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ ہم نے تم کو (اے رسول) تمام عالموں کے

Marfat.com

لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس مختصر آیت میں پانچ بلیغ نکتے ہیں۔

۱۔ اپنے غنا کا اظہار کہ ارسال پیغمبر محض ازراہ رحمت بر بندگان ہے خود اس کا کوئی نفع نہیں۔

۲۔ رسول کی رسالت پر نص یعنی ہم نے ان کو رسول بنایا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بنے۔

۳۔ حضرت کی افضلیت کا اعلان کہ آپ کی رسالت باعث رحمت ہے۔

۴۔ آنحضرت کی بعثت کافۃ الناس کے لئے ہے صرف عرب سے مخصوص نہیں۔

۵۔ پیغمبر کے اتباع کی طرف رغبت دلانا تاکہ اس سے طالب رحمت ہوں۔

یہ تو معنوی خوبیاں تھیں اب ایک نظر لفظی خوبیوں پر ڈال لیجئے۔

اَلَّذِیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ

(وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو شفا دیتا ہے)

اس میں صنعت مقابلہ ہے۔ طعام۔ سقا۔ مرض۔ شفا۔ یسقین ویشفین۔ ان دونوں میں صنعت تجنیس ہے دونوں لفظ کتابت میں یکساں ہیں۔ صرف نقطوں کا فرق ہے۔

۲ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (نیک بندے نعمتوں میں ہیں اور بد بندے جہنم میں) ابرار کی ضد فجار۔ نعیم کی ضد جحیم۔ چاروں لفظ ہم وزن غرض اس قسم کی بے شمار خوبیاں ہیں جن کا بیان طاقت بشری سے خارج ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بہت سے انسانوں کا کلام بھی ایسا ہے کہ جس کا جواب دوسروں سے ممکن نہ ہو جیسے سعدی کی گلستان فردوسی کا شاہنامہ، رومی کی مثنوی غالب کا دیوان۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی کتابوں کے مصنفوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ایسا کوئی کلام پیش نہیں کر سکتا اگر یہ دعویٰ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور ایسے لوگ پیدا کرتا جو ان کے اس دعویٰ کی تردید کر دیتے۔

دوسرے طرز نگارش اور اسلوب بیان ہر شخص کا جداگانہ ہوتا ہے اس میں مقابلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سعدی شاہنامہ نہیں لکھ سکتے اور فردوسی گلستان نہیں لکھی جا سکتی۔ جس سے دونو کا عجز ظاہر ہوتا ہے اور یہ عجز ظاہر کرتا ہے کہ کلام پر پوری قدرت حاصل نہیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی کلام عیوب لفظی ومعنوی سے قطعاً خالی ہو تو یہ دعویٰ ہو سکتا ہے لیکن انسانوں میں ایسا کلام کسی کا نہیں پایا جاتا۔ چاہے کتنا ہی قادر الکلام ہو۔ کتنا ہی فصیح وبلیغ ہو۔ متضاد خیالات اور مختلف بیانات جس کلام میں پائے جائیں وہ قابل تحدّی نہیں سمجھا جا سکتا۔

قرآن نے اپنے معجزنما بیان کے متعلق فرمایا ہے:۔

لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا

(اگر یہ کلام خدا کے سوا کسی بندے کا ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر مصنف و شاعر کے بیان میں اختلاف خیال ضرور پایا جاتا ہے اور اسلوب بیان بھی بدل جاتا ہے لہٰذا اس سے تحدّی نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ عیب دار کلام قابل تحدی نہیں ہوتا۔ تیسرے اوّل سے آخر تک کلام کا ایک ہی نوعیت سے چلا جانا کسی مصنف کی تصنیف میں نہیں پایا جاتا۔ کہیں آمد ہوتی ہے تو کہیں آورد اور کہیں جھوٹ ہے تو کہیں سچ۔ کہیں دلیل کمزور ہوتی ہے تو کہیں قوی۔ ایسی صورت میں تحدی کیسی۔ تحدّی تو اس کلام سے ہوتی ہے جو رسول کے پاس بطور معجزہ آیا ہو تو دعوئ نبوت کے ساتھ پیش کیا گیا ہو۔ کسی کتاب کا جواب نہ ہونا اس کی دلیل نہیں کہ وہ معجزہ ہے اور جب معجزہ نہ ہوا۔ تو اس کا جواب حدّ امکان بشری سے خارج نہ ہوگا۔

۷ خدا نے مچھر کی مثال کیوں دی

پ البقرہ ع ۳ - اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا

(خدا نے مچھر اور اس سے بڑھ کر (حقیر چیز) کسی چیز کی مثال بیان کرنے میں نہیں

شرماتا) کفار و مشرکین نے مذاق اڑایا تھا کہ مسلمانوں کا خدا چھوٹی چھوٹی حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کیا کرتا ہے ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ان احمقوں نے یہ سمجھا ہی نہیں کہ مچھر باوجودیکہ ایک چھوٹا سا جانور ہے مگر قدرت کے بے شمار راز اس کے اندر پائے جاتے ہیں کیا یہ کچھ کم بات ہے کہ جتنے اعضا ہاتھی کے ہیں اتنے ذرا سے مچھر کے بھی ہیں۔ علم الحیوانات کے ماہروں نے جب مچھر کے متعلق تحقیقات کی تو معلوم ہوا:

۱۔ مچھر کے اندر ایک ایسا زہریلا مادہ پایا جاتا ہے کہ انسان کے بدن میں جاتے ہی سارے بدن میں اس کا اثر دوڑ جاتا ہے اور کئی طرح کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں ظاہر ہے کہ مچھر کا جثہ ہی کیا ہوتا ہے پھر اس کے اندر کتنا سا زہر ہوتا ہو گا لیکن وہ ذرا سا زہر بھی قیامت برپا کر دیتا ہے۔

۲۔ افریقہ کے جنگلوں میں ایک قسم مچھروں کی ایسی پائی جاتی ہے کہ ان کے کاٹنے سے انسان کا سارا بدن پھول کر کپا ہو جاتا ہے اور بسا اوقات پھٹ کر خون بہنے لگتا ہے

۳۔ باوجودیکہ بہت نحیف جانور ہے لیکن اس کے اندر کا ذرا سا زہر کئی تندرست آدمیوں کو بیمار ڈالنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ مچھر کے کاٹنے سے جتنے لوگ مرتے ہیں اور کسی بیماری سے نہیں کیونکہ اس کے کاٹنے سے مختلف قسم کی مہلک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں

۴۔ وہ اپنے شکار پر خاموشی سے حملہ نہیں کرتا بلکہ اسے للکار کر حملہ کرتا ہے۔ خدا کی شان دیکھو ذرا سا وجود اور یہ جرأت

۵۔ مچھر کے منہ میں جو سونڈ ہوتی ہے اس میں دو آلے اور ہوتے ہیں۔ ایک [illegible] میں وہ جب انسان پر حملہ کرتا ہے تو ان میں سے سوئی چبھوتا ہے مگر آدمی کو احساس نہیں ہوتا [illegible] سے خون کھینچتا ہے اور یہ کام اتنی جلدی کر لیتا ہے کہ آدمی کا ہاتھ اس تک پہنچنے نہیں پاتا۔

۶- مچھر انتہائی سریع الحس ہوتا ہے کہ انسان کا ہاتھ اٹھتے ہی اسے خبر ہو جاتی ہے۔

۷- وہ اپنے وجود کو ایسی جگہ چھپاتا ہے جہاں اسے کوئی دیکھنے نہ پائے۔

۸- وہ ہمیشہ رات کو حملہ کرتا ہے اور کھلے ہوئے اعضاء پر کرتا ہے۔ کپڑے کے اندر جا کر اپنے کو مقید نہیں کرنا چاہتا۔

۹- وہ اپنی قوت پرواز کا اندازہ کر کے تیز ہوا میں کبھی حملہ آور نہیں ہوتا بلکہ جب حبس ہوا ہو تو یکایک دوڑ پڑتا ہے۔

۱۰- اس کے حملے گرمی کے زمانہ میں زیادہ ہوتے ہیں۔ جب کہ انسان کے بدن کا اکثر حصہ کھلا رہتا ہے۔

۱۱- وہ گندی جگہوں میں پایا جاتا ہے وہیں سے وہ اپنا زہر حاصل کرتا ہے۔

۱۲- اس کے انڈے اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ کھلی آنکھوں سے نظر نہیں آ سکتے بلکہ بڑی طاقت ور خوردبین کے ذریعے سے دیکھے جا سکتے ہیں۔

۱۳- ایک ایک مچھر کی نسل سے کئی کئی سو مچھر پیدا ہوتے ہیں۔

۱۴- سات روز کے بعد اس کے بچے پرواز کے قابل ہو جاتے ہیں۔

سبحانہ با اعظم شانہٗ، کیسی صاحب قدرت کاملہ ہے وہ ذات جس نے ایک ذرا سے جانور کے اندر یہ کمالات ودیعت فرما دیے ہیں۔ انسان سمجھے یا نہ سمجھے۔

(۸) قرآن کن لوگوں کو گمراہی میں چھوڑتا ہے

پ ۱ - البقرع ۱۳ - يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (قرآن بہتوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے) اور مچھر ہی جیسی مثال سے بہتوں کو ہدایت کرتا ہے اور گمراہی میں بھی چھوڑتا ہے تو بدکاروں کو)

قرآن کریم خلق اللہ کی ہدایت کو آیا ہے مگر بہت سے بدکار بندے بجائے ہدایت پانے کے گمراہ ہو جاتے ہیں اس کی بہت سی صورتیں ہیں۔

۱- خدا جو مثالیں بیان کرتا ہے اس پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔

۲- آیات متشابہات کی غلط تاویلیں کر کے اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے ہیں۔

۳- اپنی منشا کے خلاف آیات کو نہیں مانتے۔

۴- بعض آیات کے متعلق کہتے ہیں رسول نے اپنے دل سے بنالی ہیں۔

۵- قرآنی آیات کو توجہ سے نہیں سنتے۔

۶- احکام قرآنی پر صحیح طریقے سے عمل نہیں کرتے۔

۷- احکام الٰہی کو قابل ترمیم و تنسیخ سمجھتے ہیں۔

۸- احکام الٰہی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

۹- ہدایت کے لئے صرف قرآن کو کافی سمجھتے ہیں۔ اہلبیت علیہم سے تعلق نہیں رکھتے۔

(۹) خلافت آدمؑ

پ۱ البقرہ ع۴ :- اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً :-

(اے رسول وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا میں روئے زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اس سلسلے میں جو آیات ہیں ان میں چند باتیں توضیح طلب

۱- حضرت آدم کی پیدائش سے پہلے روئے زمین پر جنات کی آبادی تھی جن کا سردار ابلیس تھا جو بڑا عبادت گزار تھا اس لئے وہ بعد میں صفوف ملائکہ میں شامل ہو گیا۔ جب قوم جنات میں فساد و خون ریزی بہت زیادہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ان کے قتل و غارت کے لئے بھیجا۔ چنانچہ ملائکہ نے ان کے ناپاک وجود سے زمین کو پاک کر دیا۔

۲- جب فضائے قدس میں یہ آواز گونجی کہ میں روئے زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں تو ملائکہ کے دل میں اس خواہش نے چٹکی لی کہ یہ عہدہ ہم ہی کو کیوں نہ ملے اور ابلیس چونکہ مدت تک زمین کے باشندوں (جنات) پر حکومت کر چکا تھا لہٰذا آدم کا نام ان ار

اس کے دل میں آتش حسد بھڑکی۔

۳- آدم کے قلب میں قوت غضبی اور شہوی کو جگہ پاتے دیکھ کر ملائکہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ وجود جس کا نام آدم ہے اپنی قوت شہوی کی وجہ سے فساد برپا کرے گا اور قوت غضبی کی بنا پر خونریزی کرے گا۔

۴- ملائکہ چونکہ معصوم تھے اور مزاج شناس قدرت تھے اس لئے صاف صاف تو اپنی خواہش کو نہ جتایا البتہ ایک لطیف پیرائے میں جو کہنا چاہتے تھے کہہ گئے یعنی آدم کے عیب کو اپنے محاسن کے ساتھ بیان کر دیا۔

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ

(کیا تو ایسے کو زمین پر خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو وہاں فساد برپا کرے گا اور خونریزی کرے گا اور ہم تو تیری حمد کی تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں)

خدا نے یہ کہہ کر ان کو خاموش کر دیا میں جو کچھ جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

وہ چپ ہو رہے مگر دل میں یہ خلش ضرور رہی کہ قدرت نے ہمارا دعویٰ بے دلیل رد کر دیا وہ جو کچھ دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ قدرت کے علم میں تھا۔ آدم کی برتری ثابت کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ آدم کو کچھ اسماء تعلیم کر کے ان کے مسمیات کو سامنے لایا گیا۔ ملائکہ سے پوچھا گیا کہ ان مسمیات میں کونسا نام کس کا نام ہو سکتا ہے ملائکہ میں چونکہ قوت استنباط (مقدمات کو ترتیب دے کر نتیجہ نکالنا) نہ تھی اس لئے نہ بتا سکے آدم نے اپنی قوت استنباط سے کام لے کر بتا دیا۔ ملائکہ نے شرمندہ ہو کر کہا: لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (ہمارے پاس تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے سکھا دیا ہے) اس سلسلے میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

۱- خدا نے آدم کو اسماء سکھائے (وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا) ملائکہ کو تعلیم دی تو یہ مقابلہ صحیح کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ جب آدم کو اسماء تعلیم کئے جا رہے

Marfat.com

تھے تو ملائکہ بھی سن رہے تھے کیونکہ یہ تعلیم کوئی ڈھکی چھپی نہ تھی۔ دوسرے ملائکہ کو
یہ نام پہلے سے معلوم تھے اور مسمیات سے بھی متعارف ہو چکے تھے کیونکہ حدیث
رسول ہے کہ محمد و آل محمد خلقت آدم سے چودہ ہزار برس پہلے پیدا ہوئے تھے
ملائکہ نے انہی کی تسبیح سے تسبیح سیکھی تھی۔ یہاں تو انہیں صرف یہ بتانا تھا کہ ان انوار
مقدسہ میں محمد کس کا نام ہو سکتا ہے علی کس کا اور فاطمہ و حسن و حسین کس کا۔ ملائکہ
اس تعیین و تشخیص میں ناکام رہے۔

۲۔ مفسرین کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ جو اسماء آدم کو تعلیم دیئے گئے وہ روئے زمین
کی تمام مخلوقات کے نام تھے۔ از قسم جمادات و نباتات و حیوانات تاکہ جب زمین
پر جائیں تو کسی مخلوق کے نام سے ناواقف نہ ہوں۔ اچھا اولاد آدم جو آدم کو
تعلیم دیئے گئے ان کے تو مسمیات بھی وہاں موجود نہ تھے یہاں اور آدم ان
سب کے نام بتا رہے تھے کیا یہ خیال ہے [illegible]
بڑی نمائش کو فرض کر لیا گیا قبل از وقت سب کے نام بتانے سے فائدہ [illegible]
پڑ رہے تو بالہام ربانی کیا ان کے نام نہیں بتا سکتے تھے۔

۳۔ جب اللہ کو کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں تو ملائکہ سے یہ کیوں کہا کہ میں
زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی رائے معلوم کرنا [illegible]
جواب یہ ہے کہ وہ مشورہ طلب بات نہ تھی بلکہ جو خواہش وہ اپنے دل میں لئے [illegible]
تھے اس کا ازالہ کرنا اور خلافت کے لئے ان کی عدم اہلیت کا [illegible]

۴۔ ملائکہ نے اپنا استحقاق ثابت کرنے کے لئے جو دلیل پیش کی تھی [illegible]
اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید نہیں کی۔ لہٰذا ان کا استحقاق ثابت رہا۔ جواب یہ ہے کہ
ان کی دلیل ثبوت ہی نہ تھی کیونکہ اس عہدہ جلیلہ کے پانے کے لئے صرف تسبیح و
تقدیس کافی نہ تھی بلکہ ایسے علم کی ضرورت ہے جو [illegible]

مقدمات کو ترتیب دے کر نتیجہ نکالنے کا ملکہ رکھتا ہو۔ ملائکہ کا محدود علم اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا تھا۔

۵۔ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ اجماع ملائکہ مسئلہ خلافت میں قابل قبول نہیں ہوا۔ پس جب معصوموں کا اجماع نامنظور ہوا تو غیر معصوموں کا اجماع اور وہ بھی ناقص۔ کسی کو خلیفہ بنانے کے لئے کب کافی ہو سکتا ہے۔ جب استحقاق خلافت کا مسئلہ طے ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا۔

۶۔ جب میں آدم کا پتلا ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اس میں اپنی روح (روح نبوت) پھونک دوں۔ تو تم سب سجدہ میں گر پڑنا۔ اب ملائکہ سمجھے کہ یہ سجدہ تعظیمی جسد آدم کے لئے نہیں ہے بلکہ اس روح نبوت کے لئے ہے۔ جس کی عظمت ہم سے بالاتر ہے۔ بہر حال اس کے بعد ملائکہ کا قصہ تو ختم ہوا۔ اب ابلیس کا قصہ سنیئے۔

ملائکہ کے ساتھ شیطان کو بھی سجدہ کر لینا چاہیئے تھا مگر وہ تو تھا آتش پیکر آتشی مزاج اکڑ گیا اور سجدہ سے انکار کر بیٹھا۔ وکان من الکافرین اور کافروں سے ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ شیطان کافر کیوں قرار پایا۔ وہ موحد تھا اور ایسا موحد کہ اپنا ستیا ناس مار لیا۔ مگر خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنے پر راضی نہ ہوا۔ وہ نبوت شناس بھی تھا ورنہ یہ کیوں کہتا کہ میں تیرے سب بندوں کو بہکاؤں گا۔ سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ یہ مخلص بندے انبیاء و مرسلین ہی تھے۔ وہ قیامت کا بھی قائل تھا۔

ورنہ قیامت کے دن تک کی مہلت کیوں مانگتا۔ ان تین اصولوں میں سے وہ کسی ایک کا بھی منکر نہ تھا۔ اس نے تو کہا کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے اور آگ مٹی سے افضل ہے۔ پھر یہ کہاں کا عدل ہے کہ فاضل سے مفضول کی تعظیم کرائی جائے۔ دوسرے خلافت کا منکر تھا پس وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ یعنی اس

Marfat.com

سلسلہ میں کافر اور بھی ہوں گے ان میں سے پہلا کافر شیطان بنا۔

لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ خدا نے اس بانی شر ون شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا نہ اسے پیدا کرتا نہ دنیا میں بدی کا رواج ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ خدا نے شیطان بنایا نہیں تھا بلکہ وہ اپنی سرکشی سے شیطان بنا۔ اگر شیطان پیدا ہی کیا ہوتا تو وہ ہزار ہا سال عبادت خدا نہ کرتا۔ خلافت کو نہ ماننا اس کا ذاتی فعل تھا۔ جس کا اس کی خلقت سے تعلق نہ تھا۔ اگر اس کا وجود دنیا میں نہ ہو تو پھر نیکی نیکی نہ رہے گی۔ کیونکہ نیکی تو بدی کے ترک کرنے کا ہی نام ہے۔ ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

(۱۰) آدم کا جنت سے نکلنا

پ۔ البقرع ۴ :- وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝

(ہم نے (آدم سے) کہا کہ تم اپنی بی بی سمیت بہشت میں رہا سہا کرو اور جہاں تمہارا دل چاہے اس میں سے بفراغت کھاؤ (پیو) مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم اپنا آپ نقصان کرو گے۔ تب شیطان نے آدم و حوا کو (دھوکہ دیکر) وہاں سے ڈگمگایا اور آخر جس عیش میں وہ تھے اس سے نکال پھینکا اور ہم نے کہا (اے آدم و حوا) تم زمین پر اتر پڑو تم ہی سے ایک کا ایک دشمن ہو گا اور زمین تمہارے لئے ایک خاص وقت (قیامت) تک ٹھہرنے کی جگہ ہے)

ان آیات کے سلسلے میں چند باتوں پر غور کیجئے۔

۱۔ جس جنت میں آدم تھے وہ کونسی جنت تھی۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں وہ جنت الخلد تھی لیکن یہ بات دل کو نہیں لگتی کیونکہ اول تو جنت الخلد سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں

ہوتا - دوسرے مور اور سانپ کے ذریعہ سے شیطان کا جنت الخلد میں جانا ناممکن جنت الخلد نیک لوگوں کا مقام ہے وہاں شیطان، مور اور سانپ کا کیا دخل - تیسرے جنت الخلد میں ایسے درخت کا ہونا عقل تسلیم نہیں کرتی جس کا پھل کھانے سے بدن کے کپڑے اتر پڑیں وہاں کے پھل تو کچھ اور ہی قسم کے ہوں گے -
دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جنت ارضی تھے کس خطہ زمین پر تھی اس کو اللہ بہتر جانتا ہے کونسی آنکھ تھی جو اس کو دیکھتی - جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس کی زمین گھنے سایہ دار درختوں سے ڈھکی ہوئی ہو - چونکہ آدم زمین ہی کے مٹی سے بنے تھے لہٰذا ان کو زمین ہی کی جنت میں رہنا چاہئے تھا -

۲ - آیات سے یہ معلوم ہوا کہ اس جنت میں جو کچھ غذائیں جہاں جہاں تھیں ان سب کے کھانے کی حضرت آدم کو اجازت تھی - سوائے ایک درخت کے جس کا پھل کھانا ان کے لئے مضر تھا - اس لئے خدا نے اس کا پھل کھانے سے منع کیا تھا اس پھل کے کھانے کا پہلا اثر تو یہ ہوا کہ میاں بی بی دونو کے بدن سے لباس اُتر پڑے - یہ مخصوص لباس ہوگا - مادی غذا کا وہ تحمل نہ کرسکا اور اس کے کھانے کے بعد ان کا جنت میں ٹھہرنا ناممکن ہو گیا معلوم ہوتا ہے اس کے اثرات کچھ اور بھی ایسے ہوں گے کہ وہ اس مقدس سرزمین پر رہنے کے قابل نہ رہے -

۳ - معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ درخت گندم تھا - گیہوں کھانا آدم وحوّا کے لئے حرام تو نہ تھا اس کے کھانے سے جو روکا گیا تو یہ نہی تحریمی نہ تھی مادی غذا سے بچانے کے لئے اگر اس کا کھانا حرام ہوتا تو آدم کی ساری اولاد کے لئے حرام ہو جاتا کیونکہ جو شے نبی پر حرام ہوتی ہے وہ اس کی ساری اُمت پر حرام ہوتی ہے -
فتکونا من الظالمین کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں اسے کھا کر اپنے نفس پر ظلم کرو گے یعنی اپنے کو نقصان پہنچاؤ گے - ظلم کی دو قسمیں ہیں - ظالم لنفسہ جو صرف

اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور ظالم بغیرہ جو دوسروں پر ظلم کرتا ہے۔ پس آدم و حوا نے اپنے اوپر ظلم کیا نہ کسی غیر پر اور ایسا ظلم قابل معافی ہوتا ہے۔ چنانچہ آدم کو معاف کر دیا گیا اور ان کی خلافت باقی رہی۔

۴ - اب رہا شیطان کا بہکانا یعنی دھوکا دینا۔ تو اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب آدم نبی تھے تو شیطان کا جادو ان پر کیوں چلا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آدم خلیفہ الٰہی تھے ان کی نبوت و خلافت کا آغاز زمین پر آکر ہوا۔ اس سے پہلے جو کچھ ہوا وہ قابل مواخذہ قرار نہیں پا سکتا۔ وہ باقتضائے بشریت دھوکہ میں آگئے نہ بحیثیت خلافت۔ چونکہ شیطان نے قسم کھا کر اپنا بیان دیا تھا۔ سو قرآن میں مذکور ہے اور اس وقت تک جھوٹی قسم کسی نے نہ کھائی تھی۔ لہٰذا اسم الٰہی کی عظمت و جلالت پر نظر کر کے انہوں نے سچ مان لیا تھا۔ پس اگر زمین پر آکر وہ خدا کے حکم کی [illegible] کا شکار ہو جاتے تو ضرور قابل اعتراض بات ہوتی۔

۵ - یہ کہنا صحیح نہیں کہ آدم سے گناہ سرزد نہیں ہوا تھا تو جنت سے نکالے کیوں گئے۔ نکالا جانا کسی گناہ کی سزا نہ تھی۔ وہ تو زمین ہی کے لئے تھے [illegible] اگر یہ صورت آتی [illegible] جنت سے نکلنا بطور سزا ہوتا تو [illegible] خلافت [illegible] ملتی ہی نہیں۔

۶ - یہ بات بھی قابل غور ہے کہ [illegible] آدم و حوا دونوں نے ہی کھایا [illegible] خلافت صرف آدم ہی کی طرف سے [illegible]

[illegible]

کے لباس کے دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ نادر شاہ کو اس پر غصہ آگیا اور کہا بد تمیز میرے سامنے سے دور ہوجا۔

۷۔ قلنا اھبطو (ہم نے کہا زمین پر اتر جاؤ) اس سے مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ جنت الخلد سے ان کو زمین پر اتارا گیا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے اھبطو سے یہ مراد نہیں کہ وہ آسمانی جنت سے زمین پر اتارے گئے۔ کسی بلند مقام سے نیچے مقام پر اترنے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ جیسے بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا۔ اھبطو مصراً یعنی تم وادی تیہ سے نکل کر کسی شہر میں چلے جاؤ۔ وہاں تم کو تمہاری خواہش کے مطابق پیاز، لہسن، دال، ککڑی سب کچھ مل جائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آدم جس جنت میں تھے وہ بلند مقام پر تھی لہٰذا ان کو ہموار زمین پر اتارا گیا تاکہ کھیتی باڑی کریں اور بستیاں بسائیں۔

(۱۱) اللہ کے سوا دوسروں سے بھی مدد مانگ سکتے ہیں

پ ۱ البقرہ ع ۵۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

(مصیبت کے وقت روزہ اور نماز کا سہارا پکڑو۔ البتہ نماز دوبھر ہے مگر ان خاکساروں پر نہیں جو بخوبی جانتے ہیں کہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور اس کی طرف لوٹ کر جائیں گے)

انسان مدنی مطبع ہے اس کو اپنی ضرورتوں میں اپنے ابنائے نوع سے مدد مانگنا ضروری ہوتا ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے تمام کام معطل ہوجائیں یہ مدد کبھی تو وہ زندہ لوگوں سے مانگتا ہے کبھی ایسے لوگوں سے جو شہیدان راہ خدا ہیں بظاہر وہ مر گئے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کو مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اللہ کی طرف سے رزق

Marfat.com

پاتے ہیں۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے مدد مانگنا کفر ہے۔ اس آیت میں روزے اور نماز سے مدد مانگنے کی صاف طور سے اجازت ہے۔ حالانکہ نماز و روزہ بظاہر ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ لیکن ان کے ذریعہ سے ہم کو اپنے نفسانی اور روحانی امور میں اتنی مدد ملتی ہے کہ ہمارے بہت سے بگڑے کام سنور جاتے ہیں۔ مثلاً ہم فحشا و منکر سے بچ جاتے ہیں اور ان کے بجا لانے سے لوگوں کی نظر میں ہمارا احترام قائم ہو جاتا ہے اور وقت مصیبت وہ ہماری مدد کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح امورِ خیر میں۔ مصائب و آلام میں۔ حوادث ارضی و سماوی میں اگر اپنے پیشوایان دین سے مدد مانگتے ہیں تو کیا قابل اعتراض بات ہے۔ آیہ مذکورہ بالا سے جب ہمیں غیر اللہ سے امداد حاصل کرنے کی اجازت ہے تو پھر اعتراض کیوں؟

نماز اور روزہ براہ راست تو ہماری مدد کرتے نہیں مگر بالواسطہ کرتے ہیں یعنی ان کے ذریعہ سے ہم فحشا و منکر سے بچے رہتے ہیں۔ پس جو پیشوایان دین ہمیں فحشا و منکر سے بچاتے ہیں ان سے ہم براہ راست مدد حاصل کیوں نہ کریں۔

اس آیت کا آخری حصہ یہ ہے۔ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ۔ اس سے بعض احمقوں نے یہ مراد لی ہے کہ قیامت میں خدا سے بندوں کی ملاقات ہوگی۔ اگر ملاقات کی یہی صورت ہوگی۔ جیسے ہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور یہ کہ وہ اپنے تخت پر اس شان سے بیٹھا دیکھیں گے کہ وہ لوگوں کے اعمال کی جانچ کر کے جنت یا دوزخ میں جانے کا حکم دے رہا ہوگا۔ تو وہ ہم ہی جیسا آدمی ہوگا۔ وہ خدا کہلانے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ قابل رویت ہوتا تو موسیٰ سے یہ نہ فرماتا۔ لن ترانی تم ہرگز مجھے نہ دیکھو گے نہ اب نہ مستقبل میں۔ نفی بلن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی رویت کسی زمانہ میں نہیں ہو سکتی اگر وہ بندوں سے ملاقات کرتا ہوتا تو شب معراج حضرت رسول خدا سے ضرور گلے ملتا یا کم سے کم مصافحہ ہی کرتا۔ جب اپنے محبوب بندہ ہی سے نہ ملا تو عام لوگوں کا کیا ذکر

اگر وہ قابل رویت ہوتا تو یہ نہ فرماتا۔ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ہ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں ہاں وہ آنکھوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ لطیف وخبیر ہے)

(۱۲) لفظ آل کی توضیح

پ۱ البقرہ ع ۶ :- وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا درانحالیکہ تم دیکھ رہے تھے) اس آیت میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ فرعون کے اولاد نہ تھی پھر اس آیت میں آل فرعون کیوں ہے۔

۲۔ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون غرق نہیں ہوا بلکہ آل فرعون غرق ہوئی۔

۳۔ اگر آل فرعون سے اس کی اولاد مراد نہیں ہو سکتی تو اس کی تمام قوم مراد ہوگی۔

۴۔ اگر آل فرعون سے مراد اس کی قوم ہے تو آل محمد سے مراد تمام امت کیوں نہیں ہو سکتی

حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں آل کا لفظ خاندان والوں کے لئے بولا گیا ہے اور اس میں سردار خاندان کو بھی شامل رکھا گیا ہے۔ مثلاً :

وَاٰتَیْنَا اٰلَ اِبْرَاھِیْمَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ (ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب وحکمت دی) اس سے ابراہیم خارج نہیں کیونکہ وہ بھی صاحب کتاب وحکمت تھے۔ جیسا کہ آیہ صحف میں ابراہیم وموسیٰ سے ظاہر ہے کہ صاحب کتاب تھے اور آیہ (وَاٰتَیْنَا اِبْرَاھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ) سے ظاہر ہے کہ وہ صاحب علم وحکمت تھے۔

پ۱۳ سورۃ یوسف ع۱ میں ہے۔ وَیُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَعَلٰی اٰلِ یَعْقُوْبَ (اور اس سے پہلے جس طرح (اللہ تعالیٰ) تمہارے باپ دادا پر اپنی نعمت پوری کر چکا ہے اسی طرح تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کو پورا کرے گا) یہاں آل یعقوب سے خاندان یعقوب مراد ہے جس میں یعقوب شامل ہیں۔

22850

پس آل فرعون کے غرق ہونے میں فرعون شامل ہے اگرچہ غرق ہونے میں قوم فرعون بھی شامل تھی۔ لیکن خاص طور سے خاندان فرعون کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل پر فرعون اور اس کے خاندان والے ہی زیادہ ظلم کر رہے تھے اور ان کے حکم ہی سے دوسرے لوگ ستاتے تھے۔ لہٰذا انہی کا ذکر کرنا ضروری تھا۔

آیہ قال رجل من آل فرعون میں آل فرعون سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص (مومن آل فرعون) خاندان فرعون سے تھا یعنی فرعون کا چچا زاد یا ماموں زاد بھائی تھا۔ یہاں یہ مراد نہیں کہ اس کی قوم سے تھا۔ آل فرعون کہہ کر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس بدبخت خاندان میں ایک شخص مومن بھی تھا۔ اگر آل سے مراد قوم لی جائے تو پھر اس آیت میں کتاب و حکمت کے مالک ملت ابراہیمی کے تمام ماننے والے ہو جائیں گے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ خصوصیت صرف اولاد ابراہیم کی ہے۔ ان میں بھی مخصوص لوگوں کی [illegible] تمام امت کا تمام انبیاء کی [illegible] کی امتوں پر ہونا لازم آئے گا جو بداہتہ باطل ہے۔

[illegible] قرآن میں تابوت سکینہ کا ذکر ہے اس کے اندر [illegible] [illegible] آل موسیٰ و آل ہارون [illegible] [illegible] قوم امت ہو تو [illegible] [illegible]

[illegible] آل موسیٰ و آل ہارون [illegible] آل موسیٰ [illegible] آل موسیٰ [illegible] قرآن [illegible]

جیساکہ پہلے بیان ہوا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بھائی کی اولاد بھی مثل اپنی اولاد کے ہوتی ہے۔ حضرت رسول خدا نے حضرت علی سے فرمایا تھا اے علی کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی۔ پس جس طرح اولاد ہارون اولاد موسیٰ کہلائی اسی طرح اولاد علی اولاد رسول کہلائی حضرت نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللہَ جَعَلَ ذُرِّیَّۃَ کُلِّ نبی فی صُلبِہٖ و جعل ذُرِّیتی فی صُلبِ علی بن ابی طالب

(اللہ نے ہر نبی کی اولاد اس کے صلب سے پیدا کی ہے اور میری اولاد صلب علی سے ہے)

آل کا لفظ اپنی اصطلاح خاص میں مخصوص افراد خاندان پر بولا جاتا ہے عام اولاد میں نہیں ورنہ انبیاء کی اولاد جو کفار و مشرکین تھے وہ بھی شامل ہو جائیں گے۔

۱۳ کوہ طور کا سروں پر بلند ہونا

پ البقرع ۸:۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ۔

(وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے (تعمیل توریت کا تم سے اقرار لیا اور ہم نے تمہارے سروں پر طور (پہاڑ) کو لاکر لٹکا دیا)

اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ طور کو بنی اسرائیل کے سروں پر بطور ایک چھتری کے لٹکا دیا تھا یا ایسا نہیں تھا بلکہ اس کی صورت کچھ اور تھی۔

سرسید احمد خاں نے اپنی تفسیر انوار القرآن میں حسب ذیل تحقیق لکھی ہے:۔

یہ مضمون قرآن مجید میں دو مقام پر آیا ہے ایک تو اس آیت میں کہ ہم نے تمہارے اوپر طور کو اونچا کیا دوسرے سورہ اعراف میں یہ الفاظ ہیں۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَھُمْ کَاَنَّہٗ ظُلَّۃٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّہٗ وَاقِعٌ بِھِمْ

ان دونوں مقاموں میں چار لفظ ہیں۔ رفع۔ فوق۔ نتق۔ ظلہ۔ رفع کے

Marfat.com

معنی اونچا کرنے کے ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو چیز اونچی کی گئی ہے وہ زمین سے معلق بھی ہو گئی ہو۔ دیوار اونچا کرنے کو بھی رفع کہہ سکتے ہیں حالانکہ وہ زمین سے معلق نہیں ہوتی۔ فوق کے لفظ کو بھی کسی شے کا زمین سے معلق ہونا لازم نہیں۔ نتق کا لفظ البتہ بحث طلب ہے جس کے معنی مفسرین نے قلع کے بھی لئے ہیں جس کو زمین یا جگہ سے علیحدہ کر لینا لازم ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ "اذ نتقنا الجبل فوقہم" یعنی قلعناہ ورفعناہ یعنی اکھاڑ دیا اور اس کو ہم نے بلند کر دیا۔

قاموس میں اس کے معنی ہلا دینے کے ہیں اور [illegible] کہتے ہیں۔ پس اس آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے پہاڑ کو ہلا دیا اور ان [illegible] وظنوا انہ واقع بہم یعنی پہاڑ کے ہلنے سے ان لوگوں کو اس [illegible] سے اندیشہ ہو گیا۔

[illegible]

میں عرض کرتا ہوں :۔

۱۔ روئے زمین کے آتش فشاں پہاڑوں کی فہرست میں طور کا نام ڈھونڈا نہیں ملتا۔

۲۔ اگر بالفرض طور اس وقت آتش فشانی کر رہا تھا تو کیا وجہ تھی کہ بنی اسرائیل وہاں سے بھاگ نہ سکے۔

۳۔ اگر طور اس وقت آتش فشانی کر رہا تھا تو بنی اسرائیل پر اس کا احسان جتانے کا کیا موقع تھا ان کو بچانے کی کیا تدبیر کی گئی۔ جس پر احسان خاص کا اطلاق ہوتا۔

۴۔ احسان الہٰی تو اس وقت کہا جا سکتا ہے جب کہ طور چھتری کی طرح ان کے سر پر آگیا ہو۔

۵۔ معجزات اگر سمجھ میں آجائیں۔ تو پھر وہ معجزات ہی نہیں کہے جا سکتے۔

---

(۱۴) بنی اسرائیل کا بندر ہو جانا

پ بقرع ۸ :۔ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ۔

(ہم نے ان سے کہا تم راندے گئے بندر ہو جاؤ)

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جن بنی اسرائیل نے یوم سبت مچھلیوں کا شکار کر کے حکم خدا کے خلاف کیا تھا ان کے بندر ہو جانے کی کیا صورت تھی۔

۱۔ وہ ہو بہو بندر کی طرح ہو گئے تھے یعنی ان کا انسانی قالب بندر کا قالب بن گیا تھا

۲۔ ان کے قلوب میں بندروں کی سی خاصیت پیدا ہو گئی تھی یعنی ان کی عادتیں بندروں کی طرح ہو گئی تھیں۔

بیضاوی نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ ان کی صورتیں مسخ نہیں ہوئی تھیں بلکہ ان کے دل بندروں جیسے ہو گئے تھے اس لئے ان سے تشبیہ دی گئی۔ جیسا کہ سورہ جمعہ میں کچھ لوگوں کو گدھوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الْحِمَارِ (ان کی مثال گدھوں کی سی ہے۔ یعنی جس طرح گدھوں پر کتابیں لاد دی جائیں اور ان سے گدھوں کو کوئی فائدہ

نہ پہنچے۔ ایسے ہی یہ لوگ ہیں۔ پس جن لوگوں کو بندر بن جانے کا حکم ہوا تھا وہ بندروں کی سی حرکات کرنے لگے تھے۔

دوسرے گروہ کا یہ خیال ہے کہ ان کی صورتیں مسخ ہو کر بندروں جیسی ہو گئی تھیں وہ تین روز اسی حالت میں زندہ رہے اس کے بعد مر گئے۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی پہلے گروہ کا خیال دل کو نہیں لگتا۔ یہ سزا تو اس لئے دی گئی تھی کہ اور لوگوں کو عبرت ہو۔ اگر ان کا دل بندروں کا سا ہو گیا تھا تو اس کی نشاندہی کرنے والے چند ہی آدمی ہو سکتے ہیں۔ وہ بھی ایسے لوگ جو ان کے حرکات و سکنات سے ان کا پتہ چلا سکتے ہوں کہ ان کے دل آدمیوں کے سے نہیں بلکہ بندروں کے سے ہیں۔ لہٰذا دوسرے لوگوں کو ڈرانے اور تنبیہ کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان کی صورتیں مسخ کر کے بندروں کی سی بنا دی جائیں۔ قدرت کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ جب خدا نے حضرت عیسیٰ کا ہم شکل ایک یہودی کو بنا دیا تھا کیا وہ نافرمان بنی اسرائیل کی صورت کو بندر جیسی صورت کا نہیں بنا سکتا تھا۔

بعض مفسروں نے لکھا ہے کہ موجودہ بندر انہی کی نسل سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی عقلوں پر رحم کرے۔ کوئی ان سے پوچھے کیا اس سے پہلے دنیا میں بندر نہ پائے جاتے تھے پھر یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ موجودہ بندر انہی کی نسل سے ہیں۔

(۱۵) گائے کا قصہ

پ البقرۃ ع ۹: وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى "جب ایک شخص کو تم نے مار ڈالا اور تم میں اس کی بابت پھوٹ پڑ گئی کہ ایک دوسرے کو قاتل بتانے لگے اور جو تم چھپاتے تھے اللہ کو اس کا ظاہر کرنا منظور تھا ہم نے کہا اس گائے کے ٹکڑے کو اس کی لاش پر مارو۔ خدا مردہ کو زندہ کرتا ہے۔"

واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کو قتل کر دیا گیا تھا اور اس کے قاتل کا پتہ نہ چلا تھا۔ لوگوں نے حضرت موسیٰ کے سامنے یہ قضیہ پیش کیا۔ موسیٰ نے ان کو بتایا کہ ان سے کہو

کہ ایسی گائے کو ذبح کرو جو خوب گہرے رنگ کی زرد ہو۔ اور یہ رنگ ایسا کھلتا ہوا ہو کہ دیکھنے والے کی نظر میں بھلا معلوم ہو۔ وہ گائے نہ تو بہت بوڑھی ہو نہ بچھیا بلکہ اوسط عمر کی ہو اور یہ کہ نہ تو اس نے زمین جوتی ہو نہ کھیتوں کو سینچا ہو۔ خاصی بھلی چنگی ہو اس کے بدن پر کوئی داغ دھبہ نہ ہو۔ اسے ذبح کرو اور اس کا ایک حصہ مقتول کے جسم پر مارو۔ وہ زندہ ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ عمل کیا گیا تو وہ زندہ ہو گیا۔

یہ حضرت موسےٰ کا معجزہ نہ تھا کیونکہ انہی لوگوں نے ذبح کیا تھا فذبحوہ وما کادوا یفعلون ہ اور انہوں نے ہی مقتول کے جسم پر گائے کا ایک پارچہ مارا۔ حضرت موسےٰ کو اس تمام کارروائی میں کوئی دخل تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ غیر معصوموں کے ہاتھ سے ایسا اعجاز نما عمل کیوں ظاہر ہوا۔ میں کہتا ہوں اس کی قدرت محدود نہیں وہ جس کے ہاتھ سے جو چاہے کر کے دکھا سکتا ہے جو کچھ ہوا وہ وحی کی تعلیم سے ہوا۔

ہر زمانہ کے سائنس دان اسرار قدرت کی نقاب کشائی میں بڑا کمال رکھتے آرہے ہیں بڑے بڑے سربستہ راز معلوم کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ کے زمانہ سے آج تک کسی نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی۔ خدا کا بتایا ہوا نسخہ بے غلط تو نہیں ہو سکتا۔ تمام مسلمان قرآن کو روز پڑھتے چلے آرہے ہیں مگر اس طرف کوئی متوجہ نہ ہوا۔

مسلمان سلاطین نے علم کیمیا، فلسفہ، حیاتیات کے بیشمار پیچیدہ مسائل کو علماء سے حل کرایا لیکن اس مسئلہ کے حل کے لئے آج تک کوئی بورڈ نہ بٹھایا۔ تمام مفسرین خاموش ہیں۔ کوئی نہیں بتاتا کہ ایسا کیوں ہوا اور آیا پھر بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ قدرت نے بیکار تو اس قصے کو نہیں بیان کیا۔ مردہ کو زندہ کرنے کا یہ قصہ سنا کر گویا قدرت نے موت کا علاج بتادیا میں عرض کرتا ہوں کہ اگر ایسی گائے مل جائے تو ضرور مردہ زندہ ہو جائے گا۔ لیکن ایسی گائے اب ملے ہی گی نہیں۔ ورنہ قانون قدرت میں خلل پڑ جائے گا۔ ایک بار اس نے

Marfat.com

اپنی قدرت کا کرشمہ دکھا دیا۔ اگر ہم گانے میں یہ خصوصیت پیدا ہو جائے تو پھر دنیا میں کوئی مرے ہی گا نہیں۔

(۱۶) حضرت عیسیٰ اور تائید روح القدس

پ۱ البقرہ ع ۱۱۔ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ

(اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بہت سے روشن اور واضح معجزات دئے اور روح القدس نے ان کی تائید کی۔)

حضرت عیسیٰ [illegible] تھے [illegible]

لوگوں کے گھروں میں جو چیزیں موجود ہوتی تھیں [illegible]

[illegible] تھے انہوں نے آخر [illegible]

دوران خدا نے اڑا دیا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مخلوق ہے وہ ذات واجب کے ساتھ قدم میں کیسے شریک ہو سکتا ہے جس کو روح القدس کی تائید اور مدد کی احتیاج ہو۔ وہ بے نیاز ذات قدیم کیسے بن جائے گا

(۱۷) ہاروت و ماروت

پ۱ بقرہ ع ۱۲۔ وما کفر سلیمانُ ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحرَ وَمَا اُنزل علی الملکین ببابل ھاروتَ وماروتَ وما یُعلّمانِ مِن احدٍ حتی یقولا انما نحنُ فتنۃٌ فلا تکفرْ فیتعلمون منھما ما یُفرّقون بہ بین المرءِ وزوجہ وما ھم بضارین بہ من احدٍ الا باذن اللہ الخ۔

(سلیمان نے کفر اختیار نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے اختیار کیا وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور جو کچھ ان دونوں ہاروت و ماروت دونوں فرشتوں پر بابل میں نازل کی گئی تھیں حالانکہ وہ دونوں فرشتے کسی کو سکھاتے نہ تھے جب تک یہ کہہ دیتے کہ ہم دونوں تو فقط ذریعہ آزمائش ہیں تم اس پر عمل کر کے بے ایمان نہ ہو جانا اس پر بھی وہ لوگ ان سے ایسے منتر سیکھتے تھے جن کے ذریعہ سے میاں بی بی میں تفرقہ ڈال دیں حالانکہ بے اذن خداوہ ان چیزوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے)

اب مفسرین اور مؤرخین کی تک بندیاں سن لیجیے۔

۱۔ ہاروت و ماروت بابل کے دو بدمعاش تھے جنہوں نے شیطان سے جادو سیکھا تھا اور وہ لوگوں کو سکھا کر میاں بی بی میں تفرقہ ڈال دیتے تھے کیسی عجیب بات ہے خدا ان کو فرشتہ کہتا ہے اور یار لوگ انہیں بدمعاش بناتے ہیں ؎

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

۲۔ دو فرشتے خدا نے بشکل انسان بھیجے تھے جب زمین پر آئے تو دو رنڈیوں پر جن کے نام زہرہ و مشتری تھے عاشق ہو گئے۔ انہوں نے کہا جب تک تم ہم کو اسم اعظم

سنگسار کر دیے۔ دیدارِ وصل سے محروم رہ گئے۔ چونکہ ان پر ترقی کا جنون سوار تھا لہٰذا بتا بیٹھے وہ اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر اڑتی چلی گئیں۔ قدرت نے ایک کو زہرہ ستارہ بنا دیا اور دوسری کو مشتری ستارہ۔ [illegible] کی مضحکہ خیز داستان سے ہمارے شعراء آج تک شاعرانہ تخیلوں میں جہاں زمین پر رنڈیوں کا چرچا بیان کرتے ہیں آسمان پر بھی خوش ہیں زہرہ و مشتری کو رنڈی [illegible] بیان کرتے ہیں۔ کلام باری تعالیٰ کی تکذیب نہ ہو [illegible]

کہتے ہیں ان [illegible] ہاروت و ماروت کو بابل کے کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا اور قیامت تک [illegible] سوال نکلتی رہے گی [illegible] کی داستانوں کو [illegible]

[illegible]

واقعہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

تا اثر دو سروں پر جادو نہ کرنا اور شوہروں سے بیبیوں کو جدا نہ کرنا۔ جادو کرنا خلاف شریعت ہے اور بنی نوع انسان پر ظلم تو خدا نے فرشتوں کو اس کی تعلیم دے کر کیوں بھیجا اگر جائز بھی ہوتا تو یہ کام حضرت سلیمان سے لیا جا سکتا تھا نیز یہ کہ جادو کا رد کیا اسمائے الٰہی کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا تھا۔

اس اعتراض سے بچنے کے لیے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ہاروت وماروت اللہ کے دو نیک بندے تھے بعض نے ان کو بادشاہ لکھا ہے اب رہا ملک کہنا تو نیک بندوں پر یہ لفظ بولا جا سکتا ہے جیسا کہ زنان مصر نے حضرت یوسف کے متعلق کہا تھا ان ھذا الا ملک کریم (یہ نہیں ہے مگر پاک طینت فرشتہ) اسی طرح قدرت نے ان دونوں نیک بندوں کے لیے "ملک" بولا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب تاویلیں شیطانی ہیں۔ بات یہ ہے کہ فرشتوں کو انہیں جادو کا توڑ سکھانا تھا لیکن جب تک جادو کو پہلے نہ بتاتے وہ کیا سمجھتے جادو کیا ہے اور اس کا توڑ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ اگر ہم کسی کو سمجھائیں کہ گالیاں نہ دیا کرو یہ بری چیز ہے تو ضرورت ہے کہ وہ بار گالیاں بیان کر کے سمجھائیں ورنہ وہ کیسے سمجھے گا کہ گالی کیا چیز ہوتی ہے یا مثلاً کسی سے کہیں زہر نہ کھانا اس سے آدمی ہلاک ہو جاتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی بتانا ضروری ہوگا کہ زہر ہے کیا لہٰذا فرشتوں پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔

(۱۸) آیات کے ناسخ و منسوخ ہونے کا بیان

پ ۱ ع ۱۳ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِہَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْہَآ اَوْ مِثْلِہَا

(ہم جب کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا تمہارے ذہن سے مٹا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور نازل کر دیتے ہیں)

Marfat.com

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا بہت اختلاف ہے۔

۱۔ سرسید احمد خان نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں آیت سے مراد قرآن کی آیت نہیں بلکہ وہ احکام ہیں جو یہودیوں کے لئے تھے اور اسلام میں بدل گئے۔ یہودی کہا کرتے تھے کہ توریت کے احکام دائمی ہیں جو قیامت تک بدلنے والے نہیں۔ اس آیت میں ان کے عقیدہ کی تردید کی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ [illegible] اس کی مثل یا اس سے بہتر کوئی دوسرا حکم لے آتے ہیں۔ مثلاً یہودیوں کے لیے [illegible] تھے۔ اسلام میں اس کو بدل کر جمعہ کا دن [illegible] یہودی مشرق کی طرف منہ کر کے [illegible] پڑھتے تھے [illegible] مسلمانوں کو مغرب کی طرف منہ کر کے پڑھنے کا حکم [illegible] کے [illegible] اسلامی [illegible] کہ قرآن کی کوئی آیت [illegible] نہیں۔

[illegible]

ان کو تعلیم دی جاتی ہے۔

(القرآن المبین کے حاشیہ پر جناب امداد الملت مولانا سید امداد حسین صاحب قبلہ کاظمی نے لکھا ہے۔

محمد بن مسلم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ ناسخ وہ آیت ہے جس سے امر سابق بحکم مصلحت تبدیل یا منسوخ کر دیا جائے جیسے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر جو عذاب آنے والا تھا اور انھوں نے سچے دل سے توبہ کی تو خدا نے رحمت فرمائی اور عذاب ان سے ہٹا لیا۔ بہرحال کسی آیت کی تنسیخ ہو یا کسی امر کی اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے جب چاہے بدل دے جیسا کہ فرماتا ہے یَمحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثبِتُ اللہ جو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔

او ننسھا کے معنی غلط ہیں کہ اے رسول تم کو بھلا دیتے ہیں۔ بھولنا منصب رسالت کے خلاف ہے بلکہ یہ معنی ہوں گے کہ تمہارے ذہن سے مٹا دیتے ہیں۔ رسول کو بھولنے خود ایسا عارضہ نہیں ہوتا لیکن اگر خدا خود اسے ذہن رسول سے مٹا دے تو دوسری بات ہے۔

(۱۹) امامت ابراہیمی

(البقرہ ۱۲۴) وَاِذِ ابتَلیٰ اِبرٰھِیمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّیَّتِی قَالَ لَا یَنَالُ عَھدِی الظّٰلِمِینَ۔

(وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ انہوں نے

عرض کی اور میری اولاد سے بھی بنائے گا فرمایا (ہاں مگر) میرے عہد پر ظالموں میں سے کوئی نامزد نہیں ہو سکتا۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ کونسی باتیں تھیں جن میں امتحان لیا گیا تھا۔

مولانا فرمان علی صاحب نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے:۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ یہ باتیں تھیں (۱) اگر سارے سر پر بال ہوں تو مانگ نکالنا (۲) کلی کرنا (۳) ناک میں پانی دینا (۴) تین دفعہ دن میں مسواک کرنا (۵) مونچھوں کو کتروانا (۶) بغل کے بال منڈوانا (۷) زیر ناف کے بال لینا (۸) ختنہ کرنا (۹) استنجا کرنا (۱۰) ناخن کٹوانا۔ انہی باتوں کا نام سنت ابراہیمی ہے۔

مولانا کا یہ حاشیہ دل کو نہیں لگتا۔ امامت جیسا جلیل القدر عہدہ اور ان کا امتحان لیا تو [illegible] کہ ایک سلیم الطبع پاکیزگی پسند انسان بغیر امتحان کے بجا لاتا ہے [illegible] اس امتحان کی صورت میں ہوگی کہاں سے کہا گیا ہوگا کہ یہ سب کام کرے آؤ تو امامت جیسا عظیم الشان عہدہ [illegible] کیا حضرت ابراہیم امامت کے ملنے سے پہلے [illegible] تھے [illegible] مونچھ [illegible] تے تھے۔ استنجا نہ کرتے تھے ناخن نہ کٹواتے تھے [illegible] کیا [illegible] ایسا کیا کرتے تھے۔ کیا اس وقت سب انسان [illegible] تھے

[illegible]

[illegible]

تو امامت خلق کا عہدہ سب سے پہلے ان کے سپرد کیا گیا۔ جب امامت پانے کی خبر دی گئی تو بارگاہ باری میں عرض کی میری اولاد کو بھی یہ عہدہ ملے گا۔ فرمایا ہاں ملے گا۔ مگر تمہاری اولاد میں ان لوگوں کو نہیں جو ظالم ہوں گے۔ سب سے بڑا ظلم شرک باللہ ہے اگر کسی نے ایک دن بھی شرک کیا تو پھر اس عہدہ کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ کوئی سالہا سال اس نجاست میں ٹھہرا رہا ہو۔ یہ عہدہ تو مخصوص ہے معصومین سے۔ عہدہ امامت د نبوت و رسالت سے الگ ہے۔ یہی وہ عہدہ ہے جس کا سلسلہ قیامت تک آئمہ اہل بیت علیہم السلام میں جانے والا ہے۔

---

(۲۰) تعمیر خانہ کعبہ اور اس کا جائے امن و ثواب ہونا

پ البقرہ ۱۵۱:۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا

(ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن کی جگہ قرار دیا ہے۔)

خانہ کعبہ کو بیت عتیق بھی کہتے ہیں یعنی سب سے پرانا گھر اللہ کے بانی اول حضرت ابراہیم ہیں حضرت اسمٰعیل کی مدد سے ہزار ہا برس پہلے خدا کا یہ گھر انہوں نے کھردرے پتھروں سے بنایا تھا جو بے چھت تھا اس زمانہ میں یہی دستور تھا کہ کسی جگہ ان گھڑا پتھر کھڑا کر کے اسے عبادت خانہ قرار دے لیتے تھے اس کا نام مذبح رکھتے تھے کیونکہ وہیں قربانی کرتے تھے۔ پتھر تراشا نہیں جاتا تھا۔ کیونکہ تراش خراش میں لوہے کا اوزار لگنا ضروری تھا اور لوہا لگنے سے اس کی تقدیس جاتی رہتی تھی۔

بعض مقامات پر اس پتھر کے آس پاس کوئی عمارت بھی بنا لیتے تھے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حجر اسود جنت کا پتھر ہے جسے جبریل امین لائے تھے۔ حجر اسود کا ذکر قرآن میں نہیں۔ مقام ابراہیم کا ذکر ہے۔ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر عمارت کعبہ کو بلند کیا

تھا۔ یہودیوں کا اعتراض ہے چونکہ توریت میں خانہ کعبہ کا ذکر نہیں۔ لہٰذا اسے قدسیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا یہ اعتراض لغو اور بے بنیاد ہے توریت میں بہت سے واقعات مذکور نہیں تو کیا ان کا ذکر نہ ہونے سے ان کا عدم وقوع لازم آتا ہے۔

حضرت ابراہیم نے اس مقدس گھر کی صرف دیواریں اٹھائی تھیں۔ بنی جرہم کے زمانہ میں ایک پہاڑی نالہ میں سیلاب آنے کی وجہ سے یہ گھر ٹوٹ گیا۔ دوبارہ بنی جرہم نے تعمیر کیا پھر وہ عمالیق کے زمانہ میں منہدم ہو گیا اور دوبارہ عمالیق نے بنوایا۔ کچھ عرصہ بعد اس میں [illegible] پھر قصی نے تعمیر کرایا۔ جب آگ لگنے سے جل گیا تو قریش نے تعمیر کیا۔ اس زمانہ میں حضرت پیدا ہو چکے تھے اور آپ کی عمر تقریباً چودہ سال تھی۔

یزید کے زمانہ میں جب کعبہ پر آگ لگی ہوئی تو پھر جل گیا [illegible] کرایا۔ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں حجاج بن یوسف نے اس کی [illegible] [illegible] کے زمانہ میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

طواف وسعی سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ چنانچہ بہت سے ایسے حاجی ایسے ملتے ہیں جو ہر طرح کے معاصی کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان پر یہ شل صادق آتی ہے ؎

بہ جی بطواف کعبہ حاجی نمی شود

کعبہ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ جانشین رسول حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی ولادت اس کے اندر ہوئی۔ دوسرے رسول اور علی نے مل کر فتح مکہ کے بعد خانہ خدا کو بتوں سے پاک کیا۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎

مشکیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان ناف زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے

ہمارے پہلے امام کعبہ میں پیدا ہوئے اور بارھویں امام علیہ السلام کعبہ سے ظہور فرمائیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کعبہ کے اصلی وارث اہلبیت رسول ہیں۔

(۲۱) حضرت ابراہیم کی دعا مکہ معظمہ کے حق میں

پ البقرع ۱۵۔ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

(وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے دعا کی اے میرے رب اس شہر کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں کو جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لائے ہوں طرح طرح کے پھل کھانے کو دے)

حضرت ابراہیم نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت کئی دعائیں کی ہیں جو قرآن مجید میں متفرق مقامات پر مذکور ہیں اب ان کو پڑھیئے تاکہ ایمان میں روشنی پیدا ہو۔

(۱) اس شہر کو امن کی جگہ بنا اور اس کے اہل کے لیے ثمرات کا رزق دے۔ لوگ کہتے ہیں یہ حضرت ابراہیم کی دعا کا اثر ہے کہ مکہ میں ہر قسم کے پھل پائے جاتے ہیں۔ یہ ایک احمقانہ خیال ہے مکہ ہی پر کیا منحصر ہے اب تو ہر خطۂ زمین پر ریلوں، جہازوں، کشتیوں اور ہوائی

جہازوں کے وسیلوں سے ہر قسم کے پھل مل جاتے ہیں۔ خلیل خدا جیسی مقدس ہستی سے بعید تھا کہ اپنی اس اولاد کے لئے جو صاحب ایمان و معرفت ہو۔ خدا سے پھل پھلاری مانگے اس کے لئے ایمان کی قید کیوں لگائی گئی۔ جب کہ مکہ کے مشرک و کافر سب ہی تر و خشک میوے کھاتے ہیں۔ بڑے مرتبے والے ایسی پست خواہشوں کا اظہار نہیں کیا کرتے۔ خصوصاً ایسے لوگوں کے لئے جو صاحب ایمان ہوں۔

اس دعا کا مطلب یہ تھا کہ جو اس بیت کے اہل بیت ہیں ان کو مقطوع النسل نہ بنا تا بلکہ ان کی نسل کو قیامت تک باقی رکھنا تاکہ اس بیت مقدس محترم کی تولیت ان کے سپرد ہوتی رہے اور ہر زمانہ میں وہ خلق اللہ کو ہدایت کرتے رہیں۔ یہ گھر کسی وقت اپنے وارثوں سے خالی نہ رہے۔ چاہے بظاہران کا قبضہ اس پر نہ ہو۔ پس ثمرات سے مراد ثمرات قلب ہے نہ کہ ثمرات اشجار۔ ہاں بغرض ثانوی اگر یہ بھی مل جائیں تو یہ احسان بالائے احسان ہوگا۔

(۲) وَاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیہم (اور لوگوں کے دل انکی طرف مائل کر دینا)

اس دعا کی قبولیت یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ذوی القربیٰ رسول کی محبت کو واجب کر دیا۔

(۳) وَاجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام (مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا)

اس کی قبولیت یوں ہوئی کہ اہل بیت کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی اور انہوں نے کبھی کسی بت کے آگے سر جھکایا ہی نہیں۔

(۴) وَاجعل لی لسان صدق فی الاخرین (اور آخر زمانہ میں میرے لئے ایک سچی زبان بنا)

اس کی قبولیت یوں ہوئی۔ وجعلنا لہم لسان صدق علیا (ہم نے ان کے لئے علی کو سچی زبان قرار دیا۔

(۲۲) امت مسلمہ

پ البقرہ ع ۱۵ واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم (اے رسول وہ وقت

یاد دلاؤ جب ابراہیم و اسمٰعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے اور یہ دعا کرتے جاتے تھے اے ہمارے پروردگار ہماری یہ خدمت قبول کر لے بیشک تو بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنا فرمانبردار بندہ بنائے رکھنا اور ہماری اولاد سے ایک گروہ پیدا کرنا جو تیرا فرمانبردار ہو اور ہم کو ہماری حج کی جگہیں دکھا دے اور ہماری توبہ قبول فرما تو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے)

اس آیت میں رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ کا علمائے اہل سنت نے یہ غلط ترجمہ کیا ہے " ہمیں اپنا مسلمان بندہ بنا لے اور اسی طرح ہماری اولاد کو " کیا حضرت ابراہیم پہلے سے مسلمان نہ تھے جو یہ دعا مانگ رہے تھے ان کا اسلام تو پیدائشی بلا واسطہ تھا یعنی کسی نبی یا رسول کی تبلیغ کے بعد وہ کافر سے مسلمان نہ ہوئے تھے بلکہ خدا نے ان سے کہا:۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اے ابراہیم اسلام لاؤ۔ انہوں نے کہا میں رب العالمین پر اسلام لایا۔ ایسے اسلام میں کفر کا شائبہ کہاں۔ پس آیہ مذکورہ میں مُسْلِمَیْنِ لَکَ کا ترجمہ یہ ہوا کہ ہم دونو باپ بیٹوں کو فعلیت اسلام پر باقی رکھنا یعنی ہم سے ہمیشہ ایسے افعال سرزد ہوتے رہیں جو تیری مرضی کے مطابق ہوں اور جو ہماری خاص اولاد ہو۔ وہ بھی ہماری طرح بلا واسطہ اسلام لانے والی ہو۔ یعنی پیدائشی مسلمان ہو۔ کسی نے ان کو مسلمان بنایا نہ ہو۔ خدا نے ان کی یہ دعا قبول کی اور آخر زمانہ بعثت میں ایسے لوگ پیدا کئے جو پیدائشی مسلمان تھے اور جس گھر کے بناتے وقت یہ دعا کی گئی تھی۔ اسی میں حضرت علی کو پیدا کر کے یہ بتا دیا کہ وہ امت مسلمہ جس کے لئے حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی۔ علی علیہ السلام اور ان کی اولاد طاہرین ہے۔

اگر یہ مراد نہ لی جائیں تو پھر دعائے ابراہیم شرف قبولیت سے محروم سمجھی جائیگی کیونکہ امت ابراہیم میں بکثرت کفار و مشرکین ہوئے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضرت ابراہیم

Marfat.com

کی مراد کل امت نہ تھی بلکہ کچھ مخصوص لوگ تھے۔ اس کا مزید ثبوت آگے کی آیت ہے۔

وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ الخ (اور اس امت مسلمہ میں سے ایک رسول مبعوث کر جو انہی میں سے ہو۔ پس ضروری ہوا کہ وقت بعثت وہ امت مسلمہ موجود ہو جس کا ایمان بلا واسطہ ہو تاکہ رسول کے دعوے رسالت کی تصدیق سب سے پہلے وہ امت مسلمہ کرے نہ کہ کفار و مشرکین

اسی لئے حضرت علی کو اعلان رسالت سے پہلے خانہ کعبہ میں پیدا کر دیا گیا تھا۔

اگر حضرت علی کا ایمان بلا واسطہ نہ ہوتا تو ایک کافر بچہ کو اپنے گھر ایک کیوں پیدا کرتا

اس سے بہتر ثبوت ایمان ابوطالب کا اور کیا ہو سکتا ہے۔

امت کا لفظ ایک شخص پر بھی بولا جاتا ہے جیسے کان ابراھیم امۃ قانتا (ابراہیم ایک ایسی امت ہے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والی ہے)

آنحضرت صلعم کے اعلان رسالت کے بعد جتنے لوگ مسلمان کہلائے گئے وہ سب کے سب کافر سے مسلمان ہوئے تھے سوائے حضرت علی کے کسی کو پیدائشی مسلمان ہونے کا شرف حاصل نہ ہوا۔ اگر کوئی کہے کہ وہ پیدائشی مسلمان تھے تو پھر ان کا نام اسلام لانے والوں کی فہرست میں سب سے اوپر کیوں ہے اور ان کو اول المسلمین کیوں کہا جاتا ہے جس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی نے سب سے پہلے اظہار اسلام کیا نہ کہ کافر سے مسلمان ہوئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے بار بار فرمایا:۔ ما اشرکت باللہ ... میں نے کبھی آن واحد کے لئے بھی خدا کا شریک کسی کو نہیں بنایا۔

تحویل قبلہ (۲۳)

پ ۲ البقرہ ع ۱۷۔ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

احمق لوگ کہنے لگیں گے کہ مسلمانوں جس قبلہ بیت المقدس کی طرف پہلے

سجدے کرتے آرہے تھے اس سے دوسرے قبلہ کی طرف مڑ جانے کا کیا باعث ہوا اے رسول ان کے جواب میں، کہہ دو کہ پورب پچھم سب خدا ہی کا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے)

تحویل قبلہ کے متعلق سر سید احمد خاں صاحب آنجہانی کی تحقیق حسب ذیل ہے

اس سلسلے میں ہم کو پہلے یہ بات معلوم کرنی چاہئے کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں نماز کے کیا ارکان تھے غالباً اس نماز میں رکوع و سجدہ ہوگا لیکن اس امر کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں نماز کے بعینہ وہی ارکان تھے جیسے کہ ہماری نماز میں ہیں بلکہ اگر اس زمانہ کے حالات اور اس زمانہ کی وحشی قوموں کی عبادت پر خیال کریں تو اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کہ وہ لوگ آپس میں حلقہ باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور کودتے اچھلتے تھے اور سارا حلقہ اس طرح چکر کھاتا جاتا تھا اور اس جوش و خروش میں اس کا نام پکارتے جاتے تھے یا اس کی تعریف کے گیت گاتے تھے جس کی وہ عبادت کرتے تھے اس نماز کا نشان اسلام میں بھی طریقہ ابراہیمی پر موجود ہے جس کا نام طواف کعبہ ہے۔

مشکوٰۃ میں ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کعبہ کے گرد طواف کرنا مثل نماز کے ہے۔ گو یہ طریقہ وحشیانہ ہو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ مؤدب اور باوقار نمازوں سے پر جوش اور زیادہ محبت معبود کا برانگیختہ کرنے والا اور معبود کے شوق کو زیادہ تر جنبش میں لانے والا اور دل کو خالص اس کی یاد میں مشغول کرنے والا تھا۔

یہ حرکتیں انسان میں بالطبع مجنون کا سا جوش پیدا کر دیتی ہیں اور جس طرح مجنون کسی بات میں مشغول ہو۔ اسی طرح خدا کی یاد میں انسان کو مشغول کر دیتی ہیں۔

حضرت ابراہیم کے زمانے میں نماز کا جو طریقہ بھی ہو وہ اس سے زیادہ

اور کچھ نہیں تھا ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی سمت قبلہ کی معین نہیں ہوتی۔ تمام ذوق وشوق اور اچھل کود اس شے کے گرد ہوتا تھا جس کو وہ بطور خدا کی نشانی کے قائم کرتے تھے اس قسم کی پرستش اب بھی بعض وحشی قوموں میں پائی جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم خدا کی نشانی کے لئے ایک بن گھڑا پتھر کھڑا کر دیتے تھے اور جو عبادت یا نماز ہوتی تھی وہ اس کے گرد ہوتی تھی اس لئے حضرت ابراہیم کے زمانہ میں کوئی خاص سمت قبلہ کا ہونا بجز اس نشان کے جس کو وہ قائم کرتے تھے اور کچھ نہیں پایا جاتا۔

حضرت ابراہیم کی اولاد کا حال جہاں تک ہم کو معلوم ہے اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ بھی کعبہ کی جانب کو سمت قبلہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ہر جگہ پتھر کھڑا کر کے اس کے گرد خیالات لئے پر عبادت کرتے تھے۔ چنانچہ ازرقی نے کتاب اخبار مکہ میں لکھا ہے کہ بنی اسمٰعیل اور جرہم جو مکہ میں رہتے تھے ان کو جب ان کی نسل زیادہ ہوئی تو وہ ملک میں نکلے اور معاش کی تلاش میں پڑے۔ بس لوگ خیال کرتے ہیں کہ اولاً پتھر کا پوجنا بنی اسمٰعیل میں اس طرح شروع ہوا کہ ان میں سے کوئی جب مکہ سے جاتا تو حرم کے پتھروں میں سے ایک پتھر اٹھا لیتا حرم کو بزرگ سمجھ کر اور مکہ اور کعبہ کے شوق میں جہاں اترتے اس پتھر کو رکھ دیتے اور اس کے گرد مثل کعبہ کے طواف کرتے تھے یہاں تک نوبت پہنچی کہ جو پتھر اچھا دیکھتے اور جو پتھر عجیب اور اچھا معلوم ہوتا اس کی عبادت کرتے اس طرح ان کی پشتیں گزر گئیں اور پہلی بات بھول گئے اور ابراہیم و اسمٰعیل کے دین کو بدل دیا اور بتوں کو پوجنے لگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسمٰعیل اور جرہم کی اولاد نے پشت در پشت کعبہ کی جانب سمت قبلہ نہیں قرار پائی تھی اور ان کا طریقہ عبادت بھی ایسا تھا کہ کوئی

سمت قبلہ قرار بھی نہیں پا سکتی تھی۔ قرآن مجید میں کہیں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ خدا نے اسمٰعیل اور ان کی اولاد کو کعبہ کی سمت قبلہ مقرر کرنے کا حکم دیا ہو۔

زمانہ جاہلیت میں جب کہ عرب کی قوم نے خانہ کعبہ میں بت رکھ دیئے تھے اس زمانہ میں بھی جو کچھ ان کی پوجا ہوتی ہوگی۔ وہ کعبہ کے اندر ہی ہوتی ہوگی لیکن جب کعبہ سے دور چلے جاتے تھے جب بھی کعبہ کی طرف منہ کر کے ان کا پوجا کرنا کسی طرح ثابت نہیں۔ بنی اسرائیل میں جب بیت المقدس کی تعمیر ہوگئی تو وہ بھی بطور ایک مسجد کے بنائی گئی تھی اور تمام رسوم عبادت جو بنی اسرائیل کرتے تھے اسی کعبہ یا مسجد میں جا کر کرتے تھے مگر بیت المقدس کی تعمیر کے وقت ان کے وحشیانہ طریق عبادت یا نماز میں کافی اصلاح ہوگئی تھی اور نماز کے باقاعدہ ارکان جن میں قیام اور رکوع بھی تھا قرار پاتے تھے۔

ہم کو عہد تحقیق کی کوئی کتاب ایسی نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ خدا نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا کہ جب تم بیت المقدس سے دور ہو تو اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو مگر جب بنی اسرائیل کی نماز باقاعدہ ہوگئی تھی اور اس کے ادا کرنے میں کسی نہ کسی طرف متوجہ ہونا لازمی امر تھا تو بالطبع بنی اسرائیل اس طرف مائل ہوتے ہوں گے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں اور اس طرح بیت المقدس قبلہ قرار پا گیا۔ آنحضرتؐ نے بعد نبوت کے قریباً تیرہ برس مکہ شریف میں تشریف رکھی اس بحث کو چھوڑ کر نماز پنج گانہ فرض ہو چکی تھی یا نہیں اور جو ارکان نماز بالفعل مسلمانوں میں مقرر ہیں وہ مقرر ہو چکے تھے یا نہیں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانہ میں بھی کوئی طریقہ عبادت کا آنحضرتؐ نے ضرور اختیار کیا تھا۔ خواہ یہی ارکان نماز اختیار کئے ہوں جو بالفعل موجود ہیں خواہ بعد کو ان میں کچھ اصلاح ہوگئی ہو لیکن یہ بات ثابت نہیں کہ ایسی حالت میں جب کہ حضرت کعبہ سے

Marfat.com

دور ہوں انہوں نے نماز یا عبادت ادا کرنے میں کعبہ کی طرف منہ کرکے ادا کرنا
بطور ایک امر لازمی کے جس سے ثبوت سمت قبلہ کا ہو، اختیار فرمایا ہو۔

جب حضرت مکہ سے مدینہ تشریف لائے جہاں یہودی کثرت سے
تھے اور ان کی نماز بھی تقریباً اسی قسم کی تھی تو بالطبع آنحضرت کو اس طرف متوجہ
ہو کر نماز پڑھنے کی رغبت ہوئی جس طرف یہودی نماز پڑھتے تھے۔ بالشبہ مشرکوں
کو یہ امر شاق گذرا ہوگا لیکن بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے میں ایک حکمت یہ
تھی کہ مشرکین سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے وہ اصلی ایمان والوں سے
بالکل تمیز ہو جاتے۔ یہی بات خدا نے فرمائی ہے۔

وما جعلنا القبلة التی کنت علیہا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ

(یعنی ہم نے اس قبلہ کو جس پر تو تھا بجز اس مطلب کے اور کسی لئے مقرر کیا تھا
تاکہ ہم جان لیں اس شخص کو جو پیروی کرتا ہے رسول کی اس شخص سے جو پھر جاتا
ہے اپنی ایڑیوں پر)

مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں بکثرت یہودی رہتے تھے انہوں نے
اسلام کی طرف رغبت ظاہر کی۔ چند لوگوں نے اسلام کو برحق جانا اور بہت سے
ایسے تھے جو بطور منافقوں کے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو گئے تھے پس
بضرورت منافقین یہود کو اصلی ایمان والوں سے تمیز کرنے کی [illegible] یہ ایک
شخص [illegible]
باتوں میں منافقانہ طور پر شریک ہو سکتا ہے لیکن ایسی بات [illegible]
اور نماز یا عبادت سے تعلق رکھتا ہو [illegible] مذہب
[illegible]
سے بالکل [illegible]

کو اختیار نہ کرتے ہو۔ اس وقت تک اس کو ادا نہیں کرتا۔ اس لیے آنحضرتؐ کو فکر
ہوئی سمت قبلہ کے تبدیل کرنے میں۔ خدا کی طرف سے وحی ہوئی کہ سمت قبلہ کو
تبدیل کرو۔ اس کی طرف خدا نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

(یعنی ہم نے آسمان کی طرف تیرا منہ پھرتا دیکھا پس ضرور ہم تجھ کو ایک ایسے قبلہ کی
طرف پھیر دیں گے جس کو تو پسند کرے گا پس اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیرے)

بیت المقدس اور بیت الحرام دونو مسجدیں تھیں اور دونوں میں کسی طرف منہ کر
کے نماز پڑھنا برابر تھا مگر اب کرنے سے منافقین یہودی اصلی ایمان والوں سے
تمیز ہو گئی۔ یہ امر ایک ایسا ممیز قرار پایا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ مَنْ اسْتَقْبَلَ
قِبْلَتَنَا فَهُوَ مُسْلِمٌ یعنی جس نے ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی وہ
مسلمان ہے اور درحقیقت ہے بھی ایسا ہی۔ جب تک کوئی یہودی دل سے
مسلمان نہ ہو بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کی طرف نماز پر بالطبع راضی نہ ہوگا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آیہ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ سے ظاہر ہوتا
ہے کہ چونکہ خدا کی ذات ہر طرف ہے۔ لہٰذا جدھر رخ کر کے نماز پڑھو درست ہے۔
مسجد حرام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم محض جماعتی تنظیم کے لئے دیا گیا ہے تاکہ ایک
سمت رخ کر کے سب مسلمانوں کا نماز پڑھنا ان کی یکجہتی اور وحدت پرستی کو ظاہر کرے
ورنہ خدا کی ذات ہر طرف ہے۔

مسجد ذو قبلتین مدینہ کے قریب ہی ہے اس مسجد میں تحویل قبلہ کا حکم ہوا تھا۔ حضرت رسول
و حضرت علی کسی ضرورت سے باہر گئے تھے کہ ظہر کی نماز کا وقت آگیا۔ دونوں نے ایک مسجد میں
نماز پڑھی۔ اثنائے نماز میں تحویل قبلہ کا حکم ہوا۔ اس لئے اس مسجد کو ذو قبلتین کہتے ہیں یہ شرف بھی مخصوص
علی کو حاصل ہے کہ رسول کے ساتھ ایک نماز دو قبلوں کی طرف پڑھی اسی لئے آپ کو مُصَلِّی الْقِبْلَتَیْن کا

لقب ملا۔ اگر اس فضیلت میں کوئی دوسرا شریک ہوتا تو حضرت اس کو فخریہ نہ بیان کرتے۔

---

(۲۴) شہدائے راہ خدا زندہ ہیں

پ۲ البقرہ ع ۱۹: وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ

جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم ان کی زندگی کی حقیقت کا کچھ بھی شعور نہیں رکھتے۔

جو لوگ راہ خدا میں جان جیسی عزیز چیز خوشی خاطر قربان کر دیتے ہیں اگر خدا اس کے بدلے حیات ابدی دیدے تو کون بڑی بات ہے۔ اگرچہ یہ لوگ بظاہر ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں مگر انہیں ایک ایسی زندگی مل جاتی ہے جس کا سمجھنا ہماری عقول سے بالاتر ہے۔

عام طور پر جو لوگ مرتے ہیں وہ بالکلیہ فنا نہیں ہوتے بلکہ ان کا مادی وجود یہاں پر خاک ہو جاتا ہے اور نفسی اور روحانی وجود عالم برزخ میں چلے جاتے ہیں اور وہاں قیامت تک رہتے ہیں۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ وہاں ان کی زندگی کس شان سے بسر ہوتی ہے لیکن اس کا یقین ہے کہ وہ فنا نہیں ہوئے اور اس لیے معتقدین [illegible] زندہ [illegible] ہیں گے مگر یہ بھی ضرور ہے کہ ان کا تعلق ہم سے قطع ہو جاتا ہے۔

پس اگر شہدائے راہ خدا بھی ایسے ہی ہوں تو پھر ان میں اور عام آدمیوں میں کیا فرق ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے آزادی دے رکھی ہے وہ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں اور جس طرح [illegible] مادی لوگوں کی مدد کرتے تھے [illegible] روحانی [illegible] سکتے ہیں [illegible] ولی اللہ نے [illegible] مات منالہیں بعیت [illegible] [illegible] مرجاتے وہ مردہ نہیں اور [illegible] [illegible] ہوتا [illegible] مقتوهم [illegible]

انہیں انہی زخموں اور خون کی روانی کے ساتھ لپیٹ دو کیونکہ یہ جب قیامت میں محشور ہوں گے تو ان کی رگ ہائے گردن سے خون ابلتا ہوگا۔ نہج البلاغہ خطبہ ۵۰ (مترجمہ مفتی جعفر حسین)

شہید بہت سی قسم کے ہوتے ہیں اور ان کے ایمان اور عنوان شہادت کے اعتبار سے ان کو درجات ملتے ہیں۔

۱۔ وہ کامل الایمان جنہوں نے بطیب خاطر حفاظت دین کے لئے رسول کے ساتھ جہاد میں شرکت کی اور لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کیا۔ یہ شہادت کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ ایسے شہیدوں کے فضائل و مراتب کا کیا ٹھکانہ۔ لیکن ان کے لئے بھی بلحاظ ایمان و معرفت فضیلت کے درجات ہیں۔

۲۔ وہ مجاہدین ہیں جو رسول کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے۔ دشمنان دین سے لڑنے میں زخمی ہوئے مگر میدان جنگ میں شہادت نہ پائی بلکہ جنگ کے بعد مرے ان کا رتبہ بھی نہایت بلند ہے مگر پہلے درجہ کے لوگوں سے کمتر ہے۔

۳۔ وہ مجاہد جو بحکم رسول کسی سریہ میں گئے اور وہاں شہید ہوئے یہ تیسرے درجہ کے شہید ہیں۔

۴۔ وہ مجاہد جو بعد رسول سلاطین ظلم و جور کے مظالم اور بدعات سے تنگ آکر میدان میں نکلے اور شہید ہوئے۔

۵۔ وہ علماء جنہوں نے مذہب حقہ کی تائید و حفاظت میں تقریریں کیں یا کتابیں لکھیں اور اعدائے دین کے ہاتھوں قتل کئے گئے۔

۶۔ وہ لوگ جو ثغور اسلام کی حفاظت میں کفار و مشرکین کے ہاتھوں قتل کئے گئے۔ بشرطیکہ اغراض دنیوی کے لحاظ سے ان کی جنگ نہ ہو۔

نیچے کے پانچ درجات والوں کو آخرت میں عام مومنین صالحین سے زیادہ اجر و ثواب ملے گا عالم برزخ میں ان کے درجہ شہادت کے اعتبار سے راحت و آرام کے اسباب مہیا کئے جائیں

Marfat.com

گے ۔ اوّل درجے والوں کو بہت زیادہ مراعات حاصل ہوں گی ۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے اجسادِ مبارکہ پر قبر میں جانے کے بعد کوئی مادہ ارضی اثر انداز نہیں ہو سکتا وہ جس حالت میں سپردِ خاک کئے گئے ہیں اسی حالت میں باقی رہیں گے ۔

معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ جب امیر معاویہ نے ایک نہر مدینہ کے لئے کھدوائی جاری تو وہ میدان احد سے گزرتی تھی اور حضرت حمزہ کی قبر کھدائی کے وقت بیچ میں آتی تھی ۔ معاویہ نے حکم دیا کہ قبر کھود کر حضرت حمزہ کی لاش کسی دوسرے مقام پر منتقل کر دی جائے ۔ چنانچہ جب قبر کھودی گئی تو حضرت حمزہ کا جسد مبارک بدستور پایا گیا ۔ مزدوروں کی بے احتیاطی سے آپ کے پائے مبارک میں بیلچہ لگ گیا تو وہاں سے خون جاری ہو گیا ۔

یہ واقعہ تمام اخبارات میں چند سال ہوئے چھپا تھا ۔ اخبارات میں [illegible] کہ حضرت حذیفہ یمانی اور جابر بن عبداللہ انصاری کی قبروں میں پانی آنے لگا تھا [illegible] تو جب پتہ چلا اور دونوں مقدس جسموں کو وہاں سے منتقل کیا گیا تو وہ [illegible] بدستور اسی طرح پائے گئے جس طرح بحالت حیات تھے [illegible] ہو چکے ہیں [illegible] سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شہیدان راہِ خدا کے اجسام [illegible] نہیں ہو سکتا ۔ [illegible] ۔

(۲۵) شعائر اللہ

[illegible] خیراً ان یطوف بھما [illegible]

[illegible]

تدر والا دو واقعہ کار ہے)

خدا کی قدرت کی نشانیاں تو ہر جگہ موجود ہیں خاک کا ہر ذرہ اور پانی کا ہر قطرہ درخت کا ہر پتہ اس کی قدرت کی عظیم الشان نشانی ہے۔ ان سب کو چھوڑ کر قدرت نے صفا و مروہ کو دو پہاڑیوں کو خاص طور سے اپنی نشانی بیان کیا ہے۔ اور اس اہمیت و تاکید کے ساتھ اگر ان کا طواف نہ کیا جائے تو حج ناقص اور عمرہ غلط۔

یہ پہاڑ اب تو اپنی اصلی حالت پر باقی بھی نہیں۔ صرف دونوں طرف چٹانوں کا تھوڑا سا حصہ یادگار باقی ہے مگر باوجود اس کے ان کے احترام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ان کا طواف بدستور کیا جا رہا ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ مکہ میں اور بھی بہت سے پہاڑ ہیں لیکن ان کے لئے ایسا حکم نہیں۔ اس احترام کی انتہا یہ ہے کہ فرماتا ہے۔ ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔ (جو شعائر اللہ کی تعظیم بجا لائے گا تو یہ اس کے دل کے تقویٰ کی علامت ہو گا) آخر اس میں راز کیا ہے؟

ان دونوں پہاڑیوں کو یہ سعادت اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ ایک مقدس بی بی خلیل خدا کی زوجہ اسمعیل ذبیح اللہ جیسے نبی کی ماں پانی کی تلاش میں ان دونوں پہاڑیوں پر سات بار چڑھی اور اتری تھیں ان کے مبارک قدم چونکہ ان پہاڑیوں کے پتھروں پر رکھے گئے تھے لہذا خدا نے ان کو اپنی نشانیوں میں سے قرار دیا۔ صرف اس مقدس بی بی کے احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اس واقعہ کی یادگار باقی رکھنے کے لئے۔

ایک باایمان آدمی جب حضرت اسماعیل اور حضرت حاجرہ کے واقعہ پر تفصیلی نظر ڈالے گا تو یقیناً اس کے تقویٰ میں اضافہ ہو گا اور توکل علی اللہ کی صفت پیدا ہونے میں اس کو مدد ملے گی۔ اگر ان دونوں پہاڑوں کے طواف کو واجب نہ کیا جاتا تو ان واقعات کو کون یاد رکھتا۔

قربانی کا اونٹ جس کو بدنہ کہتے ہیں وہ بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔
اس کا احترام اتنا مدنظر ہے کہ اس کو قمچی مارنے اور تیز دوڑانے کا حکم نہیں کیونکہ وہ راہ خدا

میں قربانی کے لیے جا رہا ہے۔ اللہ اللہ جو اس کے ہو جاتے ہیں وہ بھی ان کی تعظیم میں
کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا۔

---

(۲۶) خون، مردار اور لحم خنزیر کی حرمت

پ۲ البقرۃ ع ۲۱: حُرِّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ د

(تم پر مردہ جانور اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر وقت ذبح خدا کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو حرام کیا گیا ہے)

مذکورہ چیزوں کو حرام قرار دینا اسلام کی خصوصیات میں سے ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام فطری دین ہے۔ کیونکہ جو غذائیں قدرت کو نقصان دینے والی ہیں خواہ باعتبار جسم خواہ باعتبار نفس و روح ان کو حرام قرار دیا ہے۔

(۱) مردار سے فطرۃً انسان کو نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے مرنے والا جانور اگر کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو کر مر جاتا ہے اور اس کے جراثیم اس کے اندر رہ جاتے ہیں تو اس کا گوشت کھانے والا بھی کسی مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تیسرے اس کا خون جم جاتا ہے جو تمام جسم کا گرم ترین حصہ ہے۔ جب اس کے اندر رہ جاتا ہے تو اس حرارت کے اثرات جس سے خون گردش کرتا ہے اس کے اندر جذب ہو کر رہ جاتے ہیں پس اس کا گوشت جو کوئی کھائے گا لامحالہ کسی نقصان میں مبتلا ہو کر رہے گا۔

(۲) خون کھانا بھی اس لیے حرام ہے کہ اول تو اکثر جراثیم حیوان کے خون میں ہوتے ہیں وہ جب انسان کے جسم میں جاتے ہیں تو بیماری کا باعث بن جاتے ہیں کیونکہ ایک خون دوسرے خون سے مل کر جب اپنی خصوصیات دکھاتا ہے تو ان میں تصادم پیدا ہوتا ہے۔ نتیجۃً بدن کے اندر فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسرے خون پینے سے

انسان میں خونخواری، سفاکی اور سخت دلی پیدا ہوتی ہے۔

(۳) سور ایک نجاست خور جانور ہے اس کا گوشت کھانے سے انسان کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے۔ بے حیائی اور سخت مزاجی اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اس کے علاوہ بعض امراض سے بھی سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔

(۴) جو جانور اللہ کا نام لے کر ذبح نہیں کیے جاتے اس کا گوشت ایک مسلمان جو خدا کے وحدہٗ لاشریک پر ایمان رکھنے والا ہے کیونکر کھا سکتا ہے۔ جب کہ بتوں کے نام پر ان کی قربانی کی گئی ہو یا یوں ہی بغیر نام خدا لیے اس کی گردن کاٹ دی گئی ہو یا سکھوں کی طرح جھٹکا کر دیا گیا ہو۔ جب ایک مسلمان کو بتوں سے نفرت ہے بلکہ وہ ان کا دشمن ہے وہ ان کے نام سے قربانی کو کیوں پسند کرے گا۔ جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہیں کئے جاتے۔ ان سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے۔ خدا پرستی کے جذبہ کو تقویت دینے کے لیے بھی ان کا حرام قرار دینا قرین عقل ہے اسلام چاہتا ہے کہ جو گوشت مسلمان کے شکم میں پہنچے وہ بے ضرر ہو، صاف ستھرا ہو۔ اسلام نے ذبح کا جو طریقہ رکھا ہے وہ تمام طریقوں سے بہتر ہے کیونکہ ذبح سے تمام خون جانور کے جسم سے نکل جاتا ہے اور اس کے بدن کی گرمی ختم ہو جاتی ہے۔ خون بہت زیادہ گرمی رکھتا ہے اس کے استعمال سے جذام اور برص کے پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اسلام نے اس کو نجس قرار دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اگر جسم کے کسی حصے پر لگ جائے تو فوراً اس کو دھو ڈالا جائے۔ تاکہ اس کے مضر اثرات جسم تک نہ پہنچیں۔ خون نکلنے کے بعد جو خون رہ جاتا ہے وہ نجس نہیں اور اس کا کھانا جائز ہے یعنی جو گوشت کے اندر رہ گیا ہے۔

(۲۷) قصاص

پ البقرہ ع ۲۲ ، وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اے عقلمندو قصاص (کے قواعد بنا دینے) میں تمہاری زندگی ہے تاکہ تم خونریزی

سے پرہیز کرو) اسلام میں خون کا بدلہ خون ہے یعنی اگر کوئی کسی کو قتل کر دے تو اس کے بدلہ میں قاتل کو قتل کر دینا چاہیئے اور اگر مقتول کے ورثا خون کی قیمت لینے پر راضی ہوں تو وہ قیمت قاتل سے دلائی جائے۔

اگر دنیا کی حکومتیں اسلام کے اس اصول پر عمل کریں تو جو سفاکی اور خونریزی اطراف عالم میں ہو رہی ہے اس کا دروازہ بند ہو جاتا۔ ایک قاتل اس اطمینان پر جسے چاہتا ہے قتل کر دیتا ہے کہ وہ سفارش بہم پہنچا کر یا رشوت دے کر اپنے کو بچا لے گا اور اگر یہ داؤ نہ چلے گا تو زیادہ سے زیادہ ۱۴ سال کی قید ہو جائے گی۔ غور کیجئے ان تمام صورتوں میں ورثائے مقتول کے جذبات کی تسکین کا کیا سامان ہوا اور ایک عزیز جان کے ضائع ہونے کا بدلہ کیا ملا۔ فرض کیجئے ایک جوان عورت کا شوہر قتل کر دیا جاتا ہے اس کا سہاگ لٹ جاتا ہے اس کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے۔ قاتل کو چند سال کی قید ہو جاتی ہے اس سے اس غریب بیوہ کی زندگی بسر کرنے کا کیا سامان ہوا۔ اگر اسے خون بہا [illegible] جاتا تو پھر [illegible] کی زندگی آسودگی سے بسر ہو جاتی ہے یا اگر قاتل [illegible] دی جاتی تو اس غریب [illegible] کے جذبات ہی کو تسکین ہو جاتی [illegible] ہے دونوں [illegible] ہوتی [illegible] قید سے نہ مقتول کے وارثوں کو فائدہ پہنچتا ہے [illegible] ہوتی ہے [illegible] لوگ قتل کرنے سے مطلق نہیں ڈرتے اور نہایت بیباکی سے معمولی بات پر قتل کر دیتے ہیں۔

دنیا کی حکومتوں کا رجحان اس طرف بڑھتا جا رہا ہے کہ کسی قاتل کو قتل کی [illegible] [illegible] جائے [illegible] ان کے اخلاق [illegible] کیا جائے [illegible] [illegible] [illegible] ان کی [illegible] [illegible] [illegible] والوں کے دل سے خوف [illegible] دیتا ہے [illegible] [illegible] [illegible] سے باہر آتے [illegible] [illegible]

ہے کہ دنیوی حکومتیں فساد و خونریزی کو بند کرنا نہیں چاہتیں بلکہ ایسے قانون بناتی ہیں جن سے قتل و غارت گری میں روز بروز اضافہ ہو۔

اگر اسلامی قانون پر عمل ہونے لگے۔ قاتلوں کو قتل کیا جائے۔ چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں زانی کو سنگسار کیا جائے۔ بدکرداروں کو سر بازار کوڑے مارے جائیں تو یقیناً ایک بہت بڑی حد تک جرائم کا سدباب ہو سکتا ہے۔

(۲۸) صوم ماہ رمضان

پ البقرہ ع ۲۳۔ یاایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ہ ایاما معدودات۔

(اے ایمان والو تم پر روزے اس طرح فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ یہ گنتی کے چند دن ہوتے ہیں)

روزہ میں جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی بیشمار فوائد ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہر زمانہ کے لوگوں پر فرض نہ کرتا۔ خدا کسی کو تنگی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا بلکہ آرام سے رکھنا چاہتا ہے اگر روزہ میں بہت سے فوائد نہ ہوتے تو وہ ہرگز فرض نہ کرتا۔ جس چیز میں فوائد زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی قدر اس کے قیود میں بھی سختی ہوتی ہے۔ کسی عبادت کے ترک کا اس سختی سے کفارہ نہیں جتنا روزہ کا ہے۔

مثلاً ایک شخص سے کسی وقت کی نماز قضا ہو جاتی ہے وہ دوسرے وقت اس کی قضا بجا لا سکتا ہے۔ صرف ایک ہی نماز کی صورت میں یا مثلاً کسی نے زکوٰۃ نہیں دی۔ دوسرے وقت اتنی ہی مقدار میں دے سکتا ہے کوئی تاوان نہیں یا مثلاً کسی نے حج

نہیں کیا تو دوسرے سال کرے لیکن اگر کسی بغیر عذر شرعی کے ایک روزہ قضا ہو گیا ہے تو اس کے بدلے پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنا ہوں گے۔ غور کیجئے کتنی سخت سزا ہے اسی سزا سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت نہیں چاہتی کہ کوئی مسلمان بے وجہ ایک روزہ بھی ترک کرے اگر روزہ میں بکثرت فوائد نہ ہوتے تو اتنی سخت سزا نہ رکھی جاتی۔ تمام عبادتوں سے زیادہ فائدہ روزہ میں معلوم ہوتا ہے۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس عبادت کو بجا نہ لائیں۔ روزہ رکھنے سے جسم کی رطوبات فاسدہ جل جاتی ہیں۔ اخلاق فضائل میں اضافہ ہوتا ہے اور معرفت زیادہ ہونے سے روحانی درجات میں ترقی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ الجهاد بالسيف الاكرام للضيف الصوم في الصيف: تلوار سے جہاد کرنا۔ موسم گرما میں روزہ رکھنا اور مہمان کا اکرام کرنا چونکہ روزہ سخت عبادت ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بہت سی رعائتیں منظور کی ہیں۔

۱۔ اگر ماہ رمضان میں کوئی جائز سفر درپیش ہو تو روزہ قضا کرو۔

۲۔ بیماری کی حالت میں نہ رکھو۔

۳۔ اگر بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہو تو بھی نہ رکھو۔

۴۔ سحری کھا لیا کرو تاکہ زیادہ تکلیف نہ ہو۔

۵۔ دن میں نہیں مگر رات کو اپنی بی بی سے مباشرت کر سکتے ہو۔

۶۔ اس ماہ میں جتنا چاہو خرچ کرو داخل اسراف نہ ہوگا بشرطیکہ جائز [illegible] میں صرف کیا ہو۔

روزہ کی وجہ تسمیہ [illegible]

۱۔ عام لوگوں [illegible]

[illegible]

۲۔ [illegible]

اور غیبت سے پرہیز کیا جاتا ہے ۔ کسی نامحرم عورت پر نظر بد نہیں ڈالی جاتی ۔ رشوت نہیں لی جاتی ۔ کسی کا مال غصب نہیں کیا جاتا ۔ جھوٹی گواہی نہیں دی جاتی ۔ اشعار باطل نہیں پڑھے جاتے لہو و لعب میں وقت نہیں گزارا جاتا ۔ بھوک پیاس کی شکایت نہیں کی جاتی طعن و طنز سے کسی کا دل نہیں دکھایا جاتا ۔ ایسے روزہ سے اخلاقی اور روحانی فضائل حاصل ہوتے ہیں

---

(۲۹) حج و عُمرہ

پ البقرع ۲۴، ۱۹۶ و اتموا الحج و العمرۃ للہ :- (خدا ہی کے واسطے حج و عمرہ کو پورا کرو)

اللہ تعالٰی نے عمر بھر میں صرف ایک بار بطور وجوب اپنے گھر بلایا ہے بشرطیکہ تم میں وہاں جانے کی استطاعت ہو اور راستے پر امن ہوں ۔ حج و عمرہ چند مخصوص عبادتوں کے بجالانے کا نام ہے ۔ تلبیہ ۔ احرام ۔ طواف کعبہ ۔ استلام حجر اسود ۔ مقام ابراہیم پر نماز ، طواف صفا و مروہ ، عرفات میں قیام ، مشعر الحرام میں رات گزارنا ۔ صبح کو منا میں آنا ۔ رمی جمرات کرنا ۔ قربانی کرنا ۔ سر منڈوانا ۔ طواف نساء کو بجالانا ۔ حج کے بہت سے مقاصد ہیں جن میں سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی عبدیت کو پہچانے ۔ غرور و تکبر کا خبط دل سے نکالے ۔ تفوق و برتری کا خیال چھوڑے اور یہ سمجھ لے کہ خدا کی بارگاہ میں آنے والے سب بندوں کی حیثیت برابر ہے ۔ یہاں بادشاہ و رعایا ، حاکم و محکوم ، غلام و آقا عالم و جاہل ، شہری و بدوی سب برابر ہیں ۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ۔ اس مالک الملک کی سرکار میں حاضر ہونے کا لباس جس کو احرام کہتے ہیں یہ ہے :-

ایک سفید سوتی کپڑے کا لنگ ایک سفید سوتی چادر اوپر کا بدن ڈھکنے کے لئے کوئی موسم ہو ۔ کسی طبقے کا انسان ہو ۔ اس کا بس یہی لباس ہے ۔ سلا ہوا نہ ہو ۔ رنگین نہ ہو

Marfat.com

ریشمی نہ ہو۔ تاکہ مساوات میں فرق نہ آئے۔ کوئی امتیازی شان پیدا نہ ہو۔ جب مکہ معظمہ میں داخل ہو تو لبیک لبیک (حاضر ہوں۔ حاضر ہوں) کہتے ہوا۔ سر پر سایہ نہ ہو۔ ٹوپی یا عمامہ نہ ہو جوتے ایسے ہوں جن کا اوپر کا حصہ کھلا ہوا ہو۔ صرف ایک تسمہ اوپر ہو۔ خانہ کعبہ میں آئیں تو طواف کریں۔ کوئی کسی کو آگے پیچھے نہیں کر سکتا۔ جگہ سے نہیں ہٹا سکتا۔ سر و پا برہنہ ہو کر طواف کریں۔ اسی طرح صفا و مروہ کا طواف ہو۔ وہاں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا مالک الملک رب العالمین کی سرکار ہے وہاں سب برابر ہیں منا میں آئیں تو شیطان پر کنکریاں ماریں۔ کنکریاں مزدلفہ یا مشعر الحرام سے لی گئی ہوں اور کہیں کی نہیں پھر قربانی کریں۔ سر منڈوائیں۔ غور کرو ان مناسک کے بجالانے میں غرور اور تکبر کا کچومر نکل جاتا ہے یا نہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں عبدیت (بندگی) اپنے اصلی روپ میں نکل کر آتی ہے یہیں یہ سبق سکھایا جاتا ہے کہ ایک مسلمان چاہے کتنے ہی بڑے مرتبے کا ہو دوسرے مسلمان کو اپنے ہی جیسا خدا کا بندہ سمجھے۔ خدا چاہتا ہے کہ کم از کم ایک بار تو میری سرکار میں آکر یہ سمجھ لیں کہ بندگی کیا چیز ہے۔ ان چار روز کے اعمال میں بہت سے درس انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) ملکوں ملکوں کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ ان کے رنگ روپ اور لباس [illegible] رفتار و گفتار کا اختلاف معلوم ہوتا ہے۔

(۲) جب کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے کہنے والے [illegible] لاکھوں کی تعداد میں نظر آتے ہیں تو دل کو کیسی خوشی ہوتی ہے

(۳) ان کے معاشرتی، تمدنی اور اخلاقی حالات سے واقفیت ہوتی ہے

(۴) تجارتی [illegible]

غرض ایک [illegible]

[illegible] عبادت [illegible]

سیر و تفریح کے سوا کچھ نہیں۔

حج کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ مدینہ منورہ بھی جائیں اور قبر رسول کی زیارت کریں۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی مسجد ہے اس میں ایک طرف روضہ رسول ہے۔ جب راقم الحروف مع اپنے فرزند اکبر سید شمیم الحسن نقوی کے ۱۹۷۲ء میں زیارت قبر رسول سے مشرف ہوا تو ہر طرف نگاہیں اٹھا اٹھا کر مسجد کے اندر اور باہر یہ دیکھ رہا تھا کہ کہیں محلہ بنی ہاشم کا بھی پتہ ہے جنہوں نے اسلام کو تمام دنیا میں پھیلایا کہیں ان کا بھی نام و نشان ہے نہ کسی دروازہ پر ان کا نام نہ کسی سڑک پر ان کا نام۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا وہ دنیا میں آئے ہی نہ تھے۔ جناب سیدہ کا گھر خانہ رسول سے بالکل متصل تھا۔ مگر اب اس کا نام و نشان کہاں۔ کاش بیت اشرف نبوت کو باقی رکھا گیا ہوتا۔ تاکہ شوق بھری نگاہیں اس کے در و دیوار سے مس ہو کر نورانیت حاصل کرتیں۔ اس کا کیا ذکر۔ وہاں تو قبر رسول کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔

جنت البقیع جہاں نبی کے پارہ جگر اور ہمارے چار امام دفن ہیں۔ اس کا حال بیان کرتے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ایک ویران قبرستان ہے جہاں کسی قبر کا نشان نہیں۔ ایک جگہ چھوٹے چھوٹے پتھر رکھ کر پانچ قبروں کے برابر برابر نشان بنا دیئے ہیں۔ ظالم ان تک بھی نہیں جانے دیتے۔ مومنین صرف نگاہوں سے بوسے دے کر رد تے پیٹتے وہاں سے چلے آتے ہیں۔

(۳۰) انفاق فی سبیل اللہ

پ۲۔ البقرع ۲۶: یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتامٰی والمساکین وابن السبیل وما تنفقوا من خیر فان اللہ بہ علیم ۝

(لوگ تم سے پوچھتے ہیں ہم خدا کی راہ میں کیا خرچ کریں تم ان سے کہہ دو کہ تم اپنی نیک کمائی سے جو کچھ خرچ کرو۔ وہ تمہارے ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پردیسیوں کا حق ہے اور تم کوئی نیک کام کرو تو خدا اس

Marfat.com

کو نصف درجہ جانتا ہے)

خدا کے جو بندے ضرورت مند ہیں ان کا حق ایسے لوگوں پر رکھا ہے جو اپنے نفقہ کی طرف سے آسودہ و خوش حال ہیں۔ اس نے ایسے لوگوں کی جن کے ساتھ سلوک کیا جائے اور وقت ضرورت ان کی مدد کی جائے۔ مذکورہ بالا آیت میں مذمت دے دی ہے۔ اسے یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ کچھ لوگ تو آرام سے زندگی بسر کریں۔ اور خوش و خرم رہیں اور اس کے کچھ بندے پیٹ بھر کو ترسیں فاقہ کریں۔ در معذرت رہیں۔ لہٰذا اس نے بطور صلہ رحم مالداروں کو حکم دیا کہ وہ ان کی خبر لیتے رہیں تاکہ خدا ان سے خوش رہے اور ان کی دولت میں اضافہ ہو۔

خمس و زکوٰۃ کے علاوہ بھی نادار لوگوں کی امداد کرتے رہنا چاہیے [illegible] وہ مومن نہیں جس کا نادار پڑوسی بھوکا سوتا ہو۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے [illegible] شکم سیر ہو کر کھاؤں جب کہ میرے آس پاس بھوکے [illegible] دولت کا [illegible] ان کی [illegible] کی حقیقت سے پہنچایا جائے۔ ان صاحبان حاجت میں سب سے پہلے [illegible]

معاشرتی اصلاح کا ایک ذریعہ [illegible] اور مصیبت زدوں کی خبر نہیں لیتے۔ [illegible] ان [illegible] بخلاف ان لوگوں کے [illegible] اپنی دولت کا [illegible] ان کا احترام کرتے ہیں اور وقت مصیبت ان کے لیے اپنی جان [illegible] میں دریغ نہیں کرتے۔

(۳۱) شراب و جُوا

پ۲۔ البقرہ ع ۲۷۔ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر و منافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما۔ (اے رسول) لوگ تم سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں تم کہہ دو کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور کچھ نفع بھی ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے)

شراب ہو یا جوا، یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ جب ان کی لت پڑ جاتی ہے تو پھر چھوٹتی نہیں اور ایسے لوگ معاشرہ کے لئے فتنہ و فساد کا باعث بن جاتے ہیں۔ شراب پینے کے بعد انسان کی عقل ماری جاتی ہے چاہے وہ کتنا ہی پرانا پینے والا ہو۔ اگر مزاج میں تغیر نہ ہو تو پھر وہ پیتے ہی کیوں۔ نشہ کی ترنگ میں اس کو اچھے بُرے کی تمیز نہیں رہتی اور بُرے کام کے کرنے میں اسے باک نہیں ہوتا۔ لوگوں سے لڑتا جھگڑتا ہے۔ عورتوں کی عصمت دری کرتا ہے انتہا یہ ہے کہ بسا اوقات قتل پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ تمام صورتیں ایسی ہیں کہ معاشرہ میں طرح طرح کے فسادات کا باعث بن جاتی ہیں۔ جب عقل پر پردہ پڑ جائے تو پھر انسانیت کہاں باقی رہتی ہے۔

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ شراب انسان کے دل و دماغ کو بڑی قوت دیتی ہے اور انسان اس کے سہارے سے بڑے بڑے دقیق مسئلوں کو حل کر لیتا ہے پس ایسی مفید چیز سے روکنا اور اسے حرام ٹھہرانا انسان کی ترقی کا سد باب کرنا ہے۔ قرآن نے اس کے جزئی نفع کو تو مانا ہے لیکن اس کے گناہ کو اس کے نفع سے زیادہ بتایا ہے۔ غور کرو ایک شراب خوار آدمی اگر امور دنیا میں ترقی کر بھی لے تو اپنی عاقبت سنوارنے کی اسے فکر نہیں ہوتی۔ وہ خدا پرستی کی بجائے شیطان پرست بن جاتا ہے۔ کیا یہ نقصان کچھ کم ہے کہ اس نے دنیا کو لیا اور دین کو چھوڑ دیا۔ عند العقل وہ سب سے بڑے خسارہ میں ہے۔

Marfat.com

اب شراب کے چند نقصانات پر غور کیجئے:-

۱- شراب کی لت جب پڑ جاتی ہے تو وقت پر نہ ملنے سے اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور دماغ معطل ہو جاتا ہے۔ جب تک نہ پی لے اس پر وحشت سوار رہتی ہے اور کسی کام کا نہیں رہتا۔

۲- جب یہ لت بڑھتی چلی جاتی ہے تو انسان شراب کی مقدار بھی بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ بجائے پانی کے بھی شراب پیتے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کے دل و دماغ پر جو خراب اثرات پڑتے ہیں وہ ان کی حالت دیکھنے والوں کی سمجھ میں آسانی سے آسکتی ہے۔

۳- اچھی شراب بڑی قیمتی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک بوتل سو سو دو دو سو روپیہ میں ملتی ہے۔ غور کرو اگر کوئی شخص کم سے کم دو بوتلیں بھی روزانہ پیتا ہے تو ایک ماہ میں تین ہزار روپیہ شراب خواری میں صرف ہو جاتا ہے۔ کاش وہ یہ رقم کسی نیک کام میں صرف کرتا جس سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچتا

۴- جو لوگ شراب نہیں پیتے ان کی نظر میں شراب خوار کی وقعت باقی رہتی ہے۔

۵- شراب خوار کے منہ سے ایسی بدبو آتی ہے کہ لوگ اس سے بات کرنا پسند نہیں [illegible] والوں شراب نہیں پیتے کیا ان دنیا میں [illegible] کئے ہیں [illegible] [illegible] شراب خوار [illegible]

۶- شراب خوار [illegible] بن جاتا ہے [illegible] [illegible] [illegible]

۷- شراب خوار [illegible]

ناچنے لگتا ہے۔ ایسا تماشہ تو یورپ و امریکہ وغیرہ کے کلبوں میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے
۸۔ آخری عمر میں شراب خوار کے اعضائے جسمانی خراب ہو جاتے ہیں اور وہ مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

یہ اور اس قسم کے بہت سے نقصانات ہیں جو شراب خواری کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوتے ہیں تو عقلمند زیادہ نفع کو چھوڑ کر کم نفع کو کیوں اختیار کرے گا۔ اسی شراب کا ایک کرشمہ تھا کہ بنی امیہ کے ایک خلیفہ ولید نے بحالت جنابت صبح کی دو رکعت کی جگہ چار رکعت نماز پڑھادی اور ماموین سے کہا اگر کہو تو اور پڑھادوں۔ اس لئے قرآن نے کہا ہے:۔
لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی (نماز کے قریب جاؤ درانحالیکہ تم نشہ میں ہو)

اب رہا جُوا اس کے نقصانات کا کیا ٹھکانہ ہے۔ ہزاروں گھر تباہ ہو گئے جو بچے بھی وہ آخر تباہ ہوئے بغیر نہ رہے۔ اس میں جیت تو دوچار بار ہی ہوتی ہے۔ البتہ خسارہ بار بار ہوتا ہے۔ جوئے کی بھی شراب کی طرح لت ہوتی ہے۔ جواری کو بغیر جوا کھیلے چین نہیں آتا۔ چاہے سو بار ہار ے۔ جوا آدمی کو بے حیاء، سخت دل اور خود غرض بنا دیتا ہے۔ وہ بغیر محنت مزدوری کئے ہاتھ پیر ہلائے دولت حاصل کرنا چاہتا ہے چونکہ یہ قانون قدرت کے خلاف ہے لہٰذا اس کی سزا سے ملتی رہتی ہے۔ جواری کو ہر وقت اپنی گرفتاری کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور جب پولیس کی گرفت میں آجاتا ہے تو سارا پیسہ بھی ضبط ہو جاتا ہے اور سزا بھی پاتا ہے۔ غور کرو یہ کیسی ذلیل اور خوفناک زندگی ہے

---

(۳۲) حیض میں جماع کی ممانعت

پ۲ البقرع ۲۸ا۔ وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ ھُوَ اَذًی فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ وَلَا تَقْرَبُوْ ھُنَّ حَتّٰی یَطْھُرْنَ۔ (لوگ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے

ہیں تو کہہ دو کہ وہ گھن کی بیماری ہے۔ ایام حیض میں تم عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے پاس نہ جاؤ

بحالتِ حیض عورت سے مقاربت کرنا مرد و عورت دونوں کے لیے باعث نقصان ہے۔ چونکہ خونِ حیض نہایت گرم ہوتا ہے اس لیے مرد کو آتشک یا سوزاک کی بیماری ہو جاتی ہے اور ایسی حالت میں جو حمل قرار پاتا ہے۔ وہ بچہ مجذوم [illegible] یا اسی قسم کا کوئی اور مرض اسے لاحق ہوتا ہے۔ کیونکہ پیدائشی مجنون ہوتا ہے [illegible] ہے حکم خدا کی نافرمانی کی۔

۳۳۔ طلاق

پ ۲ [illegible]

طلاق (جس کے بعد رجوع ہو سکتی ہے) دو بار ہے [illegible]

[illegible] سے رخصت

اس آیت سے صاف یہ مطلب واضح ہوتا ہے کہ طلاق رجعی [illegible]

یعنی مرد ایک بار طلاق دے کر [illegible] سکتا ہے [illegible] بار بھی ایسا کر سکتا ہے [illegible] تو پھر رجوع نہیں کر سکتا۔

حضرات اہلسنت کے یہاں ایک بار تین بار [illegible] کہنے سے طلاق بائن ہو جاتی ہے جس کے بعد رجوع نہیں کر سکتا [illegible] آیت میں [illegible] ہے یعنی دو بار طلاق میں رجوع کر سکتا ہے الفاظ سے [illegible] سے تعلق ہے اور [illegible] لئے رکھا گیا ہے کہ عورت [illegible] جدا ہونے کے بعد [illegible] اپنے مقام پر [illegible]

اور وہ پھر مل بیٹھیں اگر پھر طلاق ہو تو پھر ان کو ان اور موقع مل جائے لیکن دو بار کے بعد بھی اگر اصلاح کی کوئی صورت نہ نکلے تو تیسری طلاق کے بعد ہمیشہ کے لئے چھٹکارا۔ کیسی معقول صورت ہے زن و مرد کے تعلقات کو ہموار کرنے کے لئے لیکن پہلی بار ہی تین بار صیغہ طلاق پڑھ کر عورت کو ہمیشہ کے لئے جدا کر دینے میں یہ اصلاحی صورت کہاں باقی رہتی ہے

حیض میں طلاق کو اسی لئے منع کیا گیا ہے کہ شاید اس مدت میں اصلاح کی کوئی صورت نکل آئے۔ جس شریعت نے یہاں تک احتیاط کی ہے وہ ایسا حکم کیسے دے سکتی ہے کہ ایک ہی بار تین طلاقیں پڑھ کر ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا جائے۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے اَبْغَضُ الاَشْیَاءِ عِنْدِی الطَّلَاق (میرے نزدیک سب سے بُری چیز طلاق ہے) ایسی صورت میں زن و مرد کو طلاق بائن سے بچانے کی یہی صورت ہے کہ دونوں کو ایک بار نہیں بلکہ دو بار سوچنے کا موقع دیا جائے۔ تنہا رہ کر جو تکلیف محسوس کریں یا اپنے اپنے کردار پر غور کریں تو شاید اصلاح کی کوئی صورت نکل آئے اور طلاق بائن سے نجات مل جائے اس زمانہ میں طلاق دینا ایک معمولی بات بن گیا۔ شادی کے چند سال بعد ہی کسی اور لڑکی سے تعلق پیدا کر کے اپنی بی بی کے سامنے طلاق نامہ رکھ دیتے ہیں۔ افسوس۔ اسلام تیرے اوپر کیا کیا مصیبتیں آ رہی ہیں۔ تیرے آئین کو یکسر لوگ بدلتے جا رہے ہیں۔

---

(۳۴) دُودھ پلانے کی مُدت دو سال

پ البقرۃ ع ۳۰: وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ۔

(مائیں اپنی اولاد کو دو برس کامل دودھ پلائیں) رضاعت کی مدت دو برس کامل اس لئے رکھی گئی ہے کہ اس مدت میں بچہ کے اعضاء مضبوط ہو جاتے ہیں اور وہ روٹی وغیرہ کھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ نیز یہ کہ ماں کے دودھ کی تاثیر اس مدت میں بچہ

Marfat.com

رگ وریشہ میں رچ بس جاتی ہے۔ قدرت نے بچہ کی پہلی غذا ماں کا دودھ قرار دی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بچہ کی فطرت اور مزاج کے مطابق ہوتا ہے اور نشوونما میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ بچہ روز بروز پنپتا چلا جاتا ہے اور بہت سے امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

یہ اسلام کا بہترین حکم ہے لیکن مغربی تہذیب کی فرنگیت نے جہاں اور بہت سی اسلامی تعلیم پر پانی پھیرا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ادھر بچہ پیدا ہوا اُدھر ماں نے گائے کے دودھ یا ڈبہ کے دودھ کی شیشی بچہ کے منہ سے لگا دی اور اپنی چھاتی کو جس میں قدرت نے اس بچہ کی غذا ودیعت کی تھی بچا لیا تاکہ دودھ پلانے کی زحمت سے بچی رہی اور قمیص یا پائجامہ پر دودھ کے قطرے گرنے سے بُو اور [illegible] پیدا نہ ہو۔

لیکن حکم خدا کی اس خلاف ورزی کا نتیجہ اچھا نہ نکلا۔ اُوپر کا دودھ [illegible] سے سازگار نہیں کرتا اور وہ بیمار پڑ جاتا ہے۔ زیادہ تر بچوں کو ام الصبیان [illegible] ہو جاتا ہے۔ عام طور پر جو لڑکے لاغر و ناتواں پائے جاتے ہیں ان کا [illegible] سے دل، دماغ اور آنکھوں کی کمزوری کا سبب بھی بسا اوقات [illegible] بہت سے بچے آغاز عمر ہی میں مر جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ [illegible] کبھی کبھی ماں کی چھاتیاں پک جاتی ہیں کبھی کبھی ان [illegible] بچہ کے لئے دودھ [illegible] ہوتا ہے [illegible]

(۳۵) بیوہ کے سوگ کی مدت

[illegible]

[illegible]

روکیں دادر دوسرا نکاح نہ کریں) قدرت نے عدۃ وفات کی مدت جسے ہماری اصطلاح میں سوگ کہتے ہیں چار ماہ دس دن رکھی ہے۔ تاکہ اس مدت کے اندر اگر عورت کو حمل رہا ہو تو ظاہر ہو جائے حمل کی صورت میں وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔

اس مدت میں بیوہ کو اپنے شوہر کے گھر میں رہنا چاہیئے۔ ادھر اُدھر گھومتی نہ پھرے تاکہ لوگوں کو کسی اور مرد کے حمل کا شبہ نہ پیدا ہو اور عورت بدنام ہونے سے محفوظ رہے۔ متوفی کی زوجہ کے سوا اور کسی عورت کے لئے سوگ نہیں جب کہ ہمارے ملک میں ہے کہ متوفی کے قریبی رشتہ دار چھ ماہ تک سوگ مناتے ہیں اور جیسا کہ عورتیں رشتہ داروں کے ہاں جانے سے پرہیز کرتی ہیں۔

ایام جاہلیت میں بیوہ عورت کا سوگ ایک سال تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

پ ۲ ع ۱۴ :- والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج۔

(اور تم میں جو لوگ اپنی بیبیاں چھوڑ کر مر جائیں ان پر اپنی بیبیوں کے حق میں سال بھر کے نان و نفقہ اور گھر سے نہ نکلنے کی وصیت لازم ہے) یہ حکم مذکورہ بالا آیت سے منسوخ ہو گیا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جامع قرآن نے ناسخ آیت کو قرآن میں پہلے رکھا ہے اور منسوخ کو بعد میں حالانکہ اس کے برعکس ہونا چاہیئے تھا۔

(۳۰) ایک قوم کے زندہ ہونے کا واقعہ

پ البقرہ ۳۲ :- الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم ان اللہ لذو فضل علی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون۔

(اے رسول کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جو موت کے ڈر کے مارے گھروں سے نکل بھاگے اور وہ ہزاروں آدمی تھے تو خدا نے ان سے فرمایا کہ سب کے سب مر جاؤ پھر خدا نے انہیں زندہ کر دیا بیشک خدا لوگوں پر بڑا مہربان ہے

Marfat.com

لیکن اکثر لوگ اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے) (ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)

مولانا نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

"باختلاف روایات یہ لوگ چار یا آٹھ یا تیس یا چالیس یا ستر ہزار تھے۔ جو طاعون یا وبا کے خوف سے بھاگے تھے۔ آخر موت کے پنجہ نے نہ چھوڑا سب کے سب مر کر ڈھیر ہو گئے۔ ایک مدت بعد حضرت حزقیل کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ نے دعا کی خدا کا حکم ہوا کہ چلو میں پانی لے کر ان پر چھڑکو۔ چنانچہ آپ چھڑکتے جاتے تھے اور وہ لوگ زندہ ہوتے جاتے تھے۔ چونکہ یہ واقعہ نوروز کے دن کا تھا اس لئے خدا نے اس دن ایک دوسرے پر پانی یا گلاب چھڑکنا سنت قرار دیا مگر افسوس ہمارے بھائیوں نے اس کو ہولی بنا دیا۔ خدا ہدایت کرے..."

مولانا مرحوم نے وسعت نظر یا احتیاط سے کام لیا اور روایت کو روایت کی صورت میں پیش کیا۔ مذکورہ بالا حاشیہ انہوں نے [illegible] سے لیا ہے [illegible] ان کی تعداد کے متعلق [illegible] اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ [illegible] تھے) موجود ہے [illegible] چالیس ہزار [illegible] ذکر کیا تھا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہے کہ ایک غیر ملکی رسم کو خدا نے بھی سنت قرار دیا اور رسول نے بھی۔ العجب ثم العجب مسلمانوں کے تہوار تو رویت ہلال سے ہوتے ہیں۔ شمسی حساب تو اسلامی تہواروں میں چلتا ہی نہیں۔ لیکن نوروز کو جو آتش پرستوں کی یادگار ہے۔ کھینچ تان کر اسلامی جنتری میں کیسے شامل کرلیا اور مصنوعی روایات کا سہارا لے کر اس کے بہت سے ثواب بھی لکھ لئے رہی اس کی خوشی کہ حضرت علی کو اس روز خلافت ظاہری ملی دوسری بات ہے اس کا نوروز سے کیا تعلق۔

اب اس سلسلہ میں سرسید احمد خاں صاحب کا بیان بھی سن لیجئے جو انہوں نے اپنی تفسیر انوار القرآن میں لکھا ہے:۔

"اس آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کن لوگوں کا ذکر ہے۔ مفسرین نے لفظ موتوا اور لفظ احیا سے یہ قیاس کیا ہے کہ یہ لوگ حزقیل نبی کے وقت میں تھا۔ حزقیل کا ایک قصہ مُردوں کی ہڈیوں کو دیکھنے اور ان کے زندہ ہونے کا حزقیل نبی کی کتاب میں مندرج ہے۔ ہمارے مفسرین نے صرف ان دو لفظوں سے ایک قصہ مثل حزقیل بنالیا ہے جو محض غلط ہے اور حذر الموت کے لفظ سے انہوں نے ان لوگوں کا اپنا ملک چھوڑ کر چلا جانا قرار دیا ہے مگر اس تفسیر کی کوئی سند نہیں۔ صرف اس غلط مثال پر یہ تفسیر بنالی گئی ہے۔"

حذر الموت کے لفظ سے بہ سبب وباء کے ان لوگوں کا ملک سے باہر چلا جانا نہایت غلط قیاس ہے کیونکہ اس مقام پر خدا نے مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے لڑنے کی ترغیب دی ہے اور اس لئے لڑائی میں مارے جانے کے خوف سے ان لوگوں کا ملک چھوڑ کر چلا جانا مراد ہو سکتا ہے نہ کہ وبا کے ڈر سے۔

موت اور احیا کے حقیقی معنی بھی یہاں مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ آیت میں اس بات کا کہ یہ امر معجزہ سے ہوا تھا۔ اور کیا محل معجزہ دکھانے کا تھا اور کس پیغمبر نے دکھایا تھا مذکور نہیں ہے۔ چونکہ یہ الفاظ موقع جنگ میں واقع ہیں اس لئے موت سے ان لوگوں کی نامردی اور بزدلا پن مراد ہے جو لڑائی میں موت کے ڈر سے ملک چھوڑ گئے تھے جیسے عام محاورہ میں

کہتے ہیں کہ اگر یہ بات نہیں کرتے تو اچھا مرو یعنی مصیبت میں پڑے رہو۔ خدا نے اور جگہ بھی موت کے لفظ کو انہی معنی میں استعمال کیا ہے۔ جہاں فرمایا ہے:

(یعنی اپنے غصہ میں مرو) یعنی تباہ و خستہ حال رہو اور احیا کے لفظ سے ان کے دل میں قوت آنا اور لڑنے پر آمادہ ہونا اور دشمن کو شکست دینے پر قادر ہونا مراد ہے اور اسی مثیل پر مسلمانوں کو دوسری آیت میں دشمنوں سے لڑنے اور دل مضبوط رکھنے کی ترغیب دی ہے پس موت و حیات سے حقیقی موت و حیات سمجھنا اور تمام قصہ کو حزقیل نبی کے ذہنی تصور پر جو حزقیل کی کتاب میں ہے محمول کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔" چونکہ ہمارے آخر سے یہ منقول نہیں لہٰذا ہم اس بیان کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتے۔ صحیح یہ ہے کہ اس قوم کے اماء دباء سے خائف ہو کر بھاگ گئے تھے اور غریبوں اور اپاہجوں کو وہیں چھوڑ دیا تھا۔ خدا کو ان کی یہ خود غرضی پسند نہ آئی اور ان کو ہلاک کر دیا۔ ان کو چاہئے تھا کہ خدا سے دعا کرتے اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا اور موت سے بچنے کے لئے وہاں سے بھاگ نکلے۔ حضرت حزقیل کو بستی کے اجاڑ ہونے کا بڑا غم ہوا انہوں نے دعا کی اور بقدرت خدا وہ زندہ ہو گئے۔

(۳۷) تابوتِ سکینہ

پ البقرہ ع ۳۲ - قال لهم نبيهم ان اية ملكه ان يأتيكم التابوت فيه سكينة من ربكم وبقية مما ترك آل موسىٰ وآل هارون تحمله الملائكة

(ان کے نبی اسرائیل (نبی) نے ان سے کہا کہ اس کے (طالوت کے) من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسکین دہ چیزیں اور ان تبرکات میں سے ہوگا جو موسیٰ و ہارون کی اولاد چھوڑ گئی ہے اور اس صندوق کو

کو فرشتے اٹھائے ہوں گے)

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ تابوت سکینہ کیا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ تابوت سکینہ وہ صندوق تھا جس میں حضرت موسیٰ کی ماں نے آپ کو رکھ کر دریا میں ڈال دیا تھا اور اس میں بہت سے تبرکات تھے۔ یہ تو سمجھ میں آنے والی بات نہیں اول تو بنابر ایک روایت کے انہوں نے درخت کی شاخوں سے بنایا تھا اور کسی بڑھئی سے تختوں کا بنوا بھی لیا ہو (حالانکہ یہ راز فرعون کے ڈر سے کسی پر ظاہر کرنا نہ تھا) تو وہ اتنا ہی چھوٹا سا ہوگا کہ ایک بچہ اس میں لیٹ سکے لیکن جو تابوت سکینہ بنی اسرائیل کے پاس تھا تو وہ بہت بڑا تھا جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

(۲) اگر وہی صندوق ہو جو مادر موسیٰ نے بنایا تھا تو وہ محفوظ کیسے رہا۔ ظاہر ہے کہ وہ تو محل فرعون میں چلا گیا تھا وہاں لوگوں کو کیا پڑی تھی کہ اس کو محفوظ رکھتے اور پھر فرعون کے یہاں سالہا سال اس کو بحفاظت رکھا جاتا عقل میں آنے والی بات نہیں۔ یہ تو مفسرین کی من گھڑت باتیں ہیں۔

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر یہی مضمون ہے۔ جو بے احتیاطی سے لکھا گیا ہے۔

جس واقعہ کے متعلق اس تابوت کا ذکر ہے وہ تو حضرت موسیٰ کے مرنے کے برسوں بعد بنی اسرائیل کے پاس دیکھا گیا تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب موسیٰ ہارون اور ان کی اولاد کے تبرکات محفوظ کرنے کے لئے بنی اسرائیل نے ایک صندوق بنوایا تھا جس میں جناب موسیٰ و ہارون کا عمامہ تھا۔ ان دونوں کی قمیضیں تھیں۔ روائیں تھیں کفشیں تھیں اور اولاد ہارون کے تبرکات بھی تھے۔ جس خیمہ میں یہ صندوق ہوتا تھا حتیٰ جوتا پہن کر اس میں نہیں جاتے تھے۔ اس خیمہ کی طرف پیر کر کے نہیں سوتے تھے ناپاکی کی حالت میں اس کے اندر نہ جاتے تھے۔ جب کہیں لڑنے جاتے تو حصول برکت

Marfat.com

لئے تابوت سکینہ کو ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ جب جالوت سے جنگ ہوتی تو یہ صندوق بنی اسرائیل
کے ساتھ تھا اس جنگ میں بنی اسرائیل کو بڑی سخت شکست ہوئی۔ بہت سے آدمی مارے
گئے گھر لوٹے گئے۔ بہت سے قیدی بنائے گئے۔ جالوت جہاں ان کا بہت سا سامان
لوٹ میں لے گیا۔ تابوت سکینہ بھی لے گیا۔

اس شکست کے بعد بنی اسرائیل نے اپنے نبی شموئیل سے درخواست کی کہ خدا سے
دعا کیجیے کہ وہ کسی کو ہم پر بادشاہ بنائے۔ بغرض طالوت کو ان پر بادشاہ بنایا گیا اور اس کی
بادشاہی کی یہ علامت قرار دی گئی کہ تابوت سکینہ واپس مل جائے گا۔ تابوت سکینہ اس لئے
کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہونے سے بنی اسرائیل کے دلوں کو تسکین رہتی تھی۔

جالوت نے اس تابوت کی بڑی بے قدری کی۔ اسے ایسے مقام پر رکھوا دیا جہاں لوگ
پیشاب پاخانہ کرتے تھے۔ اس گستاخی کی یہ سزا ملی کہ ان کی قوم میں بواسیر کی بیماری پھیل گئی لوگوں
کو خون کے دست آنے لگے۔ تب انہوں نے گھبرا کر ایک بیل گاڑی پر اسے رکھوایا اور بنی اسرائیل
کے علاقے میں کسی جگہ رکھوا دیا۔ بنی اسرائیل کو اس کا پتہ ہی نہ چلا۔ جب طالوت بادشاہ ہوا تو
ملائکہ نے اسے اٹھا کر اس کے پاس پہنچا دیا۔ یہ علامت تھی اس کے منجانب اللہ بادشاہ ہونے کی۔

اس آیت میں قابل غور بات یہ ہے کہ اس صندوق میں دو چیزیں بتائی گئیں۔ وبقیۃ مما [illegible]
کا جو آل موسیٰ و آل ہارون نے چھوڑے تھے۔ جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے [illegible]
[illegible] تھے پھر اس آیت میں آل موسیٰ کا ذکر کیوں ہے۔ مولانا [illegible] صاحب نے [illegible]
تفسیر میں اہل لغت [illegible] آل موسیٰ سے [illegible]
[illegible] لفظ [illegible] اپنے کلام میں [illegible] قرآن [illegible]
اس لفظ کا [illegible] ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ [illegible]
کے پالا تھا [illegible] آل ہارون [illegible] آل موسیٰ [illegible]

گیا تو کیا وجہ ہے کہ آل علی کو آل محمد تسلیم نہیں کیا جاتا۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے کہ جو امم سابقہ میں ہو چکا ہے وہی میری امت میں ہو گا۔ اس طرح جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مشابہ ہوتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ آلِ موسےٰ سے مراد امت موسیٰ ہے تو کیا اس صندوق میں تمام اُمت موسیٰ کے منسوبات تھے اور کیا ان کی یہ قدر و منزلت ہو سکتی تھی کہ ملائکہ انہیں اٹھائیں یہ تو تھا صرف تبرکات انبیاء اور اولاد انبیاء ہی کی خصوصیت و فضیلت تھی۔

ان تبرکات میں جو داخل تابوت سکینہ تھے۔ کفش موسیٰ و ہارون بھی تھیں۔ اللہ اللہ حضرات انبیاء کا کیا مرتبہ ہے کہ فرشتے اسے اٹھائے ہوئے تھے۔ یہ فضیلت ان جوتوں کو صرف اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ وہ نبی کے جسم سے مس ہو چکے تھے۔ کس قدر عبرت ناک ہے یہ واقعہ کہ اولاد رسول کو جن کا گوشت و پوست وخون رسول کا گوشت وخون تھا۔ نا اہل، ناحق شناس مسلمانوں نے طرح طرح کے ظلم و ستم کر کے شہید کر دیا۔

---

(۳۸) نہر طالوت

پ البقرع ۳۳:۔ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّي اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ فَشَرِبُوا مِنْهُ اِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ۔

(جب طالوت لشکر سمیت شہر ایلیا سے روانہ ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا (دیکھو آگے) ایک نہر ملے گی اس سے خدا تمہارے صبر کی آزمائش کرے گا پس جو کوئی اس کا پانی پیئے گا مجھ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں اور جو اس کو نہ چکھے گا وہ بیشک مجھ سے ہوگا۔ ہاں جو اپنے ہاتھ سے چلّو بھر پی لے تو کچھ حرج نہیں (پس لوگوں نے نہ مانا) اور چند آدمیوں کے سوا سب نے پی لیا)

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ اس نہر سے پانی پینا کیوں ممنوع تھا:۔

Marfat.com

(۱) بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ طالوت کی فوج میں بزدل، کاہل اور جنگ کو ناپسند کرنے والے بہت تھے۔ چنانچہ اس سے پہلے جب جالوت سے جنگ ہوئی تھی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور جالوت کو فتح حاصل ہو گئی تھی۔ طالوت کو معلوم تھا کہ اس کی فوج میں وہ لوگ بھی شامل ہیں لہذا وہ چاہتا تھا کہ اس کی جانچ پڑتال کرے کہ کون فرمانبردار ہیں اور کون نافرمان۔ کون جیالے ہیں کون بزدل۔ لہذا اس نے اسی نہر کے پانی سے آزمائش کی۔ جن لوگوں نے ڈٹ کر پی لیا۔ طالوت نے ان کو فوج سے خارج کر دیا۔ یہ ایسی ہی آزمائش تھی جیسی مومنین و منافق کو پہچاننے کے لئے تحویل قبلہ کا حکم ہوا تھا۔

(۲) بعض نے لکھا ہے کہ گرمی کا موسم تھا اور طالوت کی فوج منزلیں مارتی چلی آ رہی تھی جب نہر سامنے آئی تو طالوت کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر انہوں نے ڈٹ کر پانی پی لیا تو پھر آگے چلنے کی ان میں ان قوت نہ رہے گی۔ چنانچہ جنہوں نے خوب پی لیا تھا وہ ڈھیلے ڈھالے ہو گئے اور آگے چلنے کی ان میں طاقت نہ رہی۔ طالوت نے ان کو وہیں چھوڑ دیا۔

یہی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ چلو بھر پانی پیاس بجھانے کے لئے پینے کی اجازت دی گئی تھی۔

(۳) بعض کا خیال ہے اس لئے روکا تھا کہ یاد او دشمن نے اس پانی میں زہر ملا دیا ہو ان ذکر ہے اصحاب طالوت اور اصحاب امام حسین علیہ السلام میں کہ بہتر تھے جو وفادار [illegible] اور باوجود امام کی اجازت کے انہوں نے نہ ذات میں داخل ہو۔ [illegible] ان کے بچے پیاسے ہیں۔

---

(۳۹) دین میں جبر نہیں

پ البقرہ ۲۵۶: لا اکراہ فی الدین (دین میں کوئی زبردستی نہیں)

یہ اسلام کا طرہ امتیاز ہے کہ وہ کسی کے گلے پر خنجر رکھ کر مسلمان نہیں بنانا چاہتا۔ بلکہ دلائل و براہین بیان کر کے اپنے اخلاق حسنہ کو پیش کر کے مساوات و اخوت کو دکھا کر اسلام کی طرف ترغیب دیتا ہے آنحضرت کے زمانہ میں جتنی لڑائیاں کفار و مشرکین سے ہوئیں وہ جارحانہ نہ تھیں بلکہ مدافعانہ تھیں۔ جب مشرکین حملہ کرتے یا حملوں کی تیاری کی خبریں ملتیں یا مسلمانوں کو ستاتے یا ان کے مویشی ہنکا کر لے جاتے ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کرتے تب حضور سرکار دو عالم ان پر لشکر کشی کرتے جو کفار و مشرکین اسلامی حکومت میں بطور رعایا رہتے تھے اور حکومت اسلامی کچھ شرائط کے ساتھ ان کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی تھی اس کی صورت یہ تھی ان پر پہلے اسلام کو پیش کیا جاتا تھا اگر وہ منظور نہ کرتے تو ان کو جلاوطنی کا حکم دیا جاتا اگر اس کو بھی نہ مانتے اور سرکشی پر آمادہ ہوتے۔ تب ان کے قتل کا حکم دیا جاتا تھا۔ بہت سے قبیلوں کو چند شرائط کے تحت اپنا حلیف بنا لیا جاتا تھا اگر وہ نقض عہد کرتے تب مجبوراً ان پر فوج کشی کی جاتی۔

البتہ آنحضرت کی وفات کے بعد جو سلطنتیں قائم ہوئیں ان میں ان تمام باتوں کا لحاظ نہ کیا گیا اور ملک گیری کی ہوس میں فوج کشی کر کے بے دریغ لوگوں کو قتل کیا گیا اور ان کو جبراً حلقہ اسلام میں داخل کیا گیا۔ اسی بنا پر یہ اعتراض پیدا ہوا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ مسلمانوں کے کسی بد عمل سے اسلام کا دامن داغدار نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر اسلامی قوانین میں کوئی ایسی دفعہ ہوتی جس سے بہ جبر مسلمان بنانے کا ثبوت ملتا۔ تب اسلام پر یہ اعتراض ہو سکتا تھا۔ ہر دین و مذہب میں ایسا پایا جاتا ہے کہ اس کے آئین کے خلاف لوگ عمل کرتے ہیں اور بہ جبر لوگوں کو اپنے دین میں داخل کرنا چاہتے ہیں لیکن لوگوں کے اس عمل سے آئین مذہبی بدنام نہیں ہو سکتے۔

اسلام کی نشر و اشاعت کا اصلی سبب اس کے دلائل و براہین کی پختگی تھی جس کے مقابل دیگر ادیان کے علماء اپنی حقانیت کو ثابت نہ کر سکے۔

---

(۴۰) حضرت عزیرؑ کا قصہ

پ۳ البقرع ۳۵، اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ
اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ
يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ
يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا
ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

تم نے اس بندہ کے حال پر بھی نظر کی جو ایک گاؤں پر سے ہو کر گزرا اور وہ ایسا اجڑا تھا کہ اپنی چھتوں پر ڈھے کر گر پڑا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ بندہ کہنے لگا اللہ اس گاؤں کو ایسی ویرانی کے بعد کیونکر آباد کرے گا۔ اس پر خدا نے اسے مار ڈالا اور سو برس تک اسے مارے رکھا۔ پھر اس کو زندہ کیا۔ تب اس سے پوچھا تم کتنی دیر پڑے رہے۔ اب ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ ابھی تک نہیں سڑیں اور اپنے گدھے کو دیکھو کہ اس کی ہڈیاں ڈھیر پڑی ہیں اور یہ سب اس واسطے ہے تاکہ لوگوں کے لئے تمہیں اپنی قدرت کا نمونہ بنائیں اور اب اس گدھے کی ہڈیوں کی طرف نظر کرو ہم ان کو جوڑ جاڑ کر ڈھانچہ بناتے ہیں اور پھر ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں۔ جب ان پر یہ ظاہر ہوا تو کہنے لگے اب میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ کون سی بستی تھی اور یہ کون تھے جن کے متعلق یہ قصہ ہے۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ وہ حضرت عزیرؑ تھے اور وہ بستی بیت المقدس تھی جسے بخت نصر نے بنی اسرائیل کا قتل عام کر کے برباد کیا تھا اور وہاں کے باشندوں کی لاشوں کو درندوں نے کھایا تھا۔ حضرت عزیرؑ ادھر سے گزرے تو آپ نے [illegible]

سکتی ہے اس پر خدا نے ان کی روح قبض کر لی اور سو برس تک مردہ رکھا۔ ان کی غذا اور دودھ جو ساتھ تھا۔ اس مدت دراز میں ذرا خراب نہ ہوا۔ خدا نے ان کے بدن کو نظر خلائق سے محفوظ رکھا۔

غرض جب عزیر زندہ ہوئے اور ان کا گدھا بھی زندہ ہوا تو بیت المقدس آباد ہو چکا تھا۔ جب اپنے گھر واپس آئے تو اپنے پوتوں کو بڑھاپا پایا اور خود گویا جوان تھے۔ لوگوں کو کسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ وہ عزیر ہیں۔ یہاں تک کہ جب اپنی لونڈی کو جو بیس برس کی چھوڑ گئے تھے اور اب ایک سو بیس برس کی تھی اور نابینا تھی اپنی دعا سے بینا کیا اور اپنے بیٹے کو جسے حالتِ حمل میں چھوڑ گئے تھے اپنے شانہ کا تل جو بہت چمک دار تھا۔ دکھلایا تب لوگوں کو یقین ہوا کہ یہی عزیر ہیں۔ اسی لئے خدا نے فرمایا کہ میں تم کو اپنی قدرت کی نشانی بتاتا ہوں۔

یہ واقعہ ہم نے مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے مترجمہ قرآن کے حاشیہ سے نقل کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مولانا حواشی لکھنے میں احتیاط سے کام نہیں لیتے اور روائت کو درائت کی کسوٹی پر نہیں کستے۔ اس روایت کے اس حصے پر غور فرمائیے کہ جو بیٹا حالتِ حمل میں تھا وہ شانہ کا تل دیکھ کر اپنے باپ کو کیسے پہچان گیا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں۔ دوسرے نابینا لونڈی کو بینا کرنے سے اس کا یقین کیونکر ہوا کہ یہ عزیر ہی ہیں۔

سر سید احمد خاں نے اس واقعہ کو لحیانی کے متعلق بتایا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ اس کو خواب کا واقعہ لکھا ہے یعنی انہوں نے خواب میں دیکھا کہ سو برس مرے پڑے رہے اگر یہ واقعہ خواب کا تھا تو خدا نے یہ کیوں فرمایا۔ ولنجعلک آیۃً للناس۔ خواب میں کسی واقعہ کو دیکھنے والا خدا کی قدرت کی نشانی کیسے بن جائے گا اور کیوں کہے گا اب میں جان گیا کہ خدا ہر شے پر قادر ہے۔ چونکہ مرحوم معجزات انبیاء کے قائل نہ تھے اس لئے ہر خارق عادات امر کو موافق عادت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر واقعات کو خواب کے لپیٹ میں لے لیتے ہیں ؎

(۴۱) حضرت ابراہیم کا پرندوں کو زندہ کرنا

پ۳ البقرہ ع ۳۵ ۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ
بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ
مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا وَّاعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۔

(جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ تو مردہ کو کیوں کر
زندہ کرتا ہے۔ خدا نے کہا تم کو اس کا یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں
آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ اطمینان ہو جائے فرمایا اچھا چار
پرندلو اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک جزو رکھ
دو اس کے بعد ان کو بلاؤ پھر دیکھو وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آتے ہیں)

واقعہ یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم نے دریا کے کنارے ایک مردہ کو دیکھا جس کا آدھا
بدن پانی میں تھا اور آدھا خشکی میں۔ پانی کے حصے کو دریائی جانور کھا رہے تھے اور
خشکی کے حصے کو خشکی کے جانور۔ پھر وہ باہم لڑنے اور ایک دوسرے کو کھانے لگے
یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم کو تعجب ہوا اور خدا سے دعا کی حکم ہوا چار پرندے لے کر
ذبح کرو اور ان کا گوشت قیمہ کر کے ملا جلا کر دو۔ چونچیں [illegible] سب کیا گیا پھر ہر پرندہ
کی چونچ ہاتھ میں لے کر اسے پکارا۔ جہاں جہاں اس کے اجزا تھے وہ [illegible]
[illegible] اپنے مقام سے اڑ کے [illegible] ہونے اور چونچ سے چپکنے لگے یہاں تک کہ
جسم پورا ہو گیا اور [illegible] پرندے زندہ ہو کر [illegible] اڑ گیا

[illegible] زمانہ یہ سوال ہوتا ہے کہ جب ایک جسم کے اجزا متفرق ہو کر باہم مل
جاتے ہیں تو قیامت میں کوئی [illegible] کیوں [illegible] آتا ہے [illegible]
ہے کا اس اعتراض کے دفعیہ کے لئے خدا نے یہ صورت دکھائی

بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کی قوم قیامت میں مردوں کے جی اٹھنے کی قائل نہ تھی اور حضرت ابراہیم سے کہتی تھی یہ کیسے ممکن ہے۔ اس بنا پر حضرت ابراہیم نے خدا سے یہ دعا کی تاکہ اپنی آنکھوں دیکھا حال ان سے بیان کردیں۔ ایک نبی کو اگر اس کا یقین نہ ہو تو وہ نبی ہی کیا کیونکہ اس پر ایمان لانا تو اصول دین ہی سے ہے۔ حضرت ابراہیم کو ضرور یقین تھا لیکن وہ اس کی عملی صورت دیکھنا چاہتے تھے تاکہ لوگوں سے بیان کریں۔

سرسیّد احمد خاں صاحب نے غضب ڈھایا ہے کہ اسے بھی خواب کا واقعہ ظاہر کیا ہے۔ بھلا خواب ہی دیکھنے سے اطمینان قلب کی پوری صورت کیسے پیدا ہوگی۔ آخر آیت میں ہے۔ "ان اللہ عزیز حکیم" بھلا خواب میں کسی واقعہ کو دکھانے سے عزت وحکمت کا اظہار کیسے ہوگا۔ سننے والے کہہ سکتے تھے کہ اے ابراہیم یہ خواب کی باتیں ہیں۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جو خواب میں دیکھا ہے وہ حقیقت بھی ہو۔ جب تک برأی العین نہ دیکھا جائے اس کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ پر پورا یقین نہیں ہو سکتا۔ اور معترضین کی زباں بند نہیں کی جا سکتی۔

جس خدا نے ہر مخلوق کو نیست سے ہست کیا ہے۔ عدم سے وجود میں لایا ہے اس کے نزدیک ایسا کر دکھانا کون بڑی بات ہے۔

بعض مفسّرین نے لکھا ہے جس کا ذکر سید صاحب نے اپنی تفسیر میں کیا ہے کہ صورت وقوع میں نہیں آئی بلکہ صرف حضرت ابراہیم کو یہ بتا دیا گیا کہ اگر ایسا کیا جائے تو قدرت خدا سے وہ زندہ ہو جائیں گے۔ یہ تو وہی خواب کی سی بات ہوئی۔ کہنے والے کہہ سکتے تھے۔ کہ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں جو تمہیں بتایا گیا ہے وہ غلط ہے جب تک اس کا کوئی عملی نمونہ ہمارے سامنے نہ ہو ہم کیوں کر یقین کر سکتے ہیں۔

کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ جب اس واقعہ کا کوئی گواہ نہ تھا تو حضرت ابراہیم نے قوم کو کیوں کر مطمئن کیا۔ لوگ کہہ سکتے تھے کہ آپ نے یہ واقعہ دل سے گھڑ لیا ہے

Marfat.com

جواب یہ ہے۔ یہ کیسے معلوم ہوا کہ جب یہ واقعہ ہوا تو حضرت ابراہیم اکیلے ہی تھے۔ نیز کہ گواہ بنانے کے لئے آپ نے کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لیا ہوگا۔

اس کو ایک مثال سے سمجھئے کسان زمین میں بیج بوتا ہے جس کے اندر اس کے اجزائے اصلیہ چھپے ہوئے ہوتے ہیں وہ بیج اپنے اجزائے زائد کو خود بخود اپنی طرف کھینچ لیتا ہے تا اینکہ وہ مکمل درخت ہو جاتا ہے بس سمجھئے ایسے ہی نشر ہوگا۔

(۴۲) سود کی حرمت

پ ۳ البقرۃ ۳۰: واحل اللہ البیع وحرم الربوٰ۔ اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ انسانی معاشرہ کو تباہ کرنے والا قلب انسانی کو انتہائی سخت بنانے والا اخلاق میں گراوٹ پیدا کرنے والا سود ہے۔ سود خوار ناجائز منافع حاصل کرنے کے لئے انتہائی سنگدلی سے کام لیتا ہے اور اپنی تھوڑی سی رقم کو سود در سود کی لپیٹ میں لے کر قرض لینے والے کو انتہائی پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

جب حضور مدینہ پہنچے تو دیکھا یہودی بڑے مالدار ہیں وہ لوگوں کو سود پر قرض دیتے ہیں اور ان سے سود در سود منافع لے کر اپنی رقم بڑھاتے چلے جاتے ہیں جب مقروض ادا کرنے کے قابل نہیں رہتا ہے تو اس کی عورتوں اور لڑکیوں کو اپنے گھر لے جاتے ہیں اور ان سے مختلف قسم کی خدمتیں لیتے ہیں اور ان کی آبرو ریزی کرتے ہیں۔ انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج اس مصیبت میں مبتلا تھے۔ جب [illegible] آئے تو اس مصیبت کا سامنا ان کو بھی وہاں ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا [illegible] دونوں قبیلے مسلمانوں کو یہودیوں کے ظلم و ستم سے نجات ملی [illegible] لوگوں کی حاجت براری کے لئے حضرت نے امراء کو حکم دیا کہ وہ بلا سودی قرضہ [illegible]

کو دے کر ان کی مشکلات آسان کریں اور یہ وعدہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کو دس گنا اجر دے گا۔

اس سے مسلمانوں کو بڑی ڈھارس ہوئی اور یہودیوں کا کاروبار فیل ہو گیا۔ کیوں کہ زیادہ قرضہ ان سے غریب مسلمان ہی لیتے تھے۔ اسلام نے سود لینا دینا دونوں کو حرام کیا ہے کیونکہ دونوں صورتیں ضرر رساں ہیں۔ یہی سود کا جال تھا جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو تباہ کیا اور ان کی بڑی بڑی جائدادیں کوڑیوں کے مول میں ہندو ساہوکاروں کے پاس چلی گئیں اور مسلمان مفلس قلاش ہو کر رہ گئے۔ سود در سود کی لپیٹ میں دس کی بجائے پچاس دینے پڑے۔

سود لینے والے کی طرح سود دینے والا بھی گنہگار ہوتا ہے۔ سود خوار سود پر روپیہ دے کر اپنی قوم میں اپنی ساکھ کھوتا ہے۔ ایسے سخت دل آدمی سے کسی کو ہمدردی نہیں ہوتی بلکہ لوگ اس کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ کیونکہ قرض لینے والوں کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ سود خواروں کو غریبوں پر رحم نہیں آتا۔ وہ ٹھوک بجا کر اپنی کوڑی کوڑی ان سے وصول کر لیتے ہیں۔ ایسے تماشے ہم نے بہت دیکھے ہیں۔ ہمارے شہر کے بہت سے زمیندار، جاگیردار اس سود کے قضیے میں اپنا سارا سرمایہ ہندوؤں کو دے بیٹھے اور ان کی اولاد کوڑی کوڑی کو محتاج ہو کر رہ گئی۔ سود کے سلسلے میں جو جاگیریں، زیور برتن وغیرہ رہن رکھے جاتے تھے اگر ان کو واپس لیا جاتا تھا تو سود کی رقم اس شے کی قیمت سے کہیں زیادہ ہو جاتی تھی جس کو رہن رکھا جاتا تھا۔ مجبوراً چھوڑ بیٹھتے تھے اور اس طرح دس روپیہ لے کر چند سال بعد پچاس روپیہ قیمت کی چیز ہاتھ سے چلی جاتی تھی۔

اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان بھائی بھائی بن کر رہیں اور ایک کے دل میں دوسرے کی ہمدردی ہو۔ ایک دوسرے کا غمگسار اور چارہ ساز ہو۔ قرض دیں مگر بغیر سود کے اور لینے والا جہاں تک ممکن ہو اس رقم کو ادا کرنے کی کوشش کرے۔ یہ نہیں کہ رقم لے کر پھر اس کے ادا کرنے کی فکر ہی نہ رہے اس سے آپس میں فتنہ و فساد کی نوبت آجاتی ہے۔ چونکہ

Marfat.com

اکثر اوقات لینے والا نادہندہ ثابت ہوا ہے۔ اس لیے قرض حسنہ دینے کا طریقہ ہی مسلمانوں میں ختم ہو گیا۔

اب بجائے سیٹھوں ساہوکاروں سے براہ راست قرض لینے کے لئے تمام دنیا میں بینکوں کا سسٹم رائج ہے۔ تمام تجارتی کاروبار انہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ بینک درحقیقت ایک تجارتی شعبہ ہے جس میں رقم جمع کرنے والے اس کے نقصان و نفع دونوں میں شریک سمجھے جاتے ہیں کیونکہ اگر بینک فیل ہو جائے تو اس میں رقم جمع کرنے والے بھی خسارہ میں آجاتے ہیں اس لئے جمع کرنے والوں کو بینک سے سود لینا جائز ہے۔ کیونکہ کوئی بینک ایسا نہیں جو اپنے سرمایہ سے تجارت نہیں کر رہا۔ اس تجارت سے جو نفع ہوتا ہے اس میں سے وہ اپنے حصہ داروں کو دیتا ہے اگرچہ نام اس کا سود ہے لیکن درحقیقت وہ تجارتی نفع ہے اب رہا بینک سے تجارتی یا صنعتی کاروبار کے لئے قرض لینا تو وہ بھی اس لئے جائز ہو گا کہ لینے والا اس روپیہ سے تو اپنا کاروبار بڑھانے گا اور اس سے منافع حاصل کرے گا تو اس کے ان منافع میں بینک بھی شریک ہو گا۔ البتہ جو روپیہ عیاشی، سودبازی یا شادی بیاہ میں نام و نمود دکھانے کے لئے لیا جائے گا وہ کیوں کر جائز ہو سکتا ہے کیونکہ شرعاً ایسے کاموں میں خرچ کرنا جائز نہیں۔

(۸۱) راسخون فی العلم

پ۳ آل عمران ع ۱۔ ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ اٰیات محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابھات فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون اٰمنا بہ کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب۔

(۱) وہی (اللہ) ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی اس میں بعض آیتیں محکم ہیں ...

ہیں یہی دعمل کرنے کے لئے) اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ دگول گول جس کے معنی میں سے پہلو نکلتے ہیں) پس جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ انہی آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ ہیں تاکہ فساد برپا کریں اور اس خیال سے کہ انہیں اپنے مطلب پر ڈھال لیں حالانکہ خدا اور ان لوگوں کے سوا جو علم میں بڑے پایہ کے ہیں ان کا اصلی مطلب کوئی نہیں جانتا۔ وہ لوگ دیہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ سب (محکم و متشابہ) ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور (عقل والے سمجھتے ہیں)

آیات محکمات وہ ہیں جن کا مطلب صاف اور صریح ہے جیسے اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وغیرہ اور آیات متشابہات وہ ہیں۔ جن کے سمجھنے میں اس لئے دشواری پیش آتی ہے کہ ان میں اصلی معنی کی کوئی تاویل کی جاتی ہے۔ جیسے بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ اس کے لفظی معنی تو ہیں کہ ہم نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ لیکن چونکہ اس معنی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا صاحب جسم ہونا لازم آتا ہے لہٰذا اس کی تاویل کرنی ضروری ہے اور پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے اپنی قدرت سے اسے بنایا۔

منافقین چونکہ فتنہ پردازی کی طرف مائل تھے لہٰذا وہ آیات متشابہات کی غلط تاویل کر کے اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے تھے جیسے آیہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واُولی الامر منکم میں اولی الامر کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں بادشاہان وقت مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں امرا سرا یا مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں کسی قوم کے سردار مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں علماء مراد ہیں لیکن یہ سب تاویلیں غلط ہیں اس لئے کہ رسول اور اولی الامر کی اطاعت ایک سی ہے کیونکہ ایک ہی فعل اَطِیْعُوا کے تحت ان کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ رسول کی اطاعت، اطاعت مطلقہ ہے نہ کہ جزئیہ یا مقیدہ۔ لہٰذا اولی الامر کی اطاعت بھی مطلقہ ہی ہو گی اور اطاعت مطلقہ سوائے معصوم کے دوسرے کی نہیں ہو سکتی بادشاہانِ دنیا فاسق و فاجر بھی ہوتے ہیں اور ظالم و مکار بھی۔ لہٰذا ان کی اطاعت رسول جیسی اطاعت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح باقی طبقات جن کا ذکر اوپر ہوا کہ ان کا بھی عصمت سے کوئی تعلق نہیں ان

سب کی رائے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا خدا نے تاویل آیات کا حق عام لوگوں کو نہیں دیا بلکہ ایک خاص گروہ کو جو راسخون فی العلم کہلاتے ہیں تاویل بیان کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا ہے اور وہ محمد و آل محمد کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ مکتب من لدن کے تعلیم یافتہ ہیں۔ ان کا علم وہبی ہوتا ہے یہاں کے کسی معلم سے حاصل کیا ہوا نہیں ہوتا۔ وہ آیات متشابہات کا وہی مطلب بتاتے ہیں جو خدا کا مقصد ہوتا ہے۔ قرآن انہی کے گھروں میں نازل ہوا ہے۔ لہٰذا تاویل انہی سے دریافت کرنی چاہیئے۔ ان کی تاویل غلط نہیں ہو سکتی۔

جامع القرآن کے پیروؤں نے غضب ڈھایا ہے کہ اس آیت کا مطلب ہی راسخون فی العلم سے پہلے میم لگا کر خبط کر دیا یعنی آیت کی یہ صورت بنائی: "وما یعلم تاویلہ الا اللہ" جس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ کے سوا اور کوئی متشابہات کی تاویل جانتا ہی نہیں۔ راسخون فی العلم کو آیت کے آخری حصہ سے متعلق کر دیا۔

ان عقل کے دشمنوں سے کوئی پوچھے کہ جب صرف اللہ ہی تاویلات کو جانتا ہے تو پھر ایسی آیات نازل کرنے کا فائدہ ہی کیا۔ اللہ سے کیسے پوچھا جائے کہ ان آیات کی تاویل کیا ہے۔ جب کسی کو مطلب ہی نہ معلوم ہو تو ان پر عمل کیسے کرے گا۔ صرف اللہ ہی تک محدود ہونا یہ بتاتا ہے کہ رسول کو بھی تاویل آیات کا علم نہیں۔ سبحان اللہ عجیب ہدایت کی صورت ہے۔ الٰہی آیات کے نازل کا منشا تو یہی ہے کہ جب ان کی تاویلوں میں اختلاف ہو تو یا رسول سے پوچھا جائے یا ان لوگوں سے جو معصوم ہیں اور جن کو رسول نے تعلیم دی ہے۔

حضرات اہلسنت کے علماء نے یہ طے کر لیا ہے کہ جہاں جہاں اہلبیت کے فضائل قرآن میں پائے جاتے ہیں ان کی کوئی تاویل کر کے ان فضیلت کو ان سے چھین لیا جائے۔ اگر راسخون فی العلم سے تمسک رکھا جاتا تو ایسے دین کے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوتے۔ جن علماء نے تاویلوں میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لیا تو اسلام پر ایک مصیبت عظمیٰ نازل ہو گئی [illegible] قرآن کے ساتھ اہل بیت کو کیا تھا لیکن مسلمانوں نے ان کو الگ چھوڑ دیا اور [illegible] لوگوں سے

قول و فعل پر عمل کرنے لگے ۔

تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۲ مطبوعہ مصر میں ہے :

" انس بن مالک کہتے ہیں میں نے رسول اللہ سے پوچھا کہ راسخون فی العلم کون ہیں آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھ نیکی کریں ۔ زبان سچی اور دل مستقیم ہوں اور جو حرام پیٹ اور فرج سے محفوظ ہوں ۔ "

ظاہر ہے کہ یہ صفات حضرت رسول اور آئمہ طاہرین کے سوا کسی میں نہیں پائے گئے ۔ کیونکہ ان حضرات میں کوئی ایسا نہیں جس کے ہاتھوں سے نیکی کے سوا کبھی ظلم ہوا ہو ۔ زبان نے سچ کے سوا کبھی جھوٹ نہ بولا ہو ۔ دل استقامت کے سوا کسی کی طرف مائل نہ ہوا ہو ۔ اور پیٹ اور فرج نے حلال کے سوا کبھی حرام کو اختیار ہی نہ کیا ہو ۔

سب باتوں کو جانے دیجئے جو لوگ حضرت پر ایمان لائے وہ حالت کفر میں برابر جھوٹ بولتے رہے یعنی غیر خدا کو خدا کہتے رہے ۔ کیا یہی جرم ان کے لئے کچھ کم تھا ۔ جو پہلے جھوٹ بول سکتے تھے وہ بعد میں بھی بول سکتے تھے ۔

تفسیر صافی و تفسیر عیاشی میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ۔ راسخون فی العلم ہم ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے افضل ہیں ۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر اس چیز کی تاویل تعلیم فرمادی جو آپ پر نازل کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کوئی چیز آپ پر نازل نہیں کرتا تھا مگر یہ کہ اس کی تاویل کا علم آپ کو دے دیتا تھا ۔ آپ کے بعد آپ کے کل اوصیا راسخون فی العلم ہیں ۔

---

(۴۴) اسلام اللہ کا دین ہے

پ۳ آل عمران :- ان الدین عند اللہ الاسلام ۔ دنیا میں بیشمار ادیان پائے جاتے ہیں ان میں سے بعض مر گئے ۔ بعض نیم مردہ ہیں ۔ بعض چل رہے ہیں جو ادیان اس وقت اقوام عالم میں

Marfat.com

پائے جاتے ہیں ان میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔

بدھ مت۔ ہندو دھرم۔ آتش پرست۔ یہودی۔ عیسائی اور اسلام۔

خدا نے صرف اسلام ہی کو اپنا دین کہا ہے اس کے سوا کوئی دین اس کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ جن ادیان کے اصول میں توحید داخل نہیں ان کا دعویٰ خدا پرستی غلط ہے۔ جب خدا کا شریک کسی کو بنا کر عبادت کی گئی تو خدائے واحد و یکتا اس عبادت کو کیسے قبول کر سکتا ہے تمام ادیان میں صرف اسلام ہی ایسا دین ہے جس میں نری کھری خدا ہی کی عبادت کی جاتی ہے اور کسی غیر کو خواہ نورانی ہو یا ظلمانی تحتی ہو یا فوقی۔ ارضی ہو یا سماوی۔ روحانی ہو یا مادی۔ اس کا شریک نہیں بنایا۔ لا الٰہ الا اللہ کے ہم معنی کسی دین میں کوئی کلمہ اس دین کے ماننے والوں کے ورد زبان نہیں رہتا۔

جب اس تمام کائنات کا خالق، مدبر، منتظم ایک ہی ہے تو اس کا دینی و دنیوی قانون بھی ایک ہی ہونا چاہیئے اگر یہ کہا جائے کہ تمام ادیان خدا ہی کی پرستش کرتے ہیں چاہے الفاظ ان کے کچھ ہوں یا عبادت کے طریقے مختلف ہوں لیکن ذکر تو سب خدا ہی کا کرتے ہیں اگر کسی دائرہ کا مرکز ہے تو دائرہ کے تمام خطوط اسی مرکز کی طرف جاتے ہیں چاہے وہ کسی طرف سے کھینچے جائیں لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اسلام کے سوا تمام ادیان جن خدا کی پرستش کرتے ہیں ان میں مخلوق کے صفات پائے جاتے ہیں لہٰذا وہ خدا کی پرستش نہیں بلکہ مخلوق کی پرستش ہے۔ خدا کی ذات تو کسی مخلوق جیسی ہے ہی نہیں وہ مخلوق کی تمام صفات سے منزہ و مبرا ہے۔ مخلوق میں کوئی شے اس کی مثل نہیں ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے [illegible] علم الاصنام [illegible] کرتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجئے

۱۔ یونانی ایسے خدا کی پرستش کرتے تھے جو [illegible] تھا اور [illegible] انسانوں سے [illegible] تھا۔ پس ایسے خدا کی عبادت کرنے والے خدا کی نہیں مخلوق کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ جب خدا ان صفات سے منزہ ہے تو یہ اس کی عبادت کہاں ہوئی۔

(۲) ہندو دھرم کہتا ہے کہ خدا رام کرشن اور سیتا کے بھیس میں آیا یعنی مخلوق کے روپ میں اپنے بندوں پر ظاہر ہوا۔ ایسا خدا قابل پرستش نہیں کیونکہ وہ محتاج الی الغیر ہو گیا کیونکہ اس کو اپنی قدرت کا کمال دکھانے میں ایک جسم کی ضرورت ہوئی اور جسم کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب چیزیں اس سے ملحق ہوئیں وہ ان سب کا محتاج ہوا یعنی پیشاب پاخانے کا۔ ازدواج کا۔ مکان و مکانیات کا۔ پس جو ذات ہزار چیزوں کی محتاج ہو وہ خالق کائنات نہیں ہو سکتی۔

(۳) آتش پرست خدا کے ساتھ کائنات کے بنانے بگاڑنے میں اہرمن کو بھی شریک قرار دیتے ہیں۔ پس جب نیکی و بدی کے خالق جدا جدا ہوئے تو لامحالہ ایک دوسرے کی ضد ہونے کی وجہ سے ان میں جھگڑا ہونا لازم ان میں سے جو کوئی مغلوب ہو گا وہ خدا نہیں جا سکتا۔

(۴) یہودی کہتے ہیں ہم خدا کی اولاد ہیں اور اس کے رشتہ دار ہیں۔ یہ دونوں باتیں وہی ہیں جو مخلوق کی ہوتی ہیں۔ انہوں نے توریت میں تحریف کر کے یہ لکھ مارا ہے کہ ایک رات خدا یعقوب سے رات بھر کشتی لڑتا رہا۔ کیا یہ مخلوق کی شان نہیں۔ کشتی لڑنے والے کا جسم ضرور ہونا چاہیئے اور جس کا جسم ہے وہ ہزار چیزوں کا محتاج ہے لہٰذا محتاج خدا نہیں ہو سکتا۔

(۵) عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا روح القدس اور مسیح انہی ذاتوں کا نام خدا ہے جب تین مل کر ایک ہوئے تو ان میں ہر ایک اپنے شریک کا محتاج ہو گیا۔ اگر یہ تینوں قدیم ہیں تو ان کو مل کر کام کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اور اگر دو حادث اور ایک قدیم ہے تو حادث اور قدیم کا امتزاج کیسے ہوا۔

غرض جتنے ادیان ہیں وہ سب خدا کی نہیں بلکہ مخلوق کی عبادت کرتے ہیں۔ نام اس کا خدا رکھ لیا ہے۔ پس ایسے ادیان خدا کا دین کیسے کہلائے جا سکتے ہیں اور خدا ایسی عبادت کو کیوں کر قبول کر سکتا ہے جس میں اس کا دوسرا بھی شریک ہو اور ایسا شریک جو اس کی مخلوق

اسلام کا سب سے پہلا اصول خدا کی توحید ہے اس کا پہلا کلمہ لا الہ الا اللہ ہے و کسی کو عبادت میں خدا کا شریک قرار نہیں دیتا اور مسلمان اس ذات کو اپنا معبود مانتے ہیں

Marfat.com

جس میں مخلوق کی کوئی صفت پائی ہی نہیں جاتی ۔ امیر المومنین علیہ السلام نے دعائے صباح میں فرمایا ہے

یا من دلّ علی ذاتہ بذاتہ وتنزّہ عن مجانسۃ مخلوقاتہ

اے وہ ذات جو اپنی ذات پر خود ہی دلیل ہے اور مخلوقات کی مشابہت سے بالکل الگ ہے۔

اسلام کے سوا چونکہ دیگر ادیان میں بہت سے ایسے احکام پائے جاتے ہیں جو غیر فطری ہیں اور وہ [illegible] نہیں کہے جا سکتے ۔ چند مثالیں :-

(۱) انسانی فطرت اپنے سے کمتر و پست ذات کی تعظیم بجا نہیں لاتا لیکن بتوں کی پوجا کرنا جن کو انسان نے خود گھڑ کر بنایا ہے اور جو اس ذات جیسی غیر جنس سے ہیں ۔ یہ اشرف المخلوقات کے لئے ان کی عبادت کرنا خلاف فطرت ہے ۔

(۲) انسانی فطرت یہ ہے کہ انسان کے سینہ میں ایک دل ہے دو نہیں اگر دو ہوتے تو ایک دل [illegible] ہوتا ۔ یہ خیال خدا کے سوا اوروں کو بھی خدا ماننا ہے وہ فطرت کے خلاف ہے ۔

(۳) تمام ادیان میں عبادت کا اعلان [illegible] کی بات ہے [illegible] عبادت کا اعلان [illegible] اس کے اعلان سے [illegible] فطرت [illegible] اعلان سے یا عبادت کا برخلاف اس کے اسلام میں نماز کا اعلان [illegible] سے اور حی علی الصلوٰۃ [illegible] نماز کے لئے [illegible]

(۴) [illegible]

[illegible]

(۵) [illegible]

(۶) [illegible]

[illegible]

[illegible]

رہنے والا پس جو ترک دنیا کرتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنی فطرت پر ظلم کرتا ہے بلکہ دوسروں پر بھی۔

۷۔ سادھو سنیاسی جو مادر زاد برہنہ رہ کر عبادت کرتے ہیں ان کا یہ عمل غیر فطری ہے۔

۸۔ عورتوں کا ستی ہونا غیر فطری ہے۔

۹۔ نیوگ کا مسئلہ غیر فطری ہے۔

۱۰۔ اصطباغ یعنی بپتسمہ کے بعد کسی کو سچا عیسائی کہنا غیر فطری ہے کیونکہ نہانے سے روحانی کیفیات پر اثر نہیں پڑتا۔

چند باتیں ہم نے بطور نمونہ لکھ دی ہیں ورنہ ایسے بہت سے احکام معاشرتی، تمدنی اور اخلاقی پائے جاتے ہیں جو فطرت انسانی پر بار ہوتے ہیں۔ پس خالق فطرت ایسے احکام کیوں کر دے سکتا ہے جن کو فطرت انسانی برداشت نہ کر سکے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فطری دین کو دین قیم یعنی مضبوط اور صحیح دین بتایا ہے۔ فرماتا ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ

(۴۵) تقیہ

پ۳ آل عمران ع ۳: لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ

(مومنین مومنین کو چھوڑ کے کافروں کو اپنا سرپرست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو خدا سے اس کا کچھ سروکار نہیں مگر اس قسم کی تدبیروں سے کہ کسی طرح ان کے شر سے بچنا چاہو تو خیر اور خدا تم کو اپنے ہی سے ڈراتا ہے اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے)

سر سید احمد خاں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"کافروں سے اس لئے دوستی و محبت کرنی کہ ان کا دین اچھا ہے منع نہیں بلکہ کفر ہے

[illegible] علاوہ اور قسم کی دوستی ممنوع نہیں۔ یہ تخصیص خود اس آیت سے ظاہر ہے کیونکہ اس میں [illegible] ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیء۔ جس سے ان دوستی کرنے والے [illegible] ہو نہیں سکتا جب تک وہ محبت منجر بکفر نہ ہو۔ سرسید نے سب [illegible] کہ وہ مشرکین کسی مسلمان کی جان کے لیوا بن جائیں اور بغیر کلمہ [illegible] وقت وہ کیا کرے۔ چونکہ تقیہ ان کے مذہب میں نہیں [illegible]

[illegible] کے پنجے میں پھنس جاتے تھے تو ان کو سخت سے سخت [illegible] بتوں کی خدائی کا اقرار کرکے اسلام کے عقائد [illegible] کچھ گناہ نہیں۔ کیونکہ ظاہری یا باطنی دونوں [illegible] گئے ہے۔ جہاں کافروں کے عذاب [illegible] مطمئن بالایمان [illegible] یعنی [illegible] ایمان پر مطمئن ہے تو ان کو کچھ عذاب نہ ہوگا [illegible]

[illegible]

[illegible]

کافروں سے دوستی تین طرح کی ہوتی ہے ایک [illegible] اور ان کے کفر کے سبب ان سے دوستی رکھتا ہو ایسی دوستی ممنوع بلکہ کفر ہے [illegible] دنیوی امور کے سبب ظاہر اچھا میل جول ہو یہ ممنوع نہیں تیسرے یہ کہ کافروں کے ساتھ میل جول کرنا اور ان کی اعانت اور نصرت بہ سبب قرابت کے اس اعتقاد کے ساتھ کرنا کہ ان کا مذہب باطل ہے ممنوع ہے مگر کفر نہیں

سر سید احمد خاں اور امام فخرالدین رازی نے بھی صاف صاف لکھا ہے کہ اگر کفار سے ضرر کا اندیشہ ہو تو کلمہ کفر کہہ دینا چاہیے۔ لیکن شیعہ اگر تقیہ ثابت کرتے ہیں تو ان کو سخت ملامت کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ شیعوں میں جھوٹ بولنا جائز ہے۔ حالانکہ رسول اللہ نے تقیہ کا حکم دیا ہے۔ جناب عمار یاسر رضی اللہ عنہ کو جب کفار نے زیادہ ستایا اور قتل کی دھمکی دی اور کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا تو انہوں نے کہہ دیا لوگوں نے رسول اللہ کو خبر دی کہ عمار کافر ہو گئے۔ جب عمار روتے ہوئے آئے تو حضرت نے فرمایا تم کافر نہیں ہوئے اگر پھر کبھی ایسا اتفاق ہو تو پھر کہہ دینا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ تقیہ میرا اور میرے اباواجداد کا دین ہے۔

مومن آل فرعون کے ذکر میں ہے۔ یکتُمُ ایمانَہٗ وہ اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ یعنی فرعون کے خوف سے کسی پر یہ ظاہر نہیں کرتے تھے کہ میں موسیٰ پر ایمان لایا ہوں تقیہ کی ایک صورت تو یہ ہے یعنی اپنے مافی الضمیر کو ایسے الفاظ میں ادا کرنا کہ دشمن خوش ہو جائے اور ایمان پر آنچ نہ آنے۔ مثلاً جب لوگوں نے مومن آل فرعون کے متعلق فرعون کو یہ خبر دی کہ وہ تجھے رب نہیں مانتے تو اس نے خشمناک ہو کر ان کو بلایا اور کہنے لگا۔ اے حزقیل کیا تو میری خدائی کا قائل نہیں اگر تو میرے سوا کسی اور خدا پر ایمان لایا ہے تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔

حزقیل نے مجمع سے مخاطب ہو کر کہا تم سب سن لو جو تم سب کا خدا ہے وہی میرا خدا ہے۔ جو تم سب کا رب ہے وہی میرا رب ہے۔ جو تم سب کا خالق ہے وہی میرا خالق ہے۔

فرعون یہ سن کر خوش ہو گیا اور ان کی جان بچ گئی۔ مطلب یہ تھا کہ فرعون نہ کسی کا رب ہے نہ خالق۔ بلکہ جو اصلی رب ان کا ہے وہی میرا ہے جو اصلی خدا ان کا ہے وہی میرا ہے۔

یا مثلاً معاویہ نے عقیل سے کہا کہ تم برسر منبر علی پر لعن کرو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ انہوں نے برسر منبر کہا۔ اَمَرَنِی مُعَاوِیَۃُ نَلْعَنُ عَلِیّاً فَالْعَنُوْہُ معاویہ نے مجھے علی پر لعن کرنے کا حکم دیا ہے پس تم سب اس پر لعن کرو (یعنی معاویہ پر) فالعنوہ کی ضمیر دونوں طرف جا سکتی ہے۔ پس مراد ان کی تھی۔ معاویہ پر لعن کرنا اور وہ سمجھا علی پر لعن کرنے کو کہہ رہے ہیں۔

Marfat.com

وقت ضرورت تقیہ سب کرتے ہیں لیکن شیعوں کا تقیہ سلطانوں کو ان سے [illegible]
کہ اس کے ذریعہ سے لاکھوں شیعوں کی جانیں بچ گئیں۔ سلاطین امیہ و عباسیہ کے دور
سلطنت میں شیعان علی پر ایسے سخت وقت آئے کہ ان [illegible] سے [illegible]
اس تقیہ کی بدولت ہزارہا شیعوں کی جانیں بچ گئیں۔ اپنے گوشے [illegible]
اپنی جانیں بچائے رکھتے تھے اور جب موقع ملتا فقراء اور [illegible] تحملوں کی
سے نکل جاتے۔ اسی تقیہ کی حالت میں وہ ہندوستان میں سالہا سال [illegible]
کرتے رہے [illegible] خاموشی کے ساتھ محبت اہلبیت [illegible]
سے [illegible] لوگوں کو موافق بنا دیا۔ تقیہ کا سب سے [illegible]
پس پردہ [illegible] پایا جائے یہ ظاہری تبلیغ سے زیادہ موثر ہوتا ہے

۳۴۔ آل عمران سے کون مراد ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible] نوح [illegible] اولاد [illegible] آل عمران [illegible]

[illegible] دیا ہے)

[illegible] رسول [illegible] آل ابراہیم [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

خصوصیت سے آدم و نوح اور آل ابراہیم و آل عمران کا ذکر کیوں کیا گیا۔ ضرور اس میں کوئی راز ہے اور کوئی ایسی خصوصیت ہے کہ دوسروں میں نہیں پائی جاتی۔

(۱) آدم کو تمام انبیاء کے مقابل یہ خصوصیت حاصل ہے کہ نسل انسانی کا آغاز ان سے ہوا۔ چونکہ خدا نے اس کے لیے انہی کو انتخاب کیا۔ لہٰذا اس انتخاب میں جو فضیلت ان کو حاصل ہے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) نوح علیہ السلام کا اصطفا یہ خصوصی اس جہت سے ہے کہ طوفان کے بعد دنیا میں دوبارہ آبادی انہی کی نسل سے ہوئی اس لیے ان کو آدم ثانی کہتے ہیں۔ اور یہ کہ شریعت کا آغاز انہی سے ہوا۔

(۳) آل ابراہیم کا انتخاب اس جہت سے ہوا کہ کتاب و حکمت اور ملک عظیم کے وہ مالک ہوئے۔ ارشاد ہے فقد آتینا آل ابراہیم الکتاب والحکمۃ و آتیناھم ملکاً عظیما۔ ہم نے اولاد ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا کی اور ملک عظیم کا مالک بنایا۔

(۴) آل عمران کے متعلق مفسرین میں اختلاف ہے۔ تمام مفسرین اہلسنت نے آل عمران سے حضرت موسیٰ کو لیا ہے کیونکہ ان کے والد کا نام عمران تھا لیکن اس اصطفا کی خصوصیت کا ذکر کوئی نہیں کرتا اگر کہا جائے کہ حضرت موسیٰ کو توریت دی گئی تھی تو اولاد ابراہیم میں داخل ہونے کی وجہ سے وہ اس خصوصیت کے مالک تھے علیحدہ سے ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کوئی ایسی خصوصیت بتائی جائے۔ جو آل ابراہیم میں ان کو ممتاز کرتی ہو۔

شیعہ مفسرین نے لکھا ہے کہ آل عمران سے مراد اولاد ابوطالب ہے کیونکہ ابوطالب کا نام عمران ہے ابوطالب کنیت ہے۔ ان کو تمام برگزیدگان باری کے مقابل یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان کا ایک وجود قیامت تک دنیا میں باقی رہے گا اور وہ آخری کتاب خدا قرآن کے ساتھ قیامت تک رہیں گے جیسا کہ حدیث ثقلین سے واضح ہے آل ابراہیم میں سوائے آل عمران اور کسی کو یہ خصوصیت نصیب نہیں۔ اسی لئے کتاب خدا میں انکے اصطفا کا خاص

Marfat.com

طور سے ذکر ہے ۔

(۴۷) مریم کے لئے خدا کی طرف سے رزق آنا

پ۳ آل عمران ع ۴ : کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا قَالَ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۔

(جب کسی وقت ذکریا مریم کے پاس عبادت کے کمرہ میں جاتے تو ان کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کو موجود پاتے تو پوچھتے اے مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آیا وہ کہہ دیتی تھیں کہ یہ خدا کے یہاں سے آیا ہے ۔ بیشک خدا جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے)

سر سید احمد خاں جو معجزات کے قائل نہیں اپنی تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں [illegible] عجیب بات نہ تھی بلکہ یہ کھانا وہی تھا جو لوگ عابدوں اور زاہدوں کے لئے [illegible] کرتے [illegible] مریم کا یہ کہنا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اس معنی پر ہے کہ اللہ رازق ہے وہ [illegible] بھجوا دیتا ہے ۔ ہمارے نزدیک [illegible] صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(۴) رفع اشتباہ کے لئے جناب مریم کو کہنا چاہیے تھا کہ لوگوں کی طرف سے آیا ہے۔ اللہ کی طرف اس کو نسبت دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ غیر معمولی کھانا تھا۔

(۵) مریم کی کفالت حضرت زکریا نے اپنے ذمہ لی تھی وہی دونو وقت حجرہ کھول کر کھانا دے جایا کرتے تھے اور اس کا علم تمام رہبانوں کو تھا۔ پھر کسی دوسرے کو یہ جرأت کیوں ہوئی کہ وہ حضرت مریم کے پاس تنہائی میں آتے اور کھانا دے جاتے۔

(۶) اگر شخص غیر کھانا لاتا تو حضرت مریم ضرور اس کھانے کو لینے سے گریز کرتیں اور اس کے اوپر خفا ہوتیں کہ وہ یہاں کیوں آیا۔ چنانچہ جب فرشتہ بشکل انسان آیا تھا تو انہوں نے اپنی ناراضی کا اظہار کیا اور اس سے پناہ مانگی تھی۔

(۷) جناب مریم کو یہ واقعہ جناب زکریا سے بیان کر دینا چاہیے تھا۔

(۸) کلما دخل علیہا زکریا المحراب وجد عندھا رزقا یعنی حضرت زکریا جب بھی مریم کے پاس آتے کھانا موجود پاتے۔ یہ ایک دوبار کی بات نہ تھی بلکہ جب بھی آتے ایسا ہی دیکھتے۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ راہبوں کا بھیجا ہوا تھا۔ بنی اسرائیل کی عورتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت جناب مریم کو عطا کی تھی اور بنی اسمٰعیل میں جناب فاطمہ زہراؑ کو ان کے لئے بھی کھانا خدا کی طرف سے آیا تھا۔

---

(۴۸) حضرت مریم کا دوہرا اصطفا

پ۳ آل عمران ع ۵: - واذ قالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ اصطفاک وطہرک واصطفاک علی نساء العالمین

(جب ملائکہ نے کہا اے مریم تم کو خدا نے برگزیدہ کیا ہے اور (تمام گناہوں برائیوں سے) پاک صاف رکھا ہے اور سارے جہان کی عورتوں سے تم کو منتخب کیا ہے)

اس آیت میں حضرت مریم کا اصطفا دوبار ہوا ہے ایک انتخاب اس بنا پر ہے کہ بغیر شوہر

ان کو بیٹی دیا گیا۔ دوسرا انتخاب اس بنا پر ہے کہ با وجود عورت ہونے کے بیت المقدس کی خدمت کے لئے ان کا انتخاب کیا اور سارے جہان پر ان کو فضیلت دی اور ان کو تمام مادی اور اخلاقی برائیوں سے محفوظ رکھا اور انتخاب میں آنے کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بیت المقدس کی خدمت مردوں سے مخصوص ہوتی تھی۔ مریم سب سے پہلی عورت ہیں جن کو خدمت بیت المقدس کے لئے انتخاب کیا گیا۔

۴۵۔ حضرت مریم کو کسی بشر کا مس نہ کرنا

پ آل عمران ع ۵:۔ قَالَتْ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ

(مریم نے کہا اے میرے رب میرے لڑکا کیسے پیدا ہوگا۔ مجھ کو کسی مرد نے مس نہیں کیا)

اگر مس کے معنی چھونا لیا جائے تو حضرت مریم کا یہ فرمانا صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کی دائی اور دیگر رشتہ داروں نے ضرور چھوا ہوگا ان کو۔ لیکن آیت [illegible] نہیں ہو سکتی لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں مس کے معنی چھونے کے نہیں ہیں بلکہ تعلق کے ہیں [illegible] کا تعلق نہیں ہوا۔ اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: [illegible] الْمُطَهَّرُونَ۔ یہ قرآن کریم ایسی [illegible] کتاب کے [illegible] ہے [illegible] [illegible] کتاب [illegible] ان سے مراد [illegible] یا [illegible] ہے کوئی [illegible] تعلق نہیں [illegible] معصوم [illegible]

[illegible] مادہ [illegible] یہ بات [illegible] کسی [illegible] سے [illegible] کوئی تعلق نہیں

۵۰) حضرت عیسیٰ کا بے باپ کے پیدا ہونا

جو لوگ معجزات انبیاء کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ فطری دین ہے لیکن حضرت عیسےٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا تو خلاف فطرت ہے انسانی فطرت تو یہی ہے کہ ماں باپ دونو کا نطفہ جب ملے تب بچہ پیدا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کے احکام فطری ہیں اور بے باپ کے بچہ کا پیدا ہونا تکوینی ہے تشریعی نہیں ہے۔ قدرت الٰہیہ سے متعلق ہے۔ خدا قادر مطلق ہے وہ کسی امر میں مجبور نہیں جس نے آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اس کے نزدیک بے باپ کے پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

سرسید احمد خاں صاحب اس کے قائل نہیں کہ حضرت عیسےٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے وہ توریت وغیرہ کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت مریم کی منگنی یوسف نامی ایک شخص سے ہوئی تھی۔ اسی سے حضرت عیسےٰ پیدا ہوئے۔ سید صاحب قول خدا پر یہودیوں کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ کہتے ہیں چونکہ یہودیوں میں قاعدہ تھا کہ صرف منگنی ہوجانے پر زن ومرد آپس میں ملتے نہیں تھے جب تک شادی نہ ہو۔ چونکہ مریم اور یوسف کا اتصال شادی سے پہلے ہوگیا لہٰذا اس بنا پر یہودیوں نے مریم کو مجرم قرار دیا۔ یہ تو رہا یہودیوں کا مظنّہ۔ اب قرآن کی سنیئے :۔

(۱) جب فرشتہ نے بشارت فرزندی تو مریم نے فرمایا۔ مجھے تو کسی بشر نے مس ہی نہیں کیا پھر لڑکا کیسا۔ فرشتہ نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ خدا کے نزدیک یہ آسان ہے اگر یوسف سے اتصال ہوگیا تھا تو مریم پارسا کا یہ کہنا غلط ہوا۔

(۲) فرشتہ کا یہ قول خدا بیان کرنا هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ۔ یہ میرے اوپر آسان ہے کیا معنیٰ رکھتا ہے۔

(۳) فوراً آثار حمل نمودار ہوجانا کیسا۔

(۴۹) جب مریم حجرہ سے نکلی تو زلیخا یوسف کے گھر جانا اور اس سے اتصال کیا۔

(۵۰) اگر حضرت عیسیٰ عالم امری کی مخلوق نہ تھے اور ان کی ولادت معمولی تھی تو خوش بادر میں ان کا کلام کرنا کیسا اور اپنی ماں پر سے تہمت کا ہٹانا کیسا۔

(۵۱) اگر یہودیوں کا طعنہ دینا اور یہ کہنا: یا اخت ھارون ما کان ابوک امرء سوء وما کانت امک بغیا یعنی زنا زادہ تھا تو صحیح تھا تو خدا نے معاذ اللہ زنا زادہ کو کلمۃ اللہ اور روح اور رسالت سے مخصوص کیوں کیا۔

(۵۱) حضرت عیسیٰ کے معجزات

پ آل عمران ع ۵ ۔ انی قد جئتکم بآیۃ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللہ وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم ان فی ذلک لآیۃ لکم ان کنتم مؤمنین

میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے اپنی نبوت کی نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں تمہارے لئے مٹی سے ایک پرندے کی صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ باذن الٰہی اڑنے والا ہو جاتا ہے اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور جو کچھ تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو وہ بتا دیتا ہوں [illegible] ان باتوں میں [illegible] ایمان کی نشانی ہے۔

[illegible]

[illegible] حضرت عیسیٰ [illegible] باذن اللہ [illegible]

ہوا کہ وہ خدا نہیں بلکہ خدا کوئی اور ہے جس کے اذن سے پرندہ بنا کر اڑا سکتے ہیں بیمار
کو اچھا کر سکتے ہیں۔ مردہ کو جلا سکتے ہیں۔ گھر کے اندر کی چیزوں کو بتا سکتے ہیں۔ لیکن
باختیار خود نہیں بلکہ اللہ کی اجازت سے اس کے حکم سے اگر وہ خدا یا خدا کا جزء ہوتے تو باذن
اللہ نہ کہتے۔ جو شخص خدا کے اذن اور مدد کا محتاج ہے وہ خود خدا کیسے ہو جائے گا۔

یہ معجزات حضرت عیسےٰ کو اس لئے دیے گئے کہ اس زمانہ میں بعض اطباء نے امراض کے
علاج میں کمال حاصل کیا تھا۔ اگر حضرت عیسےٰ کو مذکورہ بالا معجزات نہ دیے جاتے تو وہ آپ
کی نبوت ہرگز تسلیم نہ کرتے۔ وہ تو صرف مریضوں ہی کا علاج کرتے تھے۔ حضرت کو اللہ نے
مردہ جِلانے کا معجزہ بھی دے دیا۔ وہ تو معمولی بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔ آپ کو بدترین
امراض کوڑھ اور برص کے علاج پر بھی قابو دے دیا۔ اس زمانہ میں کچھ کاہن تھے جو پس پردہ
چیزوں کو بیان کیا کرتے تھے۔ لہٰذا آپ کی نگاہوں کے سامنے سے حجاب بھی اٹھا دیئے
تاکہ ہر گھر کے اندر کی چیز کو دیکھ سکوں۔

سرسید کا یہ کہنا کہ یہ امور واقع نہیں آئے بلکہ حضرت عیسےٰ نے لوگوں پر یہ ظاہر کیا
میرے خدا میں یہ قدرت ہے کہ وہ چاہے تو مجھ سے یہ کام کرا سکتا ہے۔

یہ سید صاحب نے کیسی عجیب بات کہی اگر یہ صرف زبانی جمع خرچ ہوتا تو ان کی نبوت
نشانی قرار نہ پاتی حالانکہ خدا اس کو نشانی قرار دے رہا ہے ایسا اگر انہوں نے کیا ہوتا تو
لوگ ان سے یہ کہتے کہ ذرا کر کے دکھاؤ ورنہ ہم ایمان نہ لائیں گے اس کا مطلب ہے اگر وہ
دکھاتے تو ان کی نبوت باطل ہو جاتی۔

(۵۲) خدا کا مکر کیا ہے۔

پ۳ آل عمران ع ۱۶۔ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ۔ یہودیوں نے دھوکے

مکاری کی اور خدا نے اس کے دفعیہ کی تدبیر کی اور خدا سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

یہودی چونکہ نہایت شریر الطبع تھے اس لئے حضرت عیسےٰ کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ ایک روز حضرت عیسےٰ کو ایک مکان میں قید کر دیا اور صبح کو پھانسی دینے کے لئے آ موجود ہوئے ان کا سردار جس کا نام یہودا تھا آپ کو گرفتار کرنے کے لئے اندر گھسا خدا نے اس کو حضرت عیسیٰ کی شکل بنا دیا اور حضرت عیسےٰ کو خدا نے آسمان پر [illegible] حضرت عیسےٰ کو کہیں نہ پا کر یہودا باہر نکلا تو اس کے ساتھیوں نے اسے پکڑ [illegible] دیا [illegible] انہوں نے مکاری کی تھی [illegible] کے کلام اور قول کے لحاظ سے [illegible] الفاظ [illegible] ایسے جتنے الفاظ قرآن میں [illegible] صفات انسانی سے [illegible] ان سب کی تاویل کرنا ضروری ہے کہ انسان کی صفت سے [illegible] کا کیا تعلق لہٰذا ان کی تاویل [illegible]

(۵۳) حضرت عیسیٰ کی مثال آدم جیسی ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کی شکل ہے اور نصاریٰ کی تشفی اس طرح کر دی کہ اگر وہ عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اس وجہ ...
... ان کا کوئی باپ نہ تھا تو آدم کے ماں اور باپ دونوں نہ تھے وہ عیسے سے زیادہ ...
... کہلانے کے ۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب عیسے آدم کی طرح مٹی سے پیدا ...
... اللہ اور کلمۃ اللہ کیوں کہا جاتا ہے جب رحم مریم ... مادی ...
لیے مان لیا جاتا ہے کہ وہ مادی انسان تھے ۔

جواب یہ ہے کہ ان میں وہ سب باتیں پائی جاتی تھیں جو مادی انسانوں میں ...
مثلاً وہ کھاتے پیتے تھے چلتے پھرتے تھے اور ان سب ضرورتوں کو پورا کرتے تھے ...
... جو پیدا ہونے والے انسان کو لاحق ہوتی ہیں اب رہا ان کا روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونا تو اس کا تعلق ...
روحانی فضائل و کمالات سے ہے نہ کہ وجود مادی سے تمام انبیا کو جو خطابات دیئے گئے ہیں وہ ان کے ...
سے تعلق رکھتے ہیں بعض انبیا کو جو بعض پر فضیلت دی گئی ہے وہ ان کے روحانی کمالات
کی بنا پر ہے ورنہ بلحاظ وجود بشری وہ سب برابر تھے ۔

اب رہا کسی مرد کے نطفہ کا رحم مریم میں نہ جانا اور اس کا ترقی کے منازل طے کر کے ...
بننا تو یہ امور متعلق ہیں ان لوگوں سے جو عالم خلق سے تعلق رکھتے ہیں لیکن جن کا تعلق عالم امر سے ہے
وہاں یہ درجات ترقی بطن مادر میں نہیں ہوتے جب کہ آیہ مذکورہ کے آخر میں ہے
یعنی اس سے کہا ہو جا پس وہ ہو گیا پس اس کے حکم کے
مطابق وہ مادی وجود میں آ گیا ۔

---

(۵۴) مباہلہ

پ۳ آل عمران ع ۶ ۔ فَمَنْ حَاجَّكَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ
أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ

Marfat.com

لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

پس اس کے بعد کہ تمہارے پاس علم قرآن آ چکا اگر تم سے کوئی (نصرانی) عیسیٰ کے بارے میں حجت کرے تو کہو (کہ اچھا میدان میں آؤ) ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی جانوں کو بلائیں تم اپنی جانوں کو بلاؤ۔ اس کے بعد ہم سب خدا کی بارگاہ میں گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں)

اس آیت میں چند باتیں قابل غور ہیں:۔

(۱) مباہلہ میں حضرت نے ان چار ہستیوں کو اپنے ساتھ لیا جن سے سب کا تعلق ہی نہ تھا معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں صحیح معنی میں صادق صرف یہی چار ہستیاں رسول اللہ کے علاوہ تھیں۔

(۲) رسول اللہ نے ان چاروں سے کہہ دیا تھا کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت کو اس امر کا یقین تھا کہ جس طرح میری دعا قبول ہوگی اسی طرح ان کی آمین قبول ہوگی یعنی یہ لوگ مستجاب الدعوات ہیں۔

(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو لے جانے کا حکم دیا جو اسلام میں سب کے باعث ہدایت اور حجت خدا ہیں۔ بچوں کی ہدایت کے لئے بچے مردوں کی ہدایت کے لئے حضرت علی عورتوں کی ہدایت کے لئے خاتون جنت مردوں کی ہدایت کے لئے حضرت علی اور ان سب کے لئے خود آنحضرت یعنی آنحضرت پورا سامان ہدایت لے کر گئے کہ ان لوگوں کا ہر کام ہر حرکت اور ہر بات قابل ہدایت ہیں۔

(۴) آنحضرت نے اپنے ساتھ صرف انہی لوگوں کو لیا جو سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار تھے حضرت کے زیادہ قریبی رشتہ دار تھے ایک نسبی دوسرے روحانی نسبی رشتہ دار اور روحانی رشتہ دار اور یہاں ضرورت اسناد رسالت یا اسناد رسالت اور نفس رسالت کو دکھانے کی تھی اگر نسبی رشتہ دار ساتھ لے جا سکتے ہوتے تو حضور ازواج کو اپنے ساتھ لیتے

(۵) کہا جاتا ہے کہ انفسنا سے مراد خود نفس رسول ہے اگر ایسا تھا تو حضور نے خلاف منشأ الٰہی اپنے ساتھ حضرت علی کو کیوں لیا۔ یہ تو حکم خدا کی کھلی نافرمانی ہوئی۔ علاوہ بریں کوئی شخص اپنے نفس کو نہیں بلاتا کیونکہ جس کو بلایا جائے وہ بلانے والے سے الگ کوئی ذات ہونی چاہیئے۔

(۶) اس کا ثبوت جو لوگ حضرت کے ساتھ گئے تھے وہ سب کے سب مستجاب الدعوات تھے۔ معصوم تھے مقربان بارگاہ ایزدی تھے یہ ہے کہ نصارائے نجران کے لارڈ پادری نے ان کے چہروں پر ایک نظر ڈالتے ہی اپنی قوم سے کہہ دیا۔

یا قوم لا تباھلوھم انی لاری وجوھا لو سألوا اللہ ان یزیل الجبل لازالہ

اے قوم ان سے مباہلہ نہ کرنا بیشک میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ یہ اگر خدا سے یہ دعا کردیں کہ پہاڑ کو جگہ سے ہٹا دے تو وہ ضرور ہٹا دے گا۔

(۷) کس قدر عجیب بات ہے کہ نصاریٰ نے باوجود کافر ہونے کے ان مقربان ایزدی کی صورت دیکھتے ہی پہچان لیا اور نہ پہچانا تو مسلمانوں نے۔

(۸) صرف یہی ایک آیت قرآن مجید میں ایسی ہے جس میں دشمنان اہلبیت کوئی تاویل کرتے نہیں ہی کیونکہ اس کی کسی صورت کو غلط نہیں قرار دیا جاسکتا تھا اور ازواج کے داخلہ کی کوئی صورت ان میں نظر نہیں آتی ورنہ ضرور داخل کرلیا جاتا۔

مباہلہ میں تو ازواج کو داخل کرنا ممکن نہ ہوا لیکن آیت تطہیر کے مصداق میں توڑ جوڑ لگا کر ان مخدرات کو شامل ہی کرلیا گیا۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو رسول مباہلہ میں ضرور ان کو ساتھ لے کر جاتے لیکن جب ایسا نہ ہوا تو تطہیر کی چادر کا ایک کونہ بھی ان کے سروں پر نہ رہا۔

کہا جاتا ہے کہ آنحضرت کو بعض ازواج سے بہت زیادہ محبت تھی اگر یہ محبت ان کے روحانی فضائل اور نفسانی کمالات کی بنا پر ہوتی تو مباہلہ میں ان کو ضرور ساتھ لے جاتے۔

(۵۵) میثاق انبیاء

پ۳ آل عمران ع ۹ ۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ ۔

(وہ وقت یاد دلاؤ) جب خدا نے پیغمبروں سے اقرار لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت دوں اس کے بعد تمہارے پاس کوئی رسول آئے اور جو کتاب تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرے تو (دیکھو) ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی تصدیق کرنا خدا نے فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور ان باتوں پر جو ہم نے تم سے اقرار لیا ہے تم نے میرے عہد کا بوجھ اٹھایا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ ارشاد ہوا اچھا تو تم (اللہ کے قول و قرار کے) آپس میں ایک دوسرے کے گواہ رہنا اور تمہارے ساتھ میں بھی ایک گواہ ہوں)

مفسرین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ میثاق انبیاء سے حضرت رسول خدا کے متعلق لیا گیا تھا یا امتوں سے اپنے اپنے رسول کے متعلق پہلی تفسیر کی صورت یہ ہے کہ امتوں سے رسولوں کے متعلق اقرار لیا گیا۔ اس صورت میں نبیین سے پہلے امم کا لفظ محذوف ماننا پڑے گا یعنی یہ صورت ہوگی:۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ اُمَمِ النَّبِیّٖنَ اور اگر رسول کو مصداق حضرت رسول خدا کو مانا جائے تو آنحضرت کسی نبی کے زمانہ میں موجود نہ تھے اس صورت میں انبیاء کا آپ کی مدد کرنا کیسے ہو سکتا ہے۔

دوسری تفسیر کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں سے اقرار لیا ہے کہ کتاب و حکمت ملنے کے بعد یعنی تمام انبیاء کے ختم پر جو رسول آئے اور وہ تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتا آئے تو تم اس پر ایمان لانا۔ چنانچہ آنحضرت کی نبوت کا اقرار تمام انبیاء نے کیا اور تصدیق کے

آنے کی پیشگوئی کرتے چلے آئے ۔ حضرت عیسٰے نے تو نام تک بتا دیا ۔ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ یہ آنحضرت پر ایمان لانے ہی کی صورت ہے اب رہا ان کی مدد کرنا تو وہ نصرت روحانی ہے نہ جسمانی ۔ یعنی اپنی اپنی امتوں کو آنحضرت کے فضائل سے آگاہ کرنا اور ان کی محبت دلوں میں ڈالنا ۔ یہ کہنا غلط ہے کہ آنحضرت کسی نبی کے زمانے میں موجود نہ تھے ۔ بیشک بوجود مادی موجود نہ تھے لیکن بوجود نورانی ان کے ساتھ تھے اس کا ثبوت اس آیت سے ملتا ہے :- فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا اس وقت کیا ہوگا جب ہم ہر امت کو اس کے گواہ (نبی) کے ساتھ بلائیں گے اور اے رسول ان سب پر تم کو گواہ بنائیں گے) بغیر موجود ہوتے گواہی کیسی وہاں صورت یہ ہوگی کہ روز قیامت جب ہر نبی اپنی امت کو لے کر آئے گا تو نبی سے پوچھا جائیگا تم نے ہمارے احکام کی تبلیغ کی تھی وہ کہے گا کی تھی ۔ پھر امت سے پوچھا جائے گا کہ ہمارے نبی کے ذریعہ تم پر ہمارے احکام کی تبلیغ ہوئی تھی یا نہیں ۔ یعنی سوال دونوں سے ہوگا جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے :- فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ - (ہم پوچھیں گے ان سے جن کی طرف ہم نے رسولوں کو بھیجا تھا اور رسولوں سے بھی) پس اگر امت کے کچھ لوگ انکار کریں گے کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا اور ہم پر تیرے احکام کی تبلیغ نہیں ہوئی تو ایسی صورت میں اتمام حجت کی کیا شکل ہوگی ۔ اس وقت آنحضرت کی گواہی لی جائے گی اور آپ فرمائیں گے کہ اس امت کے نبی نے تبلیغ کی تھی ۔ امت جھوٹی ہے ۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ ہر نبی کے ساتھ آنحضرت بوجود نورانی موجود تھے چونکہ ہر نبی نے آپ کا تعارف کرایا گیا ہوگا لہٰذا وہ حضور کو پہچان لیں

(۵۸) یہودیوں پر اونٹ کا گوشت حرام نہ تھا

پ۴ آل عمران ع ۱۰ :- كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ

Marfat.com

علی نفسہ من قبل ان تنزل التوراۃ قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین

(توریت نازل ہونے سے قبل یعقوب نے جو چیزیں اپنے اوپر حرام کرلی تھیں ان کے سوا بنی اسرائیل کے لئے سب کھانے حلال تھے اے رسول یہودیوں سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو توریت کو لے آؤ اور اس کو ہمارے سامنے پڑھو)

یہودی آل ابراہیم (نبی) پر بڑا فخر کرتے تھے مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے رہتے تھے کہ تم دین ابراہیم پر نہیں ہو اس پر ہونے کا فخر ہم کو حاصل ہے اس کے ثبوت میں بڑے غور و خوض کے بعد مسلمانوں پر دو اعتراض کئے اول یہ کہ اونٹ کا گوشت تم برابر کھاتے ہو۔ حالانکہ دین ابراہیم میں حرام ہے۔ چنانچہ یعقوب نہیں کھاتے تھے۔ دوسرے تمام انبیاء بیت المقدس کی طرف سجدہ کرتے آئے ہیں تم نے اپنا قبلہ الگ بنا لیا ہے ان دونو باتوں کا ناقابل تردید جواب خدا نے ان آیات میں دیا ہے۔ پہلے اعتراض کا یوں کہ اونٹ کا گوشت کبھی حرام نہ تھا بلکہ ابراہیم کے بہت دنوں بعد یعقوب نے ایک بیماری کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا تھا ان کی دیکھا دیکھی ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا دوسرے کا یوں کہ خانہ کعبہ خود ابراہیم کا بنایا ہوا ہے پھر تم کو مسلمانوں کی تقلید کرنی چاہیے نہ کہ الٹا ان پر اعتراض کرنا۔

یہودی علماء و احبار کہلاتے تھے توریت میں تحریف کرتے تھے کوئی [illegible] ان کے پاس آتی تھی وہ اپنے مقصد کے موافق جو چاہتے تھے کہہ دیتے [illegible] خدا کا علم نہیں ہے قرآن نے ان کی پول کھول دی چنانچہ آیہ [illegible] بے ایمانی ظاہر ہوتی ہے توریت میں اونٹ کی حرمت سے متعلق کوئی حکم نہ تھا [illegible] توریت کو لا کر ہمارے سامنے پڑھو

[illegible]

[illegible]

(۵۷) خانہ کعبہ سراپا ہدایت ہے

پ آل عمران ع ۱۰۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ
(لوگوں کی عبادت کے لئے جو گھر سب سے پہلے بنایا گیا وہ یہی (کعبہ) ہے جو مکہ
میں بڑی خیر و برکت والا اور سارے جہان کے لوگوں کا رہنما ہے)

چونکہ خانہ کعبہ حضرت خلیل اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ یقیناً باعث خیر و برکت ہے اور مرکز ہدایت ہے لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ وہ عالمین کے لئے باعث ہدایت کیونکر ہے اگر ایسا ہوتا تو جو لوگ حج کرتے اور عمرہ بجالاتے یا اس کی زیارت سے شرف اندوز ہوتے وہ سب ہدایت یافتہ ہوجاتے حالانکہ عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ حج و عمرہ کرنے کے بعد بہت سے لوگ پہلے سے زیادہ بدکرداری کی طرف مائل ہوجاتے ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ہدایت کرنا کسی گھر کے اینٹ پتھر در و دیوار سے متعلق نہیں ہوتا بلکہ گھر والوں سے ہوتا ہے۔ کسی عالم کا گھر ہدایت نہیں کرتا بلکہ وہ عالم کرتا ہے جو اس گھر میں رہتا ہے۔ خانہ کعبہ میں خدا نہیں رہتا۔ کیونکہ اس کی ذات مکان و مکانیات سے مبرا ہے۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ خانہ کعبہ تک جانے والوں کی نظر کے سامنے وہ کردار ہونا چاہیئے جو ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے خاندان کا تھا۔ وہی باعث ہدایت ہوسکتا ہے۔

دوسرے امت محمدی کے لئے ان لوگوں کا کردار باعث ہدایت ہوگا جن کے سردار کو خدا تعالیٰ نے اس گھر میں پیدا کیا اور جن کی محبت کو اللہ تعالیٰ نے اجر رسالت قرار دیا ورنہ کعبہ کا طواف کرکے ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتے۔ دلوں کے اندر جو روحانی بیماریاں ہیں وہ انہی کی محبت سے دور ہوں گی جو اس دنیا میں انسان کامل بن کر آئے تھے۔ ان کے کردار کو اپنانے سے اور ان کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے سے ہی روحانی کمال حاصل ہوگا۔ جن لوگوں نے اہلبیت رسول کا دامن چھوڑ دیا ان کی عبادت کیا مقبول ہوگی۔

Marfat.com

کعبہ اب وہ کعبہ نہیں جو ابراہیم خلیل اللہ نے بنایا تھا۔ ان پتھروں میں سے ایک کا بھی نشان نہیں ملتا جو دستِ مبارک سے اس گھر کی دیواروں میں رکھے گئے تھے اور شاید [illegible] بھی اب زیادہ ہو گئی ہے لہٰذا جو زیارت کعبہ کے لئے جاتا ہے۔ اس کے تصور میں بنانے [illegible] ابراہیم خلیل ضرور آتی ہے پس کیا وجہ کہ اس گھر کے بنانے والے کے کردار کو تو اپنایا جائے اور اس کے تصور سے روحانی فیض حاصل کیا جائے اور اس مقرب بارگاہ ایزدی کی ہستی کو قطعی نظر انداز کر دیا جائے جو اس گھر کے اندر پیدا ہوا تھا۔ بنانے والے نے خدا کے رہنے کے لئے نہیں بنایا تھا بلکہ اس بیت کا [illegible] ابراہیم خلیل اللہ کی نظر میں ضرور ہو گا۔

[illegible] خیر امت [illegible] ہیں

پ ۴ آل عمران [illegible] بتلاش ناموروں یا معروف [illegible]

[illegible]

[illegible] پیدا [illegible]

[illegible]

خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

ابن ابی حاتم نے [illegible] سے روایت کی [illegible]

اہلبیت رسول ہیں [illegible]

تفسیر [illegible] خیر امت [illegible] تمام مسلمان [illegible]

انہوں نے [illegible] مسلمان کو خیر امت میں داخل کر دیا [illegible]

مسلمانوں پہ چسپاں کر [illegible] ان کا تفصیل سے جائزہ لیں

[illegible]

گمراہی کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہوں وہ دوسری قوموں کو کیا ہدایت کریں گے۔ مثل مشہور ہے۔

ع :۔ او خویشتن گم است ترا رہبری کند

(۲) نیک کاموں کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے وہ اس طبقہ اور اس گروہ کے مسلمان ہیں جنہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے خلاف کبھی کوئی کام نہ کیا ہو جو خود وساوس شیطانی میں مبتلا ہوں وہ دوسروں کو کیا ہدایت کریں گے۔ وہ زمانہ جو خیرالقرآن کہلاتا ہے اُمت محمدی میں بکثرت ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے نیکیوں سے ہٹ کر برائیوں کے دروازے اپنے اوپر کھول لئے تھے۔ لوگوں کے حقوق غصب کئے تھے۔ بے گناہوں کو قتل کیا تھا۔ کمزوروں پر ظلم وستم کئے تھے کیا ایسے لوگ خیرامت کہے جا سکتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں بیشمار واقعات اس خیرالقرون میں ایسے ملیں گے کہ ان کے تصور سے دل لرزتا ہے۔

پہلے زمانہ کے لوگوں کو چھوڑیے آج کل کے مسلمانوں پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ کونسا بُرا کام ہے جو وہ نہیں کر رہے۔ کیا یہ خیرامت کہلانے کے قابل ہیں۔ صرف کلمہ لاالہ الااللہ محمد الرسول اللہ کہنے والے گائے کا گوشت کھانے والے اور ختنہ کرانے والے تو خیرامت نہیں کہے جا سکتے۔ خیرامت تو وہ ہوں گے جو تمام اقوام عالم سے زیادہ نیکیاں کرنے والے ہوں اور اخلاقی فضائل سب سے زیادہ ان کے اندر پائے جائیں۔

آیت میں جن سے مخاطب کیا گیا ہے وہ عہد رسالت کی وہ ممتاز ہستیاں ہیں جنہوں نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر خود بھی عمل کیا اور دوسروں کو بھی نیک کام کرنے کی ہدایت کی اور بُرے کاموں سے روکا۔

جن لوگوں نے اولاد رسول کے گلے کاٹے اور ان کے املاک ضبط کئے۔ ان کے حقوق پر چھاپہ مارا۔ ان کے گھروں کو لوٹا، جلایا۔ قید وبند کی تکلیفوں میں مبتلا کیا۔ کیا وہ خیرامت کہلانے کے قابل ہیں۔ ہر زمانہ میں جن لوگوں کے ظلم وستم کے تنگ دلی، بے رحمی، سفاکی وخون ریزی، فریب کاری بازی کے لوگ نشانہ بنے رہے ہوں وہ اگر خیرامت کہے جائیں تو اہل انصاف بتائیں

Marfat.com

بد ترین امت کس کو کہا جائے گا۔

خیر امت وہی لوگ ہو سکتے ہیں۔ جنہوں نے صدق گوئی۔ خیر پسندی۔ حق گزاری اور حق پسندی پر کبھی پس و پیش نہیں کیا۔ انہوں نے سر کٹوا دیئے۔ گھر لٹوا دیئے۔ جیل خانوں میں عمر کے بڑے حصے گزار دیئے مگر امر حق کی تبلیغ سے نہ چوکے۔ انہوں نے اپنے اخلاقی فضائل اور روحانی کمالات سے یہ ثابت کر دیا کہ ایک سچا مسلمان کیسا ہوتا ہے۔ خیر امت کہنے کے مستحق یا تو اہل بیت رسول ہیں یا وہ لوگ جو ان کے نقش قدم پر چلے اور جنہوں نے کسی حالت میں آل رسول کا دامن نہیں چھوڑا۔ جنہوں نے ان کی تاسی میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں مگر جادۂ حق سے بال برابر ان کا قدم نہ ہٹا۔

۵۹۔ جنگ بدر میں ملائکہ کا آنا

پ۴ آل عمران ع ۱۳: اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ

اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ

هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ

اے رسول اس وقت تم مومنین سے کہہ رہے تھے کیا تم کو یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے آسمان سے بھیج کر تمہاری مدد کرے ... بلکہ اگر تم ثابت قدم رہو اور رسول کی مخالفت سے بچو [illegible]

[illegible]

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ملائکہ گھوڑوں پر سوار ہو کر مشرکین سے لڑنے آئے تھے یا ملائکہ کی امداد سے کچھ اور مراد ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ملائکہ لڑنے نہیں آئے اگر آتے اور لڑتے تو ان کے کشتے بھی میدان جنگ میں پائے جاتے۔ حالانکہ سوائے ان ستر کشتوں کے جن کو مسلمانوں نے اپنی تلواروں سے قتل کیا تھا اور کوئی کشتہ جس کو ملائکہ کا مقتول کہا جائے وہاں نہیں پایا گیا۔ تین ہزار یا پانچ ہزار ملائکہ کی فوج بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب کہ ایک ہی فرشتہ لاکھوں کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہوتا۔ ایک ملک الموت ہی کو لیجئے کہ وہ آن واحد میں بے حد و شمار آدمیوں کی جان نکال لیتا ہے۔ ملائکہ کی مدد سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں بے پناہ قوت بھر دی تھی اور ان کو اس قدر مطمئن بنا دیا تھا کہ ذرا گھبراہٹ اور ہچکچاہٹ ان سے پیدا نہیں ہوئی جو روایات ملائکہ سے لڑنے کے متعلق ہیں وہ قابل اعتماد نہیں اگر ملائکہ کی فوج مدد کو آئی ہوتی تو ضرور لوگ ان کو دیکھتے لیکن کسی نے ان کو نہیں دیکھا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے خواب میں دیکھا تھا کہ ملائکہ آپ کی مدد کے لئے آئے ہیں۔ اس کو آپ نے مسلمانوں سے بیان کر دیا تا کہ ان کے دل قوی ہو جائیں اور ڈٹ کر کفار کا مقابلہ کریں اور ان کو یہ یقین ہو جائے کہ اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہے۔

اس آیت کے بعد یہ آیت ہے:۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔

(اور خدا نے یہ امداد تمہاری خوشی کے لئے کی ہے تا کہ اس سے تمہارے دلوں کو ڈھارس ہو اور مدد جب ہوتی ہے تو خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدد کا جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ صرف مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے کے لئے ہے یعنی تم یہ سمجھ کر لڑو کہ تین ہزار فرشتے تمہاری پشت پر ہیں اور اگر کفار کی تعداد بڑھ جائے گی اور تم پر حملہ آور ہوں گے تو پھر ہم ملائکہ کی تعداد پانچ ہزار کر دیں گے یعنی تمہارے دلوں کو اور زیادہ کو قوی بنا دیں گے۔ (یہ مضمون ہم نے سرسید احمد خاں

Marfat.com

کی تفسیر انوار القرآن سے لکھا ہے۔

سید صاحب کی یہ تاویل دل کو چبھتی نہیں کیونکہ اس آیت میں دو لفظ ایسے ہیں جو اس بیان کو کوئی وقعت نہیں پہنچاتے اول منزلین یعنی ملائکہ کا آسمان سے اترنا دوسرا مسومین یعنی نشان جنگ لگائے ہوئے۔ اگر نزول ملائکہ نہیں ہوا تو ان الفاظ کے ذکر کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ مذکورہ بالا آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ملائکہ صفیں باندھ کر کفار سے لڑے تھے اور انہوں نے مشرکین کو قتل بھی کیا تھا ذکر تو ان کا مدد کے لئے آنے کا ثابت ہے اب رہا یہ کہ کسی نے ان کو دیکھا نہیں۔ یہ دلیل ملائکہ کے نہ آنے کی نہیں ہو سکتی۔ لوگ نہ دیکھیں رسول تو دیکھتے ہوں گے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کفار کو نظر آتے ہوں اور ان کی کثرت دیکھ کر دلوں پر ہیبت طاری ہوئی ہو اور یہی ان کی شکست کا سبب ہوا ہو۔ مسلمان دیکھتے یا نہ دیکھتے رسول کا یہ فرمانا ہی ان کی ہمت افزائی کے لئے کافی تھا کہ ملائکہ تمہاری مدد کے لئے آئے ہیں۔ یعنی اگر خدا نخواستہ تمہیں شکست ہوتی نظر آئے [illegible] کے یعنی بشکل انسان ظاہر ہو کر فوج دشمن پر رعب ڈالیں کے [illegible] روایات سے [illegible] ہے کہ کفار کو میدان میں [illegible] نظر آتے۔

[illegible]

عورتیں رسول کے مددگاروں کی طاقت کا اندازہ کرلیں۔

(۶۰) شہیدان راہ خدا زندہ ہیں

پ آل عمران ع ۱۷۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

(جو لوگ راہ خدا میں شہید کئے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں وہ اپنے پروردگار کے یہاں سے طرح طرح کی روزی پاتے ہیں اور خدا نے جو جو فضل و کرم ان پر کیا ہے اس کی خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور جو لوگ ان سے پیچھے رہ گئے ہیں اور ان میں شامل نہیں ہوئے اس کی نسبت (اس خیال سے) خوشیاں مناتے ہیں (کہ یہ بھی شہید ہوں تو) ان کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے)

اس آیت میں دو لفظ قابل غور ہیں پہلے فرمایا ہے ان کو مردہ مت سمجھو یعنی جو تکلیفیں اس دنیا سے مُردوں کو ہو جاتی ہیں اور جو صورتیں ان کے لئے پیش آتی ہیں وہ شہیدوں کے لئے نہیں۔ دوسرے فرمایا گیا ہے وہ زندہ ہیں یعنی جو قوتیں اس دنیا میں اوروں کے لئے ہوتی ہیں وہ ان میں موجود رہتی ہیں۔ یعنی وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں اور جس کی مدد چاہیں کر سکتے ہیں ورنہ ان کو زندہ کہنا بے معنی ہوگا وہ اپنے خدا سے رزق روحانی حاصل کرتے ہیں اور نہایت بشاش وبشاش رہتے ہیں کیونکہ عالم برزخ میں ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی بلکہ نعمت ہائے الٰہی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

یہ کہنا غلط ہے کہ اگر وہ زندہ ہیں تو ان کی میراث کیوں تقسیم ہوتی ہے اور ان کی ازواج کا نکاح دوسروں کے ساتھ کیسے صحیح ہوتا ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ دنیا کی ظاہری موت کے

بعد یہاں سے ان کا دہ تعلق ختم ہو جاتا ہے جو عموماً دنیا والوں کو اپنی زندگی میں ہوتا ہے۔ بہشتی دو یہاں سے ایک دوسری دنیا میں چلے جاتے ہیں اور یہاں کے رشتے ناطے قطع ہو جاتے ہیں مگر وہ اس دنیا میں اس طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں کہ جسم مثالی ان کو اس دنیا میں آنے کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

اسلام میں بمصداق آیہ قرآنی شہید کا لفظ ان لوگوں پر بولا جاتا ہے جو جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہو کر قتل ہو جاتے ہیں ان کے بھی مختلف مراتب ہیں۔

(۱) رسول کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک ہوں اور میدان جنگ میں قتل ہو جائیں ان کا مرتبہ سب سے اونچا ہے۔

(۲) رسول کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک ہوں اور میدان جنگ میں زخمی ہو کر پلٹ آئیں اور تھوڑے دنوں بعد زخموں کی تاب نہ لا کر مر جائیں ان کا دوسرا مرتبہ ہے۔

(۳) کسی سریہ میں جائیں اور قتل کر دئے جائیں۔ ان کا تیسرا مرتبہ ہے۔

(۴) جو لوگ امر حق کی تبلیغ کے جرم میں قتل کر دئے جائیں۔

(۵) جو لوگ ثغور ممالک اسلامیہ کی حفاظت میں قتل ہوں۔

(۶) جن کو کفار و مشرکین صرف مسلمان سمجھ کر بے جرم و قصور قتل کر دیں۔

جاہل سے عالم کا درجہ بلند ہے بے عمل سے عابد و زاہد کا درجہ اونچا ہے ان تفصیلات سے ارشاد شہداء کے درجات معلوم ہو جاتے ہیں۔ جاننے والا خدا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

---

(۱۶) مرد کو چار نکاح کی اجازت

فانکحوا ما طاب لکم من النساء وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم

اَدْنیٰ اَلَّا تَعُوْلُوْا ۔ (اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ (نکاح کر کے) یتیم لڑکیوں (کے رکھ رکھاؤ)
میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے اپنی مرضی کے موافق دو دو اور تین تین
اور چار چار سے نکاح کر لو پھر اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم متعدد بیبیوں میں
انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو یا جو لونڈی تمہاری زر خرید ہو اسی پر
قناعت کرو۔ یہ تدبیر ناانصافی نہ کرنے کے بہت ہی قرین قیاس ہے)

مغربی تہذیب کے دلدادہ جو بظاہر ایک بی بی رکھتے ہیں اور گھر سے باہر ہر رات ایک نیا شکار مارتے ہیں یا بند رسم و رواج کے فریفتہ کہتے ہیں اسلام عیاشی کی تعلیم دیتا ہے اور بیک وقت چار چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ مرد کو جس میں قوت شہوی کم ہے اس کو تو چار کی اجازت اور عورت جس میں قوت شہوی زیادہ ہے صرف ایک شوہر کی۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔

یہ ایک احمقانہ قیاس ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ شہوت کا دار و مدار قوت پر ہے جس میں جتنی قوت زیادہ ہوگی اتنی ہی اس میں شہوت زیادہ ہوگی۔ ایک بیوقوف ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ عورت میں مرد سے زیادہ قوت ہے پس جو بلحاظ قوت کمزور ہو اس میں شہوت زیادہ کیسے ہوگی۔ عورت ایک بار جماع کے بعد مضمحل ہو جاتی ہے برخلاف مرد کے کہ وہ کچھ دیر بعد ہی پھر جماع کا خواہشمند ہوتا ہے۔ ایام حیض اور بحالت حمل عورت کی قوت شہوی بہت ہی کم ہو جاتی ہے۔ اس طرح رضاعت کے ایام میں بھی اس کی قوت شہوی سست پڑ جاتی ہے۔ پھر جب حیض آنا بند ہو جاتا ہے تو یہ قوت اس میں لی دی ہی رہ جاتی ہے۔ مرد کے لئے ایسی صورتیں واقع نہیں ہوتیں۔

یہ بھی تو سمجھئے کہ شریعت اسلام نے بیک وقت چار عورتوں کا رکھنا کسی پر واجب تو نہیں کیا بلکہ بشدت ضرورت میں اجازت دی ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ ان کے درمیان انصاف کر سکے ورنہ اس کے لئے حکم ہے کہ ایک ہی پر اکتفا کرے۔

ایک کی بجائے چار رکھنا اس سے بہتر ہے کہ انسان زناکاری کی طرف متوجہ ہو اور

Marfat.com

فاحشہ عورتوں سے اپنے تعلقات پیدا کرے یا ہوٹلوں میں اپنی خواہشات شیطانی کو پورا کرے
بعض مردوں میں فطرۃً قوت شہوی اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ ایک عورت اس کی خواہش کو پورا نہیں کرسکتی۔ بالخصوص جب کہ اس کو حیض یا استحاضہ کا خون آرہا ہو یا حاملہ ہو یا ولادت کے بعد جب کہ خون نفاس آرہا ہو۔ دودھ پلانے کے ایام میں عورت کمزور ہوجاتی ہے اور اس کی رغبت مرد کی طرف نہیں رہتی۔ پھر بیماری بھی انسان کو لگی رہتی ہے ایسی صورتوں میں وہ مرد کیا کرے گا۔ اگر زنا کرتا ہے تو گنہگار اگر اپنے کو روکتا ہے تو بیمار۔ ایسی ہی ضرورتوں کے پیش نظر شریعت نے اجازت دی ہے۔

ہم فرض کرتے ہیں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا شادی کے بعد معلوم ہوا وہ بانجھ ہے۔ اب بیچارہ کرے کیا اس کی وجہ سے نسل قطع کرلے۔ لہٰذا وہ مجبور ہوگا دوسری شادی پر۔ اگر دوسری بی بی ایسی ناتواں ہے کہ اس کی خواہش پوری نہیں کرسکتی تو اگر صاحب استطاعت ہے تو تیسری کرے گا۔ اگر وہ کسی مہلک مرض میں مبتلا ہے تو چوتھی کرے گا۔ یہ حال ایسی ہی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر اسلام نے چار کی اجازت دی ہے نہ کہ عیاشی کے لئے۔

غالباً شارع اسلام کے پیش نظر یہ سبب بھی ہو کہ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد روز افزوں ترقی کرے اور اطراف عالم میں پھیل جائیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ [illegible] نکاح کرو نسل بڑھاؤ اور کثرت میں ہو جاؤ (جیسا اس زمانہ میں [illegible] اکثریت [illegible]) سے اقلیت والے مظلومانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

(۶۲) مطلقہ کا حق

پ النساء ع ۱۳۔ وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احدٰھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا اتاخذونہ بہتانا واثما مبینا

(۱) اگر تم ایک بی بی کو طلاق دے کر دوسری بی بی سے نکاح کرنا چاہتے ہو تو [illegible]

سے ایک کو جسے طلاق دینا چاہتے ہو) بہت سا مال دے چکے ہو تاہم اس سے کچھ واپس نہ لو کیا تمہاری یہی غیرت ہے کہ خواہ مخواہ بہتان باندھ کر یا کوئی جرم لگا کر واپس لے لو)

بہت سے لوگ ایسے کمینہ خصلت اور سخت دل ہوتے ہیں کہ اپنی بی بی پر کوئی الزام لگا کر طلاق کا بہانہ پیدا کر لیتے ہیں اور پھر اس پر طرہ یہ کہ طلاق دینے کے بعد جو کچھ زر و زیور یا نقد اس کو دیا ہوتا ہے وہ چھین لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے بھی کچھ حقوق متعین کئے ہیں جو ان کو ادا نہیں کرتا وہ یقیناً گنہگار رہتا ہے۔

اس زمانہ میں طلاق دینا معمولی بات بن گیا ہے۔ ذرا عورت کے حسن میں فرق آیا یا اس کی جوانی ڈھلی یا بچے زیادہ ہو گئے پس شوہر صاحب کسی اور سے دل لگا کر اس غریب کو طلاق دینے پر تیار ہو گئے یا مغربی ممالک میں کہیں جا پہنچے اور کسی میم کی تپلی کو دل دے بیٹھے۔ بس پھر کیا تھا جھٹ پہلی بی بی کے نام طلاق نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس بیچاری کا کیا حشر ہو گا۔ یہ اپنی زندگی کیسے گزارے گی۔ مہر کا دینا تو اب قابل توجہ رہا ہی نہیں۔ نکاح کے وقت جتنا لڑکی والوں نے چاہا بندھوا دیا۔ اس کے بعد ادا کرنے کا ارادہ نہ اس وقت ہوتا ہے نہ بعد میں۔ طلاق دیتے وقت مہر کی ادائگی کا بھولے سے خیال بھی نہیں آتا۔ جانتے ہیں کہ کون زرکثیر خرچ کر کے نالش کرے گا۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے مغربی تہذیب کی زد میں آکر تمام اسلامی احکام کو پس پشت ڈال دیا۔ رسول نے فرمایا ہے:۔ اَبغضُ الاَشیاءِ عِندی الطَّلاقُ (سب سے زیادہ مجھے غصہ دلانے والی چیز طلاق ہے۔

---

(۴۳) متعہ

پ۵ النساء ۱:۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ

عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ٥

(جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو تو انہیں جو مہر معین کیا ہے دے دو مہر مقرر ہو جانے کے بعد اگر آپس میں کم و بیش پر راضی ہو جاؤ تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں بیشک خدا ہر چیز سے واقف اور مصلحتوں کا پہچاننے والا ہے)

یہ آیت صراحتہً متعہ کے حلال و جائز پر دلالت کرتی ہے اس وجہ سے علاوہ مصحف عثمانی اور مصاحف میں اس آیت کو الی اجل مسمّٰی کے ساتھ پڑھا گیا اور جب ابو نضرہ وغیرہ نے کہا کہ ہم یوں پڑھتے تو ابن عباس نے کہا۔ واللہ خدا نے اس آیت کو یوں ہی نازل کیا ہے ۔ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اگر عمر لوگوں کو متعہ سے منع کرتے تو قیامت تک سوائے کسی شقی اور بدبخت کے کوئی بھی زنا نہ کرتا ۔ جابر بن عبداللہ انصاری سے منقول ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ کے پورے زمانہ میں اور ابوبکر کی پوری خلافت میں اور خلافت عمر کے نصف اول میں برابر متعہ کرتے رہے مگر عمر نے اپنی خلافت کے نصف آخر میں متعہ کی ممانعت کا حکم جاری کیا وہ بھی ان الفاظ میں ۔۔

مُتعتان کانتا علیٰ عہد رسول اللہ وانا انہیٰ عنہما واعاقب علیہما

دو متعہ (متعہ النساء و متعہ الحج) رسول کے زمانہ میں تھے۔ [illegible]

ان کو حرام کرتا ہوں اور ان کے [illegible] کرنے والوں کو سزا دوں گا (تفسیر [illegible]

[illegible] تفسیر [illegible] تفسیر کشاف جلد [illegible] امام [illegible]

[illegible] غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرت [illegible] شرافت محمدی [illegible]

تھا جب کہ حلال تھا قیامت تک حلال [illegible] حرام محمد قیامت تک حرام ہے

متعہ کی ضرورت [illegible] انسان [illegible] ایسے [illegible] مجبور [illegible]

[illegible] ایک شخص [illegible] اپنے گھر سے باہر رہتا ہے [illegible]

[illegible] ایسی صورت میں [illegible] اپنی قوت [illegible] [illegible]

نہیں رکھ سکتے۔ سفر میں عقد دائمی کے ساتھ کسی عورت کو رکھنے میں کافی خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے جس کا وہ شخص متحمل نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ متعہ نہ کرے گا تو لامحالہ اس کی طبیعت زنا کی طرف مائل ہو گی۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کی صحت زوال پذیر ہو گی

(۲) ایک شخص کی بی بی بیمار رہتی ہے اور وہ مجامعت کے قابل نہیں رہتی تو یہ شخص کیا کرے دوسری شادی اوّل تو اس لئے نہیں کر سکتا کہ اس کی آمدنی تھوڑی ہے۔ دوسرے گھر میں سوتنوں کے درمیان جھگڑا قضیہ رہنے سے اس کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔ متعہ کی صورت میں اس کی یہ مشکل حل ہو جاتی ہے۔

"سرسید احمد خاں صاحب نے اپنی تفسیر میں متعہ کو زنا اور عیاشی تحریر کیا ہے۔ حالاں کہ یہ غلط ہے۔ متعہ اور نکاح میں زیادہ فرق نہیں۔ متعہ صرف وقت معین کے لئے ہوتا ہے۔ باقی شرائط وہی ہیں جو نکاح دائمی کے ہیں۔ دونوں میں صیغہ عقد پڑھا جاتا ہے۔ مدّت معین میں ممتوعہ کے تمام حقوق از قسم نان ونفقہ مرد کو ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اس کی اولاد کی پرورش کی ذمہ داری مرد پر اسی طرح ہو گی جس طرح عقد دائمی والی عورت کے بچوں کی۔ ..

(۳) بہت سی عورتیں بیوہ ہونے کے بعد لطف جنسیت سے محروم ہو جاتی ہیں اور ان کی جنسی خواہش جب پوری نہیں ہوتی تو وہ زنا کی طرف مائل ہو جاتی ہیں ان کو اس گناہ سے بچانے کا واحد علاج متعہ ہی ہو سکتا ہے

۴۲۔ مرد کو عورت پر فضیلت ہے

پ۵ النساء ع ۲۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۝

(مردوں کو عورتوں پر قابو حاصل ہے اور اللہ نے بعض (مرد) کو بعض (عورت) پر فضیلت دی ہے۔)

جسمانی اور روحانی دونو اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو عورت فطرۃً مرد سے کمزور ہوتی ہے۔ چونکہ کسب معاش کا تمام تر بار قدرت نے مرد کے کندھوں پر رکھا ہے۔ لہٰذا اس کو زیادہ قوت عطا فرمائی ہے۔ وہ ہر موسم میں محنت و مشقت سے کام لے کر کسب معاش کر سکتا ہے۔ برخلاف عورت کے وہ زیادہ کڑی دھوپ میں زیادہ سردی میں زیادہ بارش میں کوئی کام انجام نہیں دے سکتی۔ قدرت نے جہاد کو اس لئے اس پر سے ساقط کر دیا ہے کہ مردوں کی طرح بے جگری سے تلوار نہیں چلا سکتی۔ زیادہ زخموں کی تاب نہیں لا سکتی۔ وقت ضرورت تیزی سے بھاگ نہیں سکتی۔

عورت کے چہرہ پر حسن کی بہار ہوتی ہے رعب نہیں۔ برخلاف مرد کے کہ اس کے چہرہ پر رعب داب اور ہیبت ہوتی ہے اور یہ چیز بسا اوقات دشمن کے مقابلہ میں مقصد برآری میں مفید ہوتی ہے۔ خدا نے آدم سے لے کر خاتم الانبیاء تک کسی عورت کو نبی یا رسول نہیں بنایا کیونکہ تبلیغی فرض میں اول تو اس سے پوری نہیں ہو سکتیں کیونکہ دشمنان دین کے بڑے بڑے مظالم اٹھانا پڑتے ہیں۔ دوسرے ان کی طرف کھنچنے والے اور ان کی بات ماننے والے [illegible] زوال ہو سکتے ہیں۔

[illegible]

(۶۵) روزِ قیامت رسولؐ تمام اُمتوں پر گواہ ہوں گے

پ۵ النساء ع ۱۰۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝

(کیا حال ہو گا جب ہم ہر گروہ کے گواہ طلب کریں گے اور اے محمد تم کو ان سب پر گواہ کی حیثیت سے ان کے سامنے لائیں گے)

روزِ قیامت ہر نبی اپنی اُمت کے ساتھ میدانِ حشر میں آئے گا۔ اس وقت اس سے سوال ہو گا۔ تم نے ہمارے احکام کی اپنی امت پر تبلیغ کی تھی۔ اس وقت اُمّت کے کچھ لوگ کہیں گے۔ ہمیں ان کی تبلیغ کی کچھ خبر نہیں۔ ہم پر انہوں نے کوئی تبلیغ نہیں کی۔ قرآن کہتا ہے:۔ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ۔ ہم ان سے پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور اُن سے بھی پوچھیں گے جن کو بھیجا گیا تھا پس ایسی صورت میں جب نبی کہتا ہو میں نے تبلیغ کی تھی اور امت کہتی ہو انہوں نے نہیں کی کس کو سچا اور کس کو جھوٹا قرار دیا جائے۔ لہٰذا ضرورت ہو گی کہ ایک سرکاری گواہ ہر امت کے ساتھ رہے تاکہ وہ انبیاء کی تبلیغ کی تصدیق کرے۔ یہی وجہ ہے کہ نورِ محمدی ہر انبیاء کے ساتھ رکھا گیا کہ حضرت چشم دید گواہی دیں۔ کس طرح حضرت ساتھ رہے اس کا بتانا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس شکل و ہیئت میں نورِ محمدی کو رسولوں کے ساتھ رکھا

---

(۶۶) آلِ ابراہیم کو کتاب و حکمت سے مخصوص کیا گیا

پ۵ النساء ع ۸۔ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ۝

خدا نے اپنے فضل سے جو ان کو عطا فرمایا ہے لوگ اس پر رشک کے مارے مرے جاتے ہیں (تو اس کا کیا علاج) ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور عقل کی باتیں عطا فرمائی ہیں

Marfat.com

اور ان کو بہت بڑی سلطنت بھی دی ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فضیلت عطا فرمائی ہے۔ یہودی حسد سے جلے مرتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے اس سے پہلے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت دی اور ملک عظیم عطا فرمایا۔ یہ عطیات اولاد ابراہیم سے متعلق رہے۔ امت کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔

آئمہ طاہرین علیہم السلام سے بذریعہ احادیث متواترہ مروی ہے کہ یہ آیت دشمنان آل محمد کی مذمت اور آل محمد کی مظلومی کے بیان میں ہے۔ خاندان رسالت میں نبوت و سلطنت کو منافق برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے بر اہ حسد لوگوں سے ان کی برائیاں بیان کرتے تھے اور آنحضرت کے بعد سلطنت پر فائز ہونے کی تدبیریں سوچتے تھے۔

آل ابراہیم میں جہاں اور بہت سے انبیاء داخل ہیں۔ اس طرح حضرت رسول خدا اور ان کے اہل بیت بھی داخل ہیں۔ لیکن کسی نبی کے فضائل پر امت والوں نے اتنا حسد نہیں کیا جتنا اہل بیت رسول کے فضائل پر کیا گیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ تمام آل ابراہیم میں سب سے زیادہ عطیات الٰہیہ کس کو پہنچے۔

(۱) آل ابراہیم کو آسمانی کتابیں ملیں۔ علاوہ توریت و انجیل کے ۱۱۲ صحیفے بھی ان پر نازل ہوئے لیکن وہ سب منسوخ ہو گئے۔ آنحضرت کو جو کتاب ملی وہ ان سب کی ناسخ ہے اور وہ قیامت تک چلنے والی ہے۔

(۲) انبیائے بنی اسرائیل کی کتابوں میں اس درجہ تحریف کی گئی کہ وہ اپنی صورت پر باقی نہ رہیں لیکن قرآن کا تحفظ اس حد تک ہوا کہ اس کے اعراب تک محفوظ رہے [illegible] اعراب [illegible] کے آیات کہاں لکھیں [illegible] توریت اور انجیل انبیاء کے [illegible] صورت میں چلی اس لئے ان میں تحریف ہوئی۔ قرآن [illegible] سینہ میں پہنچا اور اس طرح قرآن محفوظ رہا [illegible] آیات [illegible] صدور الذین اوتوا العلم [illegible] آیات [illegible] علم دیا گیا

(۲) آل ابراہیم کو علم و حکمت بھی خدا نے عطا کی لیکن جس پایہ کا علم و حکمت محمد و آل محمد کو ملا اس کی نظیر انبیائے سابقین میں کہیں نہیں پائی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سرکار دوعالم کے متعلق فرمایا:- وعلمک مالم تکن تعلم (جو کچھ بھی تم نہ جانتے تھے وہ سب اللہ نے تم کو سکھا پڑھا دیا۔ جب ہی تو حضور نے فرمایا۔ انا مدینۃ العلم وعلیٌ بابہا اور انا دار الحکمۃ وعلیٌ بابہا اس پر لوگوں کو حسد تھا۔

(۳) آل ابراہیم کو ملک عظیم عطا فرمایا لیکن آل محمد سے بڑی حکومت کسی کو نہیں ملی یہ حکومت ظہور حضرت محمد کے وقت مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ہوگی اور ایسی حکومت ہوگی کہ سوائے دین اسلام کوئی اور دین پایا ہی نہ جائے گا اور وہ ایسی حکومت ہوگی کہ تمام روئے زمین عدل و داد سے پُر ہو جائے گی۔ شیر و بکری ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے۔ کس کی طاقت ہے کہ ان فضائل میں محمد و آل محمد کا مقابلہ کر سکے۔

---

(۶۷) اولی الامر کون ہیں؟

پ۵ النساء ع ۸۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ

(اے ایمان والو خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی)

مفسروں نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ اولی الامر سے مراد کون لوگ ہیں۔ بعض نے کہا ... امرا ... اور بعض نے کہا ہے بادشاہان وقت مراد ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان ... کوئی ... نہیں ہو سکتا سوائے آئمہ معصومین کے۔ کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا ہے اسی طرح اولی الامر کی بھی۔ اطاعت تمام ... پر واجب کی ... میں اولی الامر خدا اور رسول کے نائب ہوں گے۔ اور نائب کے ... عقل اس کو قبول نہیں کرتی کہ خدا گنہگاروں کی اطاعت ...

سوائے آئمہ معصومین کے اور کسی کی عصمت کا کوئی مدعی نہیں ہوا یہ تو ظاہر ہے کہ [illegible]
خاص زمانہ یا وقت یا کسی خاص شخص کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک [illegible]
اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اطاعت بھی عام ہے اور دنیا و دین کی [illegible]
ہر وقت کے لئے ہے۔

اگر بافرض اولی الامر سے مراد دنیا کے بادشاہ ہوں تو [illegible]
[illegible] ہو جائے گی۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ کی بادشاہی [illegible]
مسلمان بادشاہ ہی مقصود ہوں تو [illegible] بات [illegible]
[illegible]

[illegible]

(۶۸) جو رسول کا فیصلہ نہیں مانتا وہ مومن نہیں۔

پ۵ النساء ع ۹: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

(اے رسول تمھارے پروردگار کی قسم سچے مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم نہ بنائیں پھر جوکچھ تم فیصلہ کرو اس میں کسی طرح دل تنگ نہ ہوں بلکہ خوش خوش اس کو مان بھی لیں)

جب کسی مومن و منافق میں کسی بات پر جھگڑا ہوتا اور مومن کہتا کہ چلو رسول سے فیصلہ کرالیں تو منافق اول تو تیار نہ ہوتا اور اگر بمجبوری رسول کی خدمت میں آجاتا تو رسول کے فیصلہ پر دل تنگ ہوتا اور اس پر اپنی رضامندی کا اظہار نہ کرتا چونکہ رسول کے فیصلہ کے خلاف کوئی عمل نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے خاموش رہتا۔ انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے

تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ ایماندار نہیں ہوسکتے جب تک آپس کے اختلافی امور میں آپ کی حکومت کو تسلیم نہ کرلیں اور علی کی ولایت کے متعلق جوکچھ فیصلہ آپ فرما چکے ہیں اس کو بدل وجان قبول نہ کرلیں اور ولایت علی کو اس طرح تسلیم کریں جو تسلیم کرنے کا حق ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایک قوم خدا کی عبادت گزار ہو۔ نماز پڑھنے والے۔ زکواۃ دینے والے اور حج کرنے والے ہوں اور خدا اور رسول کے فیصلہ پر صرف یہ کہدیں کہ ایسا کیوں کیا بلکہ اس طرح کرنا چاہئیے تھا اور اپنے دلوں پر بوجھ محسوس کریں تو وہ لوگ مشرک شمار ہوں گے۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ تسلیم کو نہ چھوڑنا۔ یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ جس طرح رسول کے فیصلے پر چون وچرا کرنا یا تنگ دل ہونا ایمان سے خارج کرتا ہے۔ اسی طرح امام کے فیصلہ کو نہ ماننا یا تنگ دل ہونا بھی ایمان سے خارج کردیتا ہے۔

Marfat.com

(۶۹) صدیق کون ہے۔

پ۵ النساء ع ۹۔ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ
الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ٥

(جس شخص نے خدا اور رسول کی اطاعت کی تو ایسے لوگ ان مقبول بندوں کے ساتھ ہوں گے جنہیں خدا نے اپنی نعمتیں دی ہیں یعنی انبیاء، صدیقین اور شہداء و صالحین اور یہ لوگ اچھے رفیق ہیں یہ خدا کا فضل ہے خدا واقف کاری میں کافی ہے)

ایک حدیث میں ہے کہ اس آیت میں نبیین سے مراد حضرت رسول خدا ہیں صدیقین سے حضرت علی شہداء سے حسنین اور صالحین سے باقی آئمہ مراد ہیں اور یہی قرین قیاس بھی ہے کیونکہ نبیین سے حضرت رسول خدا کا مراد ہونا تو ظاہر ہے اب رہا صدیقین سے حضرت علی کا مراد ہونا تو یہ بھی ظاہر ہے کیونکہ صدیق کے معنی تصدیق کرنے والے کے لئے جائیں تو تاریخوں سے ثابت ہے کہ حضرت رسول خدا کی نبوت کی تصدیق کرنے والے سب سے پہلے حضرت علی ہیں اور اگر سچے کے معنی لئے جائیں تو بھی حضرت علی کے سوا کوئی دوسرا اس لقب کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت کے علاوہ جن کو صدیق کہا جاتا ہے وہ چالیس سال یا انتالیس سال بتوں کے آگے سر جھکاتے رہے اور چونکہ کلمہ بت پرستی سے اپنا ایمان [illegible] نہیں کر جا سکتے۔ برخلاف علی کے کہ آپ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا اور کلمہ کفر و نجاست سے اپنی زبان کو آلودہ نہیں کیا اسی وجہ سے حضرت علی کو کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے یہ عصمت کا درجہ ہوا جو آپ کے سوا دوسرے کو حاصل ہی نہیں نہ کسی نے اس کا دعویٰ کیا۔

حسنین علیہم السلام کا شہداء سے مراد ہونا ظاہر ہے اور صالحین سے باقی آئمہ

مراد ہوتے ہیں کوئی مسلمان شک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ صالحین سے مراد نیکوکاروں کی کامل فرد مراد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں یہ حضرات آئمہ تمام خلائق سے زیادہ صلاح و تقوٰے میں اکمل افراد تھے۔

صواعق محرقہ میں ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ صدیق تین ہیں :۔

۱۔ مومن آل فرعون جس نے حضرت موسیٰ کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کی۔

۲۔ دوسرے حبیب النجار جس نے حضرت عیسیٰ کی نبوت کی تصدیق کی۔

۳۔ حضرت علی علیہ السلام جنہوں نے سب سے پہلے نبوّت ختم الانبیاء کی تصدیق کی اور یہ پہلے دو سے افضل ہیں۔ کیونکہ حضرت علی نے جس دین کی تصدیق کی وہ سب دینوں سے افضل ہے اور جس نبی کی نبوت کی تصدیق کی وہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

تفسیر کبیر میں فخرالدین رازی نے لکھا ہے کہ نبی اور صدیق میں یہ فرق ہے کہ صدیق اگر ایک زینہ بلند ہو جائے تو نبی بن جائے۔ بیشک اگر سلسلہ نبوت آنحضرت کے بعد باقی رہتا تو علی نبی ہوتے ؎

اگر جہاں میں نبی بعد مصطفٰے ہوتے قسم خدا و پیمبر کی مرتضےٰ ہوتے

آیہ زیر غور میں چار گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین دنیا میں کوئی گھر سوائے خانہ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ایسا نظر نہیں آتا جس میں یہ تمام اصناف جمع ہوں اس مقدس گھر میں نہ صرف نبی ہیں بلکہ سید الانبیاء ہیں۔ نہ صرف صدیق ہیں بلکہ افضل الصدیقین ہیں۔ نہ صرف شہید ہیں بلکہ سید الشہداء ہیں۔ نہ صرف صالح ہیں بلکہ افضل الصالحین ہیں۔ یہ بھی خصوصیت اس گھر کو حاصل ہے کہ بیک وقت تمام اصناف جمع ہیں

حضرت علی علیہ السلام نے بر سر منبر فرمایا :۔ انا عبدُ اللہ انا اخو رسولِ اللہ انا الصدیق الاکبر لَا یَقُولُہَا بَعْدِی الا کاذبٌ مفتر۔

میں اللہ کا بندہ ہوں میں رسول اللہ کا بھائی ہوں میں صدیق اکبر ہوں میرے بعد صدیق ہونے کا دعویٰ کرنے والا

مجبوریاں اور مضرتیں ہی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے نوعِ انسان کی فضیلت کے چار درجے [illegible]
نبی کی تصدیق کرنے والا ہو تیسرے راہِ خدا میں شہید ہونے والا ہو [illegible]
درجات نہیں قسمت والوں ہی کے ہاتھ آ گئے ہیں۔ نبوت کے [illegible]
تو سمجھیے کہ اس کا روحانی وقار کتنا بلند ہو گا۔ صحابہ میں اور کسی کو [illegible]
اگر کوئی صدیق تھا یا شہید تھا اگر شہید تھا تو [illegible]
اتنے دن صلاحیت سے محروم رہا اور [illegible]

اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جو اللہ اور رسول کی اطاعت [illegible]
[illegible] کے ساتھ ہو گا جن کی صفت [illegible]
یعنی جب اللہ اور رسول کی اطاعت [illegible]
شہدا و صالحین کا شرف [illegible]
والوں کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہو جاتا ہے [illegible]
علاوہ کچھ چیزیں [illegible] مراتب پر فائز کرتی ہیں۔

صدیقین، شہدا اور صالحین میں بہت سے لوگ داخل ہو سکتے ہیں [illegible]
یہ درجہ صرف انہی لوگوں کو مل سکتا ہے جن پر اللہ نے اپنی نعمتیں [illegible]
سے مراد یہاں مال و دولت وغیرہ نہیں بلکہ روحانی نعمتیں ہیں۔ جیسے کمالِ ایمان، خلوص، [illegible]
علم و تقویٰ، عصمت، یقین سب سے زیادہ اہل بیتِ رسول کے پاس تھیں [illegible]
نے اہل بیت کے [illegible] ایمان [illegible]
[illegible]
[illegible]
فضیلت باقی رہ گئی ہو۔

(۷۰) رفع عیسیٰ علیہ السلام

پ النساء ع ۱۲۱ ۔ وقولھم انا قتلنا المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم انما الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ وما لھم من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ وکان اللہ عزیزا حکیما۔

(یہودیوں کا کہنا تھا کہ ہم نے مسیح عیسٰے بن مریم کو قتل کر دیا انہوں نے نہ قتل کیا نہ سولی دی بلکہ ان کو شبہ ہو گیا۔ لوگ اس بارے میں اختلاف رکھتے ہیں یقیناً وہ ان کے حالات سے دھوکہ میں پڑے ہیں ان کو اس واقعہ کی خبر ہی نہیں فقط اٹکل سے پیچھے پڑے ہیں اور عیسیٰ کو ان لوگوں نے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو (آسمان پر) اٹھا لیا اور بیشک اللہ عزیز و حکیم ہے)

یہودیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسٰے کو قتل کر کے ان کے جسم کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ جب یہودیوں کو ان کی موت کا یقین ہو گیا تو کچھ لوگوں نے رات کے وقت حضرت عیسٰے کو سولی پر سے اتار لیا اور یہودیوں سے پوشیدہ ایک قبر میں رکھ دیا۔ تیسرے روز جب یہودیوں نے قبر کو کھودا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

یہ سب روایات بالکل غلط ہیں۔ قرآن کہتا ہے نہ تو ان کو قتل کیا گیا تھا نہ سولی دی گئی تھی بلکہ انہیں شبہ ہو گیا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ جس گھر میں حضرت عیسٰے تھے جب ایک یہودی ان کو پکڑنے کے لئے گھر میں گھسا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت عیسیٰ کی شکل بنا دیا اور حضرت عیسٰے کو آسمان پر اٹھا لیا۔ یہودیوں نے عیسٰے سمجھ کر اس شخص کو سولی پر چڑھا دیا۔

سر سید احمد خاں صاحب بھی آسمان پر حضرت عیسٰے کے جانے کے قائل نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں وہ اپنی موت مرے۔ رفع کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ رفع روحانی تھا نہ جسمانی یعنی

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے روحانیت کے اعتبار سے بہت بلند مرتبہ بنادیا مرزائی بھی حضرت عیسٰی کی موت کے قائل ہیں وہ توان کی قبر تک کشمیر میں بتاتے ہیں۔

لیکن صحیح وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اس کا ثبوت کہ وہ مرے نہیں اس آیت سے ہوتا ہے:۔ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ (اور اہل کتاب قبل عیسٰی کی موت کے ان پر ایمان ضرور لائیں گے) یہاں اہل کتاب سے مراد یہودی ہیں چونکہ وہ حضرت عیسٰی پر ابھی تک ایمان نہیں لائے لہٰذا حضرت عیسٰی کی موت بھی واقع نہیں ہوئی۔ یہ بہت بڑا ثبوت حضرت عیسٰی کے اب تک زندہ رہنے کا ہے یقیناً وہ آسمان پر اٹھالئے گئے حضرت حجت کے ظہور کے وقت جب آسمان سے زمین پر آئیں گے تب یہودی ان پر ایمان لائیں گے

(۱۷) اچھائی اور برائی کس کی طرف سے ہے

پ النساء ۷۸۔ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ
لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ
مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ۔

اگر ان کو کوئی اچھائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں اے رسول یہ تمہاری طرف سے ہے کہہ دو سب اللہ ہی کی طرف سے ہے اس قوم کو کیا ہو گیا ہے بات کو نہیں سمجھتے جو بھلائی تم کو پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے ہے۔ اس آیت میں مخاطب رسول ہے لیکن مراد امت سے خطاب ہے۔

یہودی کس وقت کہتے تھے [illegible]

کھجوریں خوب پھیلتیں تو کہتے یہ اللہ کی طرف سے ہم پر فضل ہوا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو کہتے ۔
اسے رسول یہ تمہارے آنے کی نحوست ہے۔ منافقین کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی لڑائی فتح ہوتی
اور مال غنیمت خوب ملتا تو کہتے یہ اللہ کی طرف سے ہے اگر شکست کے آثار نظر آنے
لگتے تو کہتے تھے یہ رسول کی طرف سے مصیبت آئی ہے۔ خدا نے اس کا جواب یوں دیا ہے
کہ بلحاظ نظام عالم ہر چیز خدا کی طرف سے ہے۔ تمام قوتیں اس کی پیدا کردہ ہیں لیکن بلحاظ افعال
اختیاری جو مصیبتیں تم پر آتی ہیں وہ خود تمہارے کرتوت کا نتیجہ ہیں خدا کا ان سے تعلق نہیں۔

(۷۲) موسیٰ کلیم اللہ ہیں

پ النساء ع ۲۳: وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۔ (اور خدا نے موسیٰ سے باتیں کیں)

اللہ کے متکلم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہماری طرح کلام کرتا ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ وہ جب چیز میں چاہے کلام پیدا کر دے چنانچہ جب موسیٰ طور پر جاتے تو وہاں ایک درخت سے آواز نکلتی جس کو حضرت موسیٰ کے سوا دوسرا نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ درخت انجیر کا تھا اور بعض کے نزدیک زیتون کا۔ اس سے پہلے وادی ایمن میں بھی خدا ان سے کلام کر چکا تھا۔ بعض کے نزدیک یہ آواز وہاں کی فضا میں پیدا ہوتی تھی۔ بعض کے نزدیک اس درخت سے جس سے آگ کے شعلے نکلتے دیکھ کر حضرت موسیٰ اس کی طرف بڑھے تھے حضرت موسیٰ پہلے شخص ہیں جن سے اس طرح خدا نے کلام کیا۔ ورنہ اور انبیاء یا تو خواب میں کچھ سنتے تھے یا فرشتہ ان سے بات چیت کرتا تھا۔ جیسے حضرت ابراہیم نے اور حضرت لوط نے فرشتوں سے بات چیت کی یا حضرات انبیاء کو القا ہوتا تھا۔

آخری نبی جن سے خدا نے کلام کیا حضرت خاتم الانبیاء ہیں جن سے شب معراج خدا نے باتیں کیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ نے کس چیز میں آواز پیدا کی۔ آنحضرت

Marfat.com

عالم امکان کی آخری حد پر تھے۔ جہاں فرشتہ کی بھی رسائی نہ تھی نہ کوئی درخت تھا نہ در و دیوار نہ آدم نہ آدم زاد۔ پھر یہ آواز کہاں سے آئی۔ ماننا پڑے گا کہ علی کے لہجے میں خدا نے بات چیت کی کیونکہ یہ آواز رسول کو سب سے زیادہ پسند تھی۔ سوال یہ ہے کہ علی وہاں کہاں تھے جن کے لہجے میں بات ہوئی کیا وہ ایک تمثالی وجود سے آواز نکالنے پر قدرت نہیں رکھتا تھا آیہ فاوحی الی عبدہ ما اوحی سے معلوم ہوتا ہے کہ بات چیت ضرور ہوئی اور ایسی خفیہ ہوئی کہ معراج سے واپس آکر حضور نے کسی کو بتایا ہی نہیں اگر اس کا تعلق احکام عبادات وغیرہ سے ہوتا تو آپ ضرور بتاتے۔ ضرور کوئی ایسا راز تھا جس کے قبل از وقت بتانے سے فساد کا اندیشہ تھا لہذا بلغ ما انزل ۔ کی تبلیغ پر عمل کی گئی۔

---

(۳) کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے کے معنی

پ النساء ع ۲۳ ۔ انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاہا الی مریم وروح منہ

(عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول ہیں اور ان کا کلمہ ہیں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مفسرین نے لکھا ہے [illegible]

اللہ تعالیٰ نے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے جسم اقدس میں کتنی نورانیت تھی آپ کے ہر حصہ بدن میں وہی نورانیت تھی جو آنکھ کی پتلی میں ہوتی ہے۔ جب ہی تو آپ جیسے آگے سے دیکھتے تھے ویسے ہی پیچھے سے دیکھتے تھے

عیسائیوں کا کلمۃ اللہ اور روح اللہ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ خدا کے بیٹے تھے دیوانگی ہے کیونکہ وہ مریم کے بیٹے تھے نہ کہ خدا کے۔ اسی لئے قرآن میں جابجا ان کی ماں کا نام ذکر کیا گیا ہے اور عیسیٰ بن مریم کہا گیا ہے۔ ان کا ماں کے بطن سے پیدا ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ حادث تھے واجب نہ تھے۔ ممکن تھے قدیم نہ تھے۔ جو چیز پیدا ہو وہ ضرور نیست سے ہست ہوگی اور جو ایسا ہو وہ خدا کہلانے کی قابل نہیں۔

---

(۴) اکمال دین و اتمام نعمت

پ المائدہ ع ۱:۔ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

(آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا)

یہ آیت قرآن مجید کی آخری آیت ہے جو غدیر خم میں امیرالمومنین علیہ السلام کی خلافت کے اعلان کے بعد نازل ہوئی لیکن جامع قرآن نے تعصب یا سیاسی مصالح کی بنا پر اس کو سورۂ مائدہ میں لاڈالا ہے اور اوسان ایسے خطا تھے کہ اس مقام پر رکھا جہاں کسی طرح جوڑ بیٹھتا ہی نہیں اول میں جانوروں کے حلال وحرام کا ذکر ہے اور بعد میں بھی یہی سلسلہ ہے۔ بھلا اکمال دین اور اتمام نعمت کو اس ذکر سے کیا تعلق۔ ایسے بے جوڑ اور بے ربط کلام تو معمولی قابلیت کے انسان مصنفوں سے بھی سرزد نہیں ہوتا خدا کا تو ذکر ہی کیا۔

خدا کی قدرت دیکھو جہاں کہیں فضائل اہل بیت کے متعلق کسی آیت کو اس کے صحیح مقام سے ہٹایا ہے اس کا جوڑ صحیح بیٹھا ہی نہیں۔ آیت تطہیر ہی دیکھو کسی بے تک جگہ

Marfat.com

جگہ میں لاکر رکھا ہے اور وہ بھی نساء نبی کو سرزنش میں اور آخر میں بھی اس کے بیچ میں آیت تطہیر بے جوڑ بے ربط۔

مشہور واقعہ یہ ہے کہ جب غدیر خم میں حضرت رسول خدا نے علی کی خلافت کا اعلان کیا اور فرمایا: من کنتُ مولاہ فھذا علیٌ مولاہ تو اس واقعہ کے بعد جبرئیل امین آیہ اَکملتُ لکم دینکم لے کر نازل ہوئے جس سے ثابت ہوا کہ بغیر تقرر خلیفہ و جانشین دین کامل نہیں ہو سکتا کیونکہ جس دین کی بقاء کا آئندہ کے لئے کوئی بندوبست نہ ہو وہ ناقص ہی کہلائے گا اور چند روز بعد ختم ہو جائے گا کیونکہ جب صحیح طور سے تبلیغ کرنے والا نہ ہو تو لوگوں کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں اور اس بنا پر اس دین سے ان کو نفرت ہو جاتی ہے۔

جو لوگ خلافت علی کو پسند نہ کرتے تھے اور اس کو اپنا حق سمجھتے تھے یہ اعلان ان کو پسند نہ آیا اور اس واقعہ کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے مولا کے معنی دوست اور ناصر کے ثابت کئے اور اولیٰ بالتصرف کے معنی کو بے محل بتانے کی کوشش کی لیکن ان ناروا تدبیروں سے یہ امر حق تو وہ کہاں تک چھپ سکتا تھا۔

کوئی ان صاحبان عقل سے پوچھے کہ اگر خلافت علی کے اعلان کے بعد دین کامل نہیں ہوا تو بتاؤ غدیر خم میں وہ کیا واقعہ پیش آیا جس سے دین کو کمال حاصل ہوا۔ الیوم [illegible] سے کہ پہلے جو کچھ ہوا تھا وہ کمال دین کے لئے کافی نہ تھا [illegible] آج پورا کر کے کامل کر دیا گیا سوائے اعلان خلافت اور کوئی امر ایسا نہ تھا جسے حضرت اپنی امت تک نہ پہنچا چکے ہوں۔ قرآن میں جتنے احکام ہیں وہ سب حضور نے ایک ایک کر کے امت کو پہنچا دیئے۔ اس واقعہ کے بعد کوئی نیا حکم آیا ہی نہیں اور دین [illegible] تمام احکام سے کامل ہو گیا تھا تو یہ کیا معنی ہیں [illegible] کہ آج دین کامل ہو گیا اور وہ کون نعمت تھی جو اب تک مسلمانوں کو نہیں ملی تھی اور آج مل گئی۔ سوائے اعلان خلافت نہ رسول اللہ نے اور کسی نعمت کا ذکر ہی نہیں کیا۔

اگر کہا جائے کہ جانوروں کی حلت وحرمت کا ذکر جو اس آیت سے پہلے ہے اس کے جاننے کے بعد دین کامل ہوا تو ہم پوچھتے ہیں کہ غدیر خم کے واقعہ کے بعد حضور چند روز زندہ رہے کیا اب تک انہیں پتہ نہ تھا کہ مردہ خون اور لحم خنزیر حرام ہے کیا اب تک انہیں یہ بتایا ہی نہیں گیا تھا کہ خدا کے سوا اگر کسی دوسرے کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہے۔ اس طرح اس سلسلے میں جو اور جانوروں کے حرام ہونے کا ذکر ہے۔ کیا مسلمان قطعاً ان سے واقف نہ تھے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ مسلمان آنحضرت کی زندگی کے آخری دور تک حرام گوشت کھاتے رہے معلوم ہوتا ہے آیہ اکملت لکم دینکم سے اوپر کی اور اس کے نیچے کی آیات کہیں اور کی ہیں یہاں کی نہیں حلال وحرام جانوروں کے احکام تو آغاز رسالت میں ہونے چاہئیں نہ کہ رسالت کا دور ختم ہونے تک

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیہ اکملت لکم دینکم غدیر خم میں نازل نہیں ہوئی۔ کیونکہ اگر اس سے پہلے کسی اور مقام کسی اور موقع پر نازل ہوئی تھی تو الیوم کا مطلب یہ ہوا کہ اس دن دین تمام ہوا لہٰذا بتایا جائے کہ اگر غدیر خم میں نہیں تو پھر کس جگہ دین تمام ہوا تھا اور کس وجہ سے ہوا تھا اگر اعلان خلافت علی سے پہلے دین کامل ہو چکا تھا تو حضور نے اس کا اعلان حج آخر کے وقت مکہ میں کیوں نہ فرما دیا تاکہ سب مسلمان سن لیتے اس کو کیوں اٹھا رکھا ایک ایسے وقت کے لئے جو حد درجہ گرم تھا اور ایسے مقام کے لئے جو قافلوں کی منزل نہ تھی اور ایک ویران وسنسان خار زار زمین تھی کوئی سایہ دار درخت نہ تھا پھر مسلمانوں کو روک کر اور حی علی خیر العمل کی ندا کرا کے کیوں روکا یہ خود اس کی دلیل ہے کہ کوئی امر اہم باقی رہ گیا تھا جس کے بغیر تکمیل دین نہیں ہو سکتی تھی۔

تفسیر درمنثور میں اس آیت کی شان نزول غدیر خم میں خلافت امیر المومنین کے متعلق ہی لکھی ہے۔ لہٰذا اس آیت کو آخر میں ہونا چاہیئے لیکن آخر میں رکھا جاتا تو حساب خراب ہو جاتا اور پتہ چلانے والے سب کچھ معلوم کر لیتے۔

Marfat.com

(۷۵) وضو

پ۶ المائدہ ع ۲ - یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ -

(اے ایمان والو جب تم نماز کے لیے آمادہ ہو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیا کرو اور اپنے سروں کا اور ٹخنے تک پیروں کا مسح کر لیا کرو)

ہمارے اور اہلسنت کے وضو میں فرق ہے -

(۱) وہ منہ دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر دھوتے ہیں ہم صرف داہنے ہاتھ میں پانی لے کر منہ پر ڈالتے ہیں اور دھوتے ہیں - منہ کوئی آتنا بڑا رقبہ نہیں کہ دونو ہاتھوں سے دھویا جائے -

(۲) ہم کہنیوں سے ہاتھوں کے آخر تک دھوتے ہیں وہ الٹا کرتے ہیں یعنی ہاتھوں سے دھوتے ہوئے کہنیوں تک لے جاتے ہیں - الی المرافق میں الیٰ معنی تک لیتے ہیں لیکن تم [illegible] دروزہ کو تمام کر [illegible] تک ، یہاں رات داخل ہی نہیں ہونے پاتی [illegible] ہیں [illegible] الیٰ کے معنی آغاز کے لیتے ہیں [illegible]

(۳) ہم پیروں کا مسح کرتے ہیں وہ پیروں کو دھوتے ہیں حالانکہ [illegible]

[illegible] یعنی ایک ہی فعل [illegible]

پیروں [illegible] وَاغْسِلُوْا سے متعلق کیا جائے [illegible]

[illegible]

[illegible] نماز سے پہلے وضو [illegible]

[illegible] ہو جاتے ہیں [illegible]

سے بدن میں تازگی آجاتی ہے [illegible]

اگر کوئی یہ کہے کہ جب منہ دھوئے اور ہاتھ دھوئے [illegible]

تو پیر کیوں نہیں دھوئے جاتے تاکہ وہ بھی صاف ہو جائیں اور گندگی دور ہو جائے۔ جواب یہ ہے کہ پیر اگر گندے ہوں تو انہیں پہلے دھو لینا چاہئے۔ گندے پیر پر کیوں مسح کیا جائے۔ اگر ٹھنڈک پہنچانی ہے تو مسح کے بعد دھو لینا چاہیئے۔

غالباً وضو میں پیروں کا دھونا اس لئے نہیں رکھا گیا کہ اکثر مقامات پر پانی کم ہوتا ہے۔ بالخصوص عرب میں ایک گلاس پانی چار آنہ کو ملتا ہے اگر پیروں کا دھونا واجب کیا جاتا تو زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی نہ ملتا تو وضو ناقص رہ جاتا۔ لہٰذا سہولت کے لئے قدرت نے پیروں کو دھونا واجب نہیں کیا۔ جہاں پانی کی افراط ہے۔ وہاں پر قیاس ان مقامات کا نہ کیجئے جہاں پانی نہیں ملتا۔ شریف حیدر انجینئر نے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں ممباسہ ریل نکل رہی تھی۔ میں وہاں بہ حیثیت انجینئر کام کر رہا تھا۔ وہاں پانی کا ایسا توڑا تھا کہ بسا اوقات پینے کو نہ ملتا تھا جب نماز کا وقت آتا تھا۔ تو بمشکل اتنا پانی دستیاب ہوتا تھا کہ بغیر پیر دھوئے وضو کرلیں۔ وہاں دو باتیں میری سمجھ میں آئیں ایک تو دونو نمازیں ایک ساتھ پڑھ لینے کا حکم دوسرے وضو میں پیر دھونا واجب نہ ہونا چنانچہ میں ایک ہی وضو میں دونو نمازیں پڑھ لیتا تھا۔

---

(۷۶) نوُر اور کتاب مبین

پ۶ المائدہ ع۳:۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ۝

(تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا ہے اور کتاب مبین)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ہدایت کے لئے دو چیزیں بھیجی ہیں۔ ایک نور ایک کتاب مبین۔ اگر صرف کتاب خدا کافی ہوتی تو نور کو اس کے ساتھ کیوں رکھا جاتا۔ چونکہ حکم قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے ہے لہٰذا ہر زمانہ میں دو ہادی ہونے ضروری ہیں مطلب ہے کہ کتاب خدا کو مسلمان روشنی میں پڑھیں تاریکی میں نہیں یہ روشنی ہر زمانہ میں ہونی چاہیئے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ نور سے مراد وجود پر نور سرور کائنات ہے پس حضرت کے بعد کتاب کے ساتھ کونسا نور ہوگا۔ اگر صرف قرآن ہی رہے گا اور نور مفقود ہو جائے گا تو بعد والے لوگ یہ شکایت کریں گے۔ حضور کے زمانہ میں مسلمانوں کی ہدایت کے لئے دو ہادی تھے اگر قرآن ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا تو حضور سے دریافت کر لیتے تھے۔ لیکن ہمارے لئے تو ایک ہی ہادی رہا اور وہ بھی ساکت و صامت ہے جو ہماری کسی غلطی پر ہم کو آگاہ نہیں کر سکتا اور نہ کسی مسئلہ میں راہ عمل بتاتا ہے۔ اسلام میں تہتر فرقے ہیں ہم عمل میں کس کی پیروی کریں اور قرآن کے معانی کس سے سمجھیں۔ حضور سرور انبیاء نے اس شکایت کو دور کرنے کے لئے مذکورہ بالا آیت کے مضمون کو حدیث ثقلین میں زیادہ وضاحت سے بیان فرمادیا۔ یعنی میں دو گرانقدر چیزیں تم میں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب دوسرے میرے اہل بیت۔ اگر تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔

خدا نے جس کو نور کہا ہے رسول نے اس کا مفہوم اہل بیت سے ادا کر دیا ہے چونکہ یہ حدیث قرآن کے مطابق ہے لہٰذا کوئی اس کی صداقت سے انکار نہیں کر سکتا جن لوگوں نے اہلبیت کو چھوڑ دیا اور صرف کتاب خدا کو کافی سمجھا انہوں نے صراحۃً حکم رسول کی خلاف ورزی کی

۷۷۔ زمانہ فترت

پ۶ المائدہ ع ۳۔ یَا أَهْلَ الْکِتَابِ قَدْ جَاءَکُمْ رَسُولُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ عَلٰی فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِیرٍ وَلَا نَذِیرٍ فَقَدْ جَاءَکُمْ بَشِیرٌ وَنَذِیرٌ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیرٌ۔

اے اہل کتاب جب پیغمبروں کی آمد میں رکاوٹ پیدا ہوئی تو ہمارا رسول تمہارے

پاس آیا جو احکام خدا کو صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم کہیں یہ نہ کہہ بیٹھو کہ ہمارے پاس تو کوئی خوشخبری دینے والا یا ڈرانے والا پیغمبر آیا ہی نہیں (تو اب تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ) تمہارے پاس وہ پیغمبر آیا ہے جو بشیر و نذیر ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے)

بنی اسرائیل میں متواتر نبی مبعوث ہوتے رہے۔ حضرت عیسےٰ کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا اس انقطاع نبوّت کے زمانہ کو زمانۂ فترت کہتے ہیں۔ حضرت عیسےٰ اور آنحضرت کے درمیان ۵۶۹ سال شمسی کا فاصلہ ہے۔

مفسرین کا بیان ہے کہ فترت سے یہ مراد ہے کہ حضرت عیسےٰ کے بعد چار نبی مبعوث ہوئے کہ ان کا زمانہ ۱۳۴ برس کا ہے اس کے بعد فترت کا زمانہ ہے ان چار نبیوں کے نام یہ ہیں یونس۔ یحییٰ۔ شمعون الصفا۔ خالد بن سنان عبسی۔ لوامع التنزیل اور تفسیر صافی میں اکمال صدوق علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ فترت سے مراد یہ ہے کہ کوئی نبی یا وصی اس زمانہ میں ظاہر یا مشہور نہ تھا۔ آنحضرتؐ اور عیسیٰؑ کے درمیان جو نبی گزرے ہیں۔ وہ مخفی رہ کر تبلیغ کرتے رہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہ سکتی۔ چاہے وہ حجت ظاہر و مشہور ہو یا خائف و غائب۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے اگر روئے زمین پر دو شخص بھی رہ جائیں تو ایک ان میں سے حجت ہوگا (کافی) پس معلوم ہوا کہ زمانہ فترت میں جو اوصیائے انبیاء تھے وہ خفیہ تبلیغ کرتے تھے۔

---

(۷۸) وادی تیہ

پ المائدہ ع ۴۔ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ۔

خدا نے فرمایا (اچھا) تو ان کی سزا یہ ہے کہ چالیس برس تک یہ لوگ تیہ (مصر کے جنگلوں) میں سرگرداں رہیں گے)

Marfat.com

بنی اسرائیل بڑی سرکش قوم تھی بات بات پر حضرت موسیٰ کی مخالفت کرتے تھے اور لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے تھے۔ جب قوم عمالقہ سے لڑنے کے لئے حضرت موسیٰ نے کہا تو اکڑ گئے کہ ہم تو ان سے لڑنے نہیں جائیں گے۔ یہ بڑے طاقت ور اور سرکش لوگ ہیں۔ آپ اور آپ کا رب جا کر ان سے لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ غرض اس نافرمانی کی سزا میں چالیس سال وادی تیہ میں محبوس رکھے گئے۔ جہاں سے چلتے تھے وہیں آجاتے تھے۔ حالانکہ وادی کا رقبہ کل پندرہ میل تھا۔ یہیں حضرت موسیٰ کا انتقال ہوا۔ یہیں بنی اسرائیل کے لئے من و سلویٰ اترا تھا۔

---

(۹) عوج بن عوق

پ المائدہ ع ۱۳: فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ۔

(پھر اس کے بعد تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے وہ راہ راست سے بھٹک گیا)

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے ترجمۂ قرآن پر حسب ذیل حاشیہ لکھا ہے:

جب فرعون ڈوب گیا اور بنی اسرائیل کو مصر کی سلطنت مل گئی تو حکم ہوا [illegible] قوموں سے لڑو تم کو ایسے ہزار شہر مل جائیں گے کہ ہر ایک میں ایک ایک ہزار باغات ہیں۔ غرض حضرت موسیٰ نے بارہ قبیلوں میں سے ہر ایک قبیلہ کا ایک ایک سردار بنا کر کو چن لیا وہ بارہ سردار عمالقہ کی تلاش میں جا رہے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کی عوج بن عوق سے ملاقات ہوئی جس کا قد تین ہزار تین سو گز تھا اور بروایت تین لاکھ [illegible] باہر نکلا رہتا تھا [illegible] پانی [illegible] بھون لیتا طوفان نوح [illegible] اور اس کی عمر تین ہزار [illegible] نے عمالقہ کی تلاش میں بھیجا تھا تو بارہ دیکھ [illegible] لوگ بھی [illegible]

پر سخت تعجب ہوا اور اس نے ان لوگوں کو اپنے دامن میں رکھ کر کمر میں باندھ لیا اور اپنی ماں کے سامنے لا کر ڈال دیا۔ جس کا نام موق تھا اور اس کی ایک ایک انگلی تیس تیس گز لمبی تھی اور کہنے لگا اماں دیکھو یہ لوگ مجھ سے لڑنے آئے ہیں۔ ماں نے کہا ان کو مارو نہیں بلکہ چھوڑ دو تاکہ سارا حال اپنے لشکر والوں سے بیان کریں اور وہ الٹے پاؤں پھر جائیں۔ جب یہ لوگ باغ میں گئے تو ایک ایک انار اتنا بڑا دیکھا کہ اس کے چھلکے میں پچاس آدمی سما سکیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ لوگ حضرت موسیٰ کے پاس آئے اور یہ حال بیان کیا۔ حضرت موسیٰ نے ان کو لڑنے کی ترغیب دی اور لشکر لے کر پہنچ گئے تو پہاڑ کا ایک ٹکڑا سر پر رکھ کر ان کو تباہ کرنے کے ارادے سے چلا خدا کی شان ایک جانور نے ہیرے کے ٹکڑے سے اس پتھر میں سوراخ کر دیا۔ جس سے وہ پتھر اس کے گلے میں طوق ہو گیا اور کسی طرح نہ نکل سکا۔ حضرت موسیٰ یہ دیکھ کر جوش میں بڑھے اور اچھل کر ایک عصا مارا اور باوجودیکہ حضرت موسیٰ خود چالیس گز کے تھے اور چالیس گز اچھلے اور عصا بھی چالیس گز کا یعنی سب مل کر ۱۲۰ گز) اس پر بھی اس کے ٹخنے تک پہنچے غرض وہ گرا اور بنی اسرائیل نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ نے ہر چند ہمت دلائی مگر بنی اسرائیل آگے نہ بڑھے۔ ایک روایت میں ہے کہ تین ہزار برس تک دریائے نیل پر اس کے پاؤں کی ہڈی کا پل بنا رہا۔

میں عرض کرتا ہوں کہ اگر مولانا مرحوم قرآن جیسی مقدس کتاب کے حاشیے پر یہ روایت نہ لکھتے تو اچھا ہوتا۔ روایت کیا ہے طلسم ہوش ربا یا داستان امیر حمزہ کا ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ شروع سے آخر تک اس روایت کی ساری چولیں ڈھیلی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ مخلوق کہاں بستی تھی یہ لوگ دیو تھے جن تھے یا بھوت تھے آخر کیا بلا تھے جن کے قد تین ہزار گز یا مردا ہے تین لاکھ تینتیس ہزار گز لمبے ہوں گے۔ جن کی انگلیاں تیس تیس گز کی ہوں آخر یہ رہتے کہاں تھے۔ جن کے قد تین ہزار گز بلند ہوں ان کے مکان تو یقیناً ۲۰ ہزار گز بلند ہوں گے۔ آفتاب سے مچھلی کا بھون لینا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ تین ہزار گز کی بلندی پر ایسا سخت آتش فشاں ہو جاتا ہے

Marfat.com

کہ اس کی گرمی سے مچھلی بھون لی جائے۔ ہوائی جہازوں نے تو یہ بات نہیں بتائی۔ پھر بادل نچوڑ کر پانی پینا کیسی مضحکہ خیز بات ہے کیا بادل کوئی کپڑا تھا۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ عوج کے پاؤں کی ہڈی کا دریائے نیل پر پل بنا دیا گیا۔ اگر دریائے نیل کا پاٹ کم سے کم ایک میل چوڑا بھی مان لیا جائے تو یہ ہڈی کتنا بڑا ہوگا۔ جس کی ہڈی انگلیوں کے علاوہ اتنی لمبی ہوگی پھر کس قدر صداقت ہے راوی کے اس کلام میں کہ یہ پل تین ہزار برس تک بنا رہا اور گاڑیاں، گھوڑے آدمی اور جانور سب چلتے رہے اس مدت دراز میں اگر فولاد کا پل بھی ہوتا تو ٹوٹ پھوٹ جاتا مگر عوج کے پاؤں کی ہڈی خدا جانے کس دھات کی بنی ہوئی تھی کہ تین ہزار برس اپنے مقام پر جمی رہی پھر خدا جانے اس کا کیا حشر ہوا۔ چھتا اتنا بڑا کہ پچاس آدمی اس کے اندر سما جائیں خدا جانے یہ باغ کہاں تھا۔ ہمارے مفسروں اور مترجموں نے خدا جانے اتنی بے احتیاطی کیوں اختیار کی ہے کہ جو روایت جہاں سے ملتی ہے بغیر تحقیق و تنقید لکھ دیتے ہیں۔ روایت کے مقابلے میں درایت سے کام لینا گناہ سمجھتے ہیں۔ راوی کو کم از کم اتنا تو غور کر لینا چاہئے تھا کہ جس قوم سے لڑنے کے لئے جس کا ایک فرد عوج تھا۔ موسیٰ اپنی قوم کو لڑنے کی ترغیب کیوں دے رہے تھے۔ آدمی کا مقابلہ آدمی سے ہوتا ہے نہ کہ ایسی عجیب الخلقت مخلوقات سے جو انسانی طاقت سے کوسوں دور ہو یہی قوم عمالقہ تھی جس کا ایک فرد جالوت تھا جس سے طالوت لڑے اور حضرت داؤد نے اس کو قتل کر دیا۔ لیکن جالوت کے متعلق یہ خیالی واقعات کسی نے نہیں لکھے۔ یہ درست ہے کہ وہ بڑا طاقتور بھی تھا اور قد بھی تھا مگر اتنا کہ حضرت موسیٰ جیسا انسان اس کو دیکھ کر تعجب نہ کرتے۔

(۸۰) ہابیل و قابیل

پ المائدہ ع ۵: واتل عليهم نبا ابني ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدهما ولم يتقبل من الآخر قال لاقتلنك قال انما يتقبل الله من المتقين

اے رسول! آدم کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل کا قصہ بیان کرو جب ان دونوں نے خدا

کی بارگاہ میں نیازیں چڑھائیں تو ان میں سے ایک (ہابیل) کی نذر تو قبول ہوئی اور دوسرے قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی (تو مارے حسد کے ہابیل سے) کہنے لگا میں تجھے ضرور مار ڈالوں گا اس نے جواب دیا (بھائی اس امر میں میرا کیا بس ہے) خدا تو صرف پرہیزگاروں کی نذر قبول کرتا ہے)

اس واقعہ میں چند باتیں قابل غور ہیں :-

(۱) دنیا میں سب سے پہلے حسد کرنے والا قابیل تھا چونکہ حضرت آدم کی زیادہ توجہ ہابیل کی طرف تھی اس لئے کہ یہ خیر پسند اور نکوکار تھا اور شاید اسی کو اپنا جانشین بنانا چاہتے ہوں گے یہ خلافت ہے جھگڑے کی چیز۔ جب عالم بالا میں تھے تو ملائکہ سے جھگڑا ہو گیا۔ زمین پر آئے تو قابیل جل مرا۔

(۲) قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا یعنی جب وہ سو رہے تھے ظالم قابیل نے ان کا سر پتھر سے کچل دیا۔ یہ انسان کا پہلا خون تھا جو زمین نے چوسا۔

(۳) قابیل کو یہ فکر ہوئی کہ لاش کو کہیں چھپا دے تاکہ ماں باپ کا پتہ نہ چلے مگر کوئی تدبیر بن نہ آئی آخر ایک کوّے کو دیکھا کہ وہ ایک مردہ کوّے کے لئے اپنی چونچ سے زمین کھود رہا ہے تاکہ اسے دفن کر دے۔ قابیل نے اس سے سبق لیا۔ اگر خدا کو مُردوں کا دفن ہونا پسند نہ ہوتا تو کوّے کو قابیل کی ہدایت کے لئے کیوں بھیجتا۔ مُردوں کو جلانے والے اس واقعہ سے سبق لیں۔

(۴) کوّا سب سے پہلا وہ جانور ہے جس نے انسان کو دفن کرنے کا طریقہ بتایا۔

(۵) قابیل دیوانہ ہو گیا۔ جنگلوں میں مارا مارا پھرتا تھا آخر اسی حالت میں مر گیا۔ بے جرم و خطا کسی کو قتل کرنے کی بسا اوقات ایسی ہی سزا ملتی ہے قاتل کا ضمیر اس کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا اور یہ کہ قاتل چھپتا نہیں یہ قدرت کا قانون ہے۔

Marfat.com

(۸۱) وسیلہ تلاش کرنے کا حکم

پ المائدہ ع ۶: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے تقرب کے ذریعہ کی جستجو کرو۔

حدیث میں ہے کہ ذریعہ سے مراد آئمہ اہل بیت ہیں جن کے ذریعہ سے تقرب ایزدی حاصل کرنے کی کوشش کرو کیونکہ یہ مقربان بارگاہ الٰہی ہیں ان سب باتوں سے واقف ہیں جو خدا کو بندوں سے قریب کرنے والی ہیں جب تک آئمہ اہل بیت کو وسیلہ نہ بنایا جائے گا اور ان کی محبت کو دل میں جگہ نہ دی جائے گی ہرگز تقرب ایزدی حاصل نہ ہوگا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر [illegible] آئمہ اہل بیت کو ذکر کیا ہے۔

(۸۲) چور کی سزا

پ المائدہ ع ۶: السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما [illegible]

من اللہ واللہ عزیز حکیم۔

چور خواہ مرد ہو یا عورت قرآن کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عادی بن جاتا ہے اگر ہر ملک والے اسلامی سزا کو اپنا لیں تو پھر چور اوّل تو چوری کے قابل ہی
گا نہیں اگر رہے گا بھی تو لوگ اس کی انگلیاں کٹی ہوئی دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ چوری میں سزا یافتہ
ہے قابل اعتماد نہیں اسے کوئی مالی خدمت سپرد نہ کی جائے گی۔

(۴۳) نُور

پ المائدہ ع ۷:۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ۔

(ہم نے توریت نازل کی جس میں لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور نور بھی ہے)

اور اسی رکوع میں ہے:۔ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ۔ (ہم نے (عیسیٰ) کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے)

عام طور پر ہر وہ چیز نورانی سمجھی جاتی ہے جس میں چمک اور روشنی ہو لیکن یہ نور کی ظاہری صورت ہے ایک صورت اس کی باطنی بھی ہے۔ جس طرح آفتاب و ماہتاب، چراغ، بجلی کے بلب تاریکی کو دور کر دیتے ہیں اور ہر مادی چیز صاف نظر آتی ہے اس طرح باطنی ظلمت کو بھی دور کرنے والی چیزیں ہیں۔ توریت۔ انجیل اور قرآن اسی معنی میں نور ہیں کہ وہ کفر و شرک و ضلالت کی تاریکی کو دور کر دیتے ہیں حدیث میں ہے۔ العلم نور یقذفہ اللہ فی قلب من یشاء (علم نور ہے اور جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے) ظاہر ہے کہ انسان کے دل سے علم حاصل کرنے کے بعد جہالت کی تاریکی دور ہو جاتی ہے۔

نور کے معنی ایک مخصوص قوت کے بھی ہیں جو مادی قوت سے ایک علیحدہ چیز ہے خدا نے سب سے پہلے ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ کا نور خلق فرمایا۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا ہے اوّل ما خلق اللہ نوری اس نور سے کائنات کو خلق ہوئی۔ یعنی اللہ نے آپ کی قوت پیدا کی یا یوں کہئے اللہ تعالیٰ نے تمام قوتوں کا خواہ وہ سماوی ہوں یا ارضی ایک پاور ہاؤس بلا تشبیہ پیدا کیا اور اس سے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔

Marfat.com

بجلی کا ایک پاور ہاؤس ہوتا ہے جہاں سے برقی رو چلتی ہے کہیں تو وہ بلب روشن کرتی ہے کہیں انجن چلاتی ہے کہیں پنکھے گھماتی ہے کہیں ریڈیو میں آواز پیدا کرتی ہے کہیں ٹیلی ویژن میں تصویر دکھاتی ہے کبھی ایٹم بم بن جاتی ہے۔ اگر یہ قوت نہ ہو تو کارخانہ عالم میں تاریکی پھیل جائے اور تمام کاروبار معطل ہو جائیں۔

بلاشبہ اسی طرح پہلے نور محمدی کو پیدا کیا گیا اس کے بعد اس قوت سے تمام چیزیں خلق ہوئیں۔ حدیث قدسی ہے: لولاک لما خلقت الافلاک اے رسول اکرم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا۔ پس افلاک سب سے پہلے پیدا ہوئے اور انہی کی گردش سے تمام کائنات بنی۔ تمام مخلوقات ارضی عالم وجود میں آئی۔

مادیین کہتے ہیں مادہ قدیم ہے اس سے تمام چیزیں خلق ہوئی ہیں۔ میں کہتا ہوں اول مخلوق نور ہے۔ نور نے مادہ کو پیدا کیا ہے نہ کہ مادہ نے نور کو۔ قدیم یونانیوں نے یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ مادہ ٹوٹ پھوٹ کر آخر میں ایک ایسا جز بن جاتا ہے کہ پھر اس کا تجزیہ نہیں ہو سکتا اس جز کو وہ جزو لا یتجزیٰ کہتے ہیں انگریزی میں اس کا نام ایٹم ہے لیکن اب تو سائنس دانوں کا تجربہ ہے کہ جزو لا یتجزیٰ بھی توڑا جا سکتا ہے چنانچہ جب انہوں نے اس کا تجزیہ کیا تو اس میں سے دو برقی شعاعیں نکلیں اور مادہ کا وجود ختم ہو گیا ان دونوں برقی شعاعوں کا نام الیکٹران و پروٹان ہے اس سے ثابت ہوا کہ نور کی دو شعاعوں نے مادہ کا ایک سب سے چھوٹا جز بنایا تھا۔ اس نور نے مادہ کے [illegible] مختلف مخلوق کو مدبر عالم اپنی قدرت کے تحت بناتا چلا گیا اور یوں یہ کائنات [illegible]

یہ بھی قابل غور بات ہے کہ نور کی دو شعاعیں تھیں ایک سے عالم مادی [illegible] حضرت رسول خدا نے انا و علی من نور واحد فرما کر بتا دیا کہ اس نور کے جو اول مخلوق ہے دو جز تھے ایک میں دوسرے علی۔

اب سوال یہ ہے کہ جب یہ نور اول خلق تھا تو [illegible]

ہونی چاہیے اور جگہ کے لئے جہات کا ہونا ضروری ہے لیکن جب اس نور سے پہلے کچھ تھا ہی نہیں تو پھر اس کا قیام کہاں رہا۔

اس شبہ کا ازالہ یوں ہے کہ آپ جگہ کا تصور عالم امکاں میں کر رہے ہیں جو چیز حدود امکاں سے بالاتر ہو اس کے لئے جگہ اور زمانہ آپ کے تصور میں نہیں آسکتا۔ آپ یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اس نور کو خدا نے کب پیدا کیا کیونکہ کب وقت کا تعین چاہتا ہے اور وقت بنتا ہے کسی چیز کی حرکت سے مثلاً آپ کی گھڑی کی سوئی جب چلتے چلتے بارہ کے ہندسہ پر پہنچتی ہے تو آپ کہتے ہیں بارہ بج گئے لیکن دو مقام نہ ہوتے یعنی جہاں سے چلی اور جہاں پہنچی تو آپ وقت نہ بتا سکتے تھے۔ پس جب نور رسالت سے پہلے کوئی چیز نہ تھی تو دو مقام کیسے ہوئے اور جو چیز ان دونوں کے درمیان حرکت کرتی وہ کہاں پائی جاتی تھی لہٰذا وقت اور جگہ کا تعین صرف عالم امکاں میں کیا جاتا ہے نہ کہ عالم نور میں۔ اس کا سمجھنا عقول بشری سے خارج ہے کیونکہ عقول بشری کی رسائی صرف عالم امکان حدوث تک ہے اس لئے آنحضرت نے فرمایا ہے۔ میں خلقت آدم سے چودہ ہزار سال پہلے خلق ہوا اور یہ بھی فرمایا میں اس وقت نبی تھا جب آدم میان آب و گل تھے۔ غرض

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضرت نے یہ بھی فرمایا اے علی تم کو نہیں پہچانا مگر میں نے اور خدا نے اور مجھے نہیں پہچانا مگر تم نے اور خدا نے اور خدا کو نہیں پہچانا مگر میں نے اور تم نے۔ یہ معرفت کے درجات بہت بلند ہیں ان انسانوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے جن کی عقول کی رسائی صرف مادیت تک ہے

(۵۰۴) یہود و نصاریٰ کو اپنا سرپرست نہ بناؤ

پ المائدہ ع ۱۸۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔

(اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو اپنا سرپرست نہ بناؤ کیونکہ یہ لوگ تمہارے

Marfat.com

مخالف ہیں) اور باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جس نے ان کو اپنا سرپرست بنا لیا تو وہ بھی ان ہی لوگوں سے ہو گیا بیشک اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا)

یہ ایک فطری اصول ہے کہ جب کسی قوم کی فوقیت و برتری تسلیم کر لی جاتی ہے اور اس سے میل جول بڑھ جاتا ہے تو اس کے اخلاق معاشرتی اور تمدنی مراسم کی طرف طبیعت راغب ہونے لگتی ہے اور لوگ اپنے قومی و مذہبی دائرہ سے باہر ہونے لگتے ہیں۔

سامنے کی مثال ہے کہ جب قوم نصاریٰ سے میل جول بڑھا یا اور ان کی تہذیب کو اسلامی تہذیب پر ترجیح دی تو نتیجہ میں تمام اسلامی مراسم سے ان کو نفرت ہو گئی۔ زیادہ تر مسلمان انگریزی تہذیب اور انگریزی اخلاق و عادات اختیار کئے ہوئے ہیں غرض رفتار و گفتار نشست و برخاست ملنا جلنا، کھانا پینا سب انہیں کا سا ہو گیا انتہا یہ ہے کہ اسلامی عبادتوں کو بھی ترک کر دیا۔ نماز احمقانہ خیال آنے لگا روزہ [illegible] کی عادت قرار پایا۔ حج کے لئے مکہ مدینہ جانا ترک [illegible] یورپ کی سیر واجب [illegible] لازم [illegible] سمجھی جانے لگی جو تہذیب کا ایک جزو [illegible]

یہود و نصاریٰ کی [illegible] اور فوقیت و برتری کے قبول [illegible]

کاش مسلمان خدا اور رسول کی ان ہدایات کو سمجھتے [illegible] مسلمان ان [illegible]

احکام اسلام کی خلاف ورزی نہ کرتے [illegible] سے تعلق پیدا [illegible]

سیاسی تقلید کر لیتے ان جیسے [illegible]

[illegible]

[illegible]

۵۸ ۔ سچے مومن کی صفات

پ المائدہ ع ۸ ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ [illegible]

بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗۤ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۔

(اے ایمان والو تم میں سے جو کوئی دین سے پھر جائے گا (تو کچھ پروا نہیں پھر جائے)
عنقریب ہی خدا ایسے لوگوں کو ظاہر کر دے گا جنہیں خدا دوست رکھتا ہوگا
اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہوں گے ۔ ایمان داروں کے ساتھ منکسر اور کافروں
کے ساتھ کڑے اور وہ خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے
والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے یہ خدا کا فضل و کرم ہے جسے چاہتا
ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی گنجائش والا اور واقف کار ہے)

مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو حضرت رسول خدا کو دھمکی دیتے تھے کہ اگر آپ نے ہماری رائے پر عمل نہ کیا تو ہم اپنے سابق دین کی طرف پلٹ جائیں گے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ۔ سچے مومنوں کے جو صفات اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہیں وہ سوائے حضرت علی کے اور کسی صحابی رسول میں مجموعی حیثیت سے نہیں پائی جاتیں مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو تمہاری سرکوبی ایسے لوگوں سے کرائی جائے گی جن کے صفات یہ ہیں :-

(۱) خدا ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں ۔

خدا کو دوست رکھنے کا دعویٰ تو سب ہی مسلمان کرتے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ خدا بھی ان کو دوست رکھتا ہے یا نہیں ۔ صرف زبانی دعویٰ تسلی بخش نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ دلیل نہ ہو یہ ثبوت صرف حضرت علی پیش کر سکتے ہیں ۔ جب کہ جنگ خیبر میں آنحضرت نے ایک روز شام کے وقت یہ فرمایا تھا ۔ لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ یُحِبُّ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَالرَّسُوْلُ لَنْ یَّرْجِعَ حَتّٰی یَفْتَحَ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ ۔

(میں اپنا علم کل ایسے شخص کو دوں گا جو کرار غیر فرار ہوگا اللہ اور رسول کو دوست رکھتا

اور اللہ اور رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے وہ واپس نہیں آئے گا جب تک اللہ اس کے دونو ہاتھوں پر فتح نہ دیدے۔ یہ ہے پلٹی ہوئی محبت ۔ جب دوسرے روز صبح کو یہ علَم علی کو ملا تو لوگوں نے سمجھ لیا کہ خدا و رسول اس کو دوست رکھنے والے ہیں۔

اذلۃٍ علی المؤمنین یعنی مومنین کے ساتھ نہایت نرمی کا برتاؤ کرنے والے نہایت اخلاق سے ملنے والے سخت اور غلیظ القلب نہیں۔ بجائے تازیانے مارنے کے نہایت محبت سے پیش آنے والے ہیں۔ جو تمہارے کو لاتوں سے ماریں اور ابو ذر کو جلا وطن کریں وہ اس زمرے سے خارج ہیں۔

(۳) کافروں پر سخت ۔ یہ خصوصیت علی سے زیادہ کسی میں نہیں پائی گئی۔ میدان جنگ میں کفار و مشرکین سے ایسا ڈٹ کر مقابلہ کیا کرتے تھے کہ جو مقابل آجاتا تھا پھر وہ بچ کر جاتا ہی نہ تھا۔

(۴) راہ خدا میں جہاد کرنے والے ۔ جہاد تو سب لوگ کرتے تھے مگر لافتیٰ الا علی ولا سیف الا ذوالفقار کی سند لینے والے علی کے سوا کون تھے۔

(۸۶) ولی کون ہے

پ المائدہ ع ۸ : اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رَاکِعُوْنَ۔

(تمہارے مالک اور سرپرست تو بس یہی ہیں خدا اور اس کا رسول اور وہ مومنین جو پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں)

اس آیت میں اِنَّمَا کا لفظ کلمہ حصر ہے تو آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ بس تمہارے ولی تین ہی ہیں۔ اول اللہ پھر رسول پھر رکوع میں زکوٰۃ دینے والا یعنی ولایت مطلقہ جیسی خدا اور رسول کی ہے ویسی ہی اس تیسرے شخص کی ہے ان تینوں کے علاوہ اور کوئی

مسلمانوں پر اولیٰ بالتصرف نہیں یعنی انہیں تین کو مسلمانوں پر حکومت مطلقہ حاصل ہے ان کے ہر حکم کی بجا آوری واجب ہے۔

غدیر خم کے موقع پر جو حضرت رسول خدا نے فرمایا تھا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ تو وہاں مولا کے معنی یار لوگوں نے دوست و ناصر کے مراد کے لئے لیکن کیا اس آیت میں بھی ولی کے معنی دوست و ناصر کے لئے جا سکتے ہیں اگر ایسا ہے تو آیت کا مضمون ہی خبط ہو جائے گا۔ کون یہ تسلیم کرے گا کہ اے مسلمانو تمھارے صرف تین ہی دوست ہیں اللہ، رسول اور نماز میں زکوٰۃ دینے والا۔ باقی تمام دوستیاں ماں باپ اعزہ واقارب، اعزہ احباب کی خاک میں مل جائیں گی کوئی دوست ہی نہ رہے گا۔

اگر ولی کے معنی اولیٰ بالتصرف نہیں اور والذین امنوالذین الخ سے مراد حضرت علی نہیں تو بتاؤ اصحاب میں یہ تیسرا شخص کون ہے تاکہ لوگ دیکھیں کہ اس میں اولیٰ بالتصرف اور حاکم علی الاطلاق ہونے کی صلاحیت ہے یا نہیں۔ سروں پر لٹھ بجا کر یا بے گناہوں کی کمر و پشت پر کوڑے مارنے والا شرعاً اولیٰ بالتصرف نہیں ہو سکتا۔ ورنہ دنیا کے تمام حکمران جو بیشمار رعایا پر حق تصرف رکھتے ہیں اللہ و رسول کے ساتھ ولایت مطلقہ میں شریک ہو جائیں گے۔ یہ کہنا کہ سائل کو ایک انگوٹھی بحالت رکوع دے دینا کون ایسا مہتم بالشان عمل تھا جس سے ولایت مطلقہ کی سند مل گئی۔ جواب یہ ہے کہ یہ تو رسول کے بعد جو ولی مطلق ہے اس کی شناخت کرانے کو ایسا کہا گیا تھا ورنہ ولایت مطلقہ جو علی علیہ السلام کو حاصل ہوئی وہ تو اسلام کی بیشمار اہم خدمات انجام دینے کی بنا پر ہے نہ صرف انگوٹھی دینے سے ہر عمل کی مقبولیت خلوص نیت پر موقوف ہے اور یہ آل رسول کا خاصہ ہے کہ وہ کوئی کام اپنی غرض کو پیش نظر رکھ کر نہیں کرتے اور وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے خلوص سے ایک انگوٹھی دینا بھی بہت بڑا کام ہے۔ بغیر خلوص کے ایک کیا اگر چالیس بھی دی جائیں تو مقبولیت کی سند نہیں ملے گی۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے تین روزے رکھ کر اور یتیم و مسکین و اسیر

کو اپنی افطاری کی ایک ایک روٹی دے کر علی نے اپنے خلوص کی تصدیق کرا کر پورا سورہ دہر اپنی شان میں نازل کرالیا۔ جنگ خندق میں ایک ضربت عمرو بن عبدود کے سر پر لگا کر اس کا مرتبہ عبادت ثقلین سے بڑھ کر ہونا زبان رسول سے کہلوالیا۔ بہرحال یہ مقدس ہستیاں جو کام کرتی گئیں خدا و رسول سے اس کی سند حاصل کرتی رہیں۔

ولایت کی سند علی کو یوں ہی نہیں مل گئی اس کے لئے پہلے چیز عصمت ہے دوسرے علم تیسرے شجاعت چوتھے عدالت۔ جب تک ان میں کمال حاصل نہ ہو ولی نہیں ہو سکتا۔ تابع مہمل ہمیشہ بے معنی ہوتے ہیں جیسے روٹی ووٹی۔ پانی وانی۔ عابد وابد، حاکم واکم۔ یعنی یہ بھی کچھ کم اعجاز نہیں کہ حضرت علی کے نام کے ساتھ جو تابع مہمل ہے وہ بھی بامعنی اور ان کی ولایت کا مصدق ہے مثلاً جب کہا جائے گا علی ولی کہا جائے گا اور کوئی تابع مہمل اس کے ساتھ ضم نہیں ہو سکتا۔

(۴) خلافت علیؑ کی تبلیغ

پ المائدہ ع ۱۰ : یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔

(۱) اے رسول جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھو کہ تم نے اس کا کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں اور [illegible] اللہ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

درخت کا سایہ تھا۔ ببول کے سوکھے درخت اپنے لمبے نوکیلے کانٹے ہر طرف بکھیر رہے تھے ایسے وقت میں آیہ مذکورہ بالا کا نزول ہوا۔

(۳) یہ حکم ایسا تاکیدی تھا کہ اگر اس کی تعمیل پوری نہ کی گئی تو ۲۳ سالہ کار تبلیغ بے اجر ہو جائے گا

(۴) عرب کے تمام قبائل اس منزل تک حضرت کے ساتھ ساتھ چلے آرہے تھے اس کے بعد وہ متفرق ہونے شروع ہو جاتے یعنی مختلف راستوں میں بٹ جاتے لہٰذا اس امر خاص کا یہیں پہچانا لازم تھا۔

(۵) جن لوگوں سے مخالفت کا خوف تھا خدا نے ان سے بچانے کا وعدہ کیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ داخلی مخالفت کا خوف تھا نہ کہ خارجی۔ یعنی کوئی امر ایسا تھا کہ مسلمانوں کی مخالفت کا اس میں قوی اندیشہ تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اگر یہ امر از قسم عبادات و معاملات ہوتا۔ تو مخالفت کی کوئی وجہ نہ تھی صرف خلافت علی ہی ایک ایسا امر ہو سکتا تھا۔ جو مسلمانوں کے جذبات مخالفت کو برانگیختہ کرے۔

بہر حال جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے بلال کو حکم دیا کہ قافلہ میں ندا کریں کہ سب یہاں اتر پڑیں جو پیچھے رہ گئے ہیں جلد آگے بڑھیں جو آگے بڑھ گئے ہیں وہ جلد پیچھے پلٹ آئیں یہ حکم سنتے ہی سب اپنی اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور اس جلتی بلتی ریت پر سے کانٹے صاف کئے اور بیٹھنے شروع ہو گئے۔ یہ مجمع ایک لاکھ کئی ہزار کا تھا۔ سب پریشان تھے کہ ایسا کیا ضروری حکم آگیا کہ ایسے سخت وقت میں اس کی تبلیغ ضروری سمجھی گئی ہے۔ حضور کے حکم سے پالان شتر کا ایک منبر بنایا گیا اس پر آپ تشریف فرما ہوئے اور علی علیہ السلام کو اپنے پہلو میں کھڑا کیا اس کے بعد ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں یہ بیان کیا کہ لوگو میرے مرنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ میں نے تمام احکام الٰہیہ کی تبلیغ کر دی پھر فرمایا لوگو کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ حق تصرف نہیں رکھتا۔ سب نے کہا ضرور آپ کو ہماری جانوں پر ہر طرح کا حق حاصل ہے تب آپ نے فرمایا:۔

آگاہ ہو مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ - (جس کا میں حاکم ہوں اس کے حاکم علی ہیں)
پھر یہ دعا فرمادی: اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہُ (بار الٰہ جو علی کو دوست رکھتا ہے تو بھی اسے دوست رکھ جو اس کا دشمن ہے تو بھی اس کو دشمن رکھ نصرت کر اس کی جو اس کی نصرت کرے اور ذلیل کر اس کو جو اسے ذلیل کرے)
اس کے بعد آپ منبر پر سے اتر آئے لوگوں نے حضرت علی کو ان الفاظ میں مبارکباد دی بخٍ بخٍ لک یا ابن ابی طالب قد اصبحت مولای و مولا کل مومن و مومنۃ۔

حسان بن ثابت نے فی البدیہہ ایک قصیدہ پڑھا۔

غور کیجیے کیا یہ سب واقعات اس کی نشاندہی کرتے ہیں کہ حضور لوگوں کو صرف اتنا بتانا چاہتے تھے کہ جس کا میں دوست ہوں اس کے علی دوست ہیں یہ تو کوئی ایسی بڑی بات نہ تھی جس کے لیے (۱) ایسا سخت اہتمام کیا جاتا (۲) جس کی تبلیغ نہ کرنے میں سارے کار رسالت پر پانی پھر جاتا (۳) جس کے اعلان کرنے پر مخالفوں کی مخالفت کا خوف ہوتا کوئی عقل اس کو گوارہ نہیں کر سکتی۔

سب سے بڑا ثبوت اس کا حارث بن نعمان فہری کا واقعہ ہے جس نے یہ سن کر کہ حضرت نے علی کو مولا بنایا ہے۔ آنحضرتؐ سے دریافت کیا کیا یہ آپ نے اپنی طرف سے کہا ہے یا خدا کے حکم سے فرمایا حکم خدا سے اس نے فوراً دونو ہاتھ اٹھا کر کہا اے خدا اگر یہ تیرا حکم ہے تو مجھ پر عذاب نازل کر اسی وقت آسمان سے پتھر گرا اور اس کا کام تمام ہو گیا۔ حارث عرب تھا عرب کے انداز کلام سے آگاہ تھا۔ اگر وہ مولا کے معنی دوست سمجھتا تو کبھی ہرگز عذاب طلب نہ کرتا اور اپنی جان نہ کھو بیٹھتا یہ واقعہ قرآن میں موجود ہے۔ سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ۔ ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کا سوال کیا ہے جو کافروں کے لئے ہے اور جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں ہو سکتا

حضرت کا یہ کلام غدیر خم میں جن لوگوں نے سنا تھا ان سب کو یقین تھا کہ مولا بمعنی اولیٰ بالتصرف

ہے لیکن حضرت علی کو خلافت سے ہٹانے کے لئے اس کے معنی دوست اور ناصر بنا لئے گئے۔

---

(۸۸) شراب جوا بت اور پانسے

پ المائدہ ع ۱۲۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ۔

اے ایمان والو شراب جوا اور بت اور پانسے تو بس ناپاک (برے) اور شیطانی کام ہیں تم لوگ ان سے بچے رہو)

شراب سے کوئی خاص قسم کی شراب مراد نہیں بلکہ ہر وہ شراب جو نشہ پیدا کرتی ہے حرام ہے۔ ایک حدیث میں ہے شرابی اگر بیمار ہو تو اس کی عیادت نہ کرو مر جائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھو۔ محتاج ہو تو اسے زکوٰۃ نہ دو۔ جو کوئی اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دے گا تو گویا اس نے اپنی بیٹی کو دوزخ میں ڈالا۔ اسی طرح جوئے کی تمام قسمیں شطرنج، چوسر گنجیفہ، تاش سب حرام ہیں۔

اسلام اس کو پسند نہیں کرتا کہ انسان کوئی ایسی چیز کھائے جس کے نشہ میں اس کے ہوش و حواس جاتے رہیں اور ایسے افعال کا مرتکب ہو جو اس کے یا غیر کے لئے نقصان رساں ہو۔

جوا۔ اس لئے حرام ہے کہ انسان بغیر محنت مشقت کے دوسروں کے مال پر بغیر استحقاق قابض ہونا چاہتا ہے اور اگر ہارتا ہے تو احمقانہ طریقہ سے وہ اپنی دولت غیر شخصوں کو دے کر خود مفلس قلاش بن جاتا ہے۔ جوئے میں یہی ہوتا ہے نفع کم ہوتا ہے نقصان زیادہ۔ جواری بے غیرت و بے حمیت شوخ چشم اور سیاہ دل بن جاتا ہے۔

اسلام ایسے راستوں سے گزارنا چاہتا ہے جو بے خوف و خطر ہوں نہ اپنی ذات کے لئے نقصان رساں ہوں نہ دوسروں کے لئے نہ دنیا میں بدنامی ہو نہ آخرت میں۔ شطرنج چوسر

Marfat.com

اور تاش کھیلنے والے اپنے عزیز وقت کو لہو و لعب میں ضائع کرتے ہیں کاش وہ اس کو کسی مفید کام میں بسر کرتے جو ان کے اور دوسروں کے لئے مفید ہوں۔ ایسے لغو کاموں میں مصروف رہنے سے انسان کی دماغی قوتیں مضمحل ہو جاتی ہیں اور ان میں انہماک ضروری کام بجا لانے سے روک دیتا ہے۔

۸۹) مائدہ

پ المائدہ ع ۱۱۔ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ۔

(عیسیٰ بن مریم نے کہا اے اللہ اور ہمارے رب ہم پر آسمان سے ایک خوان نعمت نازل کر کہ وہ ہمارے لئے اور اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید کا دن قرار پائے اور ہمارے حق میں تیری طرف سے ایک بڑی نشانی ہو اور تو ہمیں روزی دے تو سب روزی دینے والوں سے بہتر ہے)

جب حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے ان سے کہا کیا آپ کا خدا اس بات پر قادر ہے کہ آسمان سے ہمارے لئے ایک خوان نازل فرمائے تو حضرت نے فرمایا اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرو۔ انہوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ کچھ اسے کھائیں تاکہ آپ کی رسالت کا ہمیں پوری طرح یقین ہو جائے اور جو کچھ آپ نے کہا ہے اسے سچ سمجھیں اور ہم اس پر گواہ رہیں تب حضرت عیسیٰ نے دعا کی خدا نے دعا قبول کی اور ایک خوان نازل کیا۔ حضرت عیسیٰ نے عرض کی خداوندا تو نے میری دعا قبول کی ایک خوان نازل کیا اس کو سبب رحمت قرار دینا نہ سبب عذاب اس کے بعد شمعون کے نماز پڑھی اور بسم اللہ خیر الرازقین کہہ کر خوان پوش کو ہٹایا تو دیکھا ایک بھنی ہوئی مچھلی جس میں نہ کانٹے تھے نہ چھلکے چکنائی بہتی تھی اور اس کے سر کے پاس نمک اور دُم کے پاس سرکہ تھا اور اس کے گرد قسم قسم کی سبزیاں اور پانچ روٹیاں تھیں

کے ساگ تھے اور پانچ روٹیاں تھیں ان میں سے ہر ایک پر روغن زیتون دوسری پر شہد تیسری پر گھی چوتھی پر پنیر اور پانچویں پر خشک گوشت تھا۔ حضرت شمعون نے پوچھا روح اللہ یہ کھانا دنیا کا ہے یا کہ آخرت کا۔ فرمایا دنیا کا ہے مگر خدا نے خاص اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ حواریوں نے کہا یا حضرت آپ پہلے نوش کریں تب ہم کھائیں گے۔ حضرت نے فرمایا معاذاللہ میں اس میں سے نہ کھاؤں گا بلکہ جس نے مانگا ہے وہ کھائے وہ لوگ اس کے کھانے سے ڈرتے تھے تب آپ نے بیماروں کو بلا کر کھلایا یہاں تک کہ تین سو آدمیوں نے کھایا اور کھانا جوں کا توں رہا۔ اس کے کھاتے ہی سب بیمار تندرست ہو گئے جو محتاج تھے مالدار ہو گئے اب جن لوگوں نے نہ کھایا تھا وہ پچھتائے۔ اس کے بعد وہ خوان بلند ہو کر نظروں سے غائب ہو گیا۔

مائدہ کے متعلق سر سید احمد خاں صاحب کی بھی سن لیجئے:۔

"حواریوں نے یہ درخواست کی تھی اور ان کی درخواست پر حضرت عیسٰے نے دعا بھی کی۔ خدا نے فرمایا میں اس کو سرف نازل کروں گا۔ لیکن اس کے بعد جو کوئی کفر کرے گا تو اس کو وہ سخت عذاب دوں گا جو دنیا میں کسی کو نہ دیا ہو گا۔ جب ان لوگوں نے یہ سنا تو اس خواہش سے وہ باز آ گئے کیونکہ توریت میں من وسلویٰ کی بے حرمتی پر جو عذاب بنی اسرائیل پر آئے تھے وہ سب پڑھ چکے تھے اور سن چکے تھے اس لئے پھر انہوں نے خواہش نہ کی۔ عیسائیوں نے مائدہ کے متعلق بڑی لمبی چوڑی روائتیں لکھ ماری ہیں اور مسلمان مفسرین نے بھی انہی کی تاسی میں ایک واقعہ بنا کر کھڑا کیا ہے"

ہم نے شروع میں مائدہ کی جو تفصیل لکھی ہے وہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے مترجمہ قرآن کے حاشیہ سے لکھی ہے مولانا نے کوئی حوالہ نہیں دیا کہ انہوں نے کہاں سے نقل کیا ہے مولانا مرحوم حواشی لکھنے میں ذرا احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے اور بغیر درایت کی کسوٹی پر کسے کسی روایت کو نقل کر دیتے ہیں۔ خوان کے کھانوں کی یہ تفصیل جو مولانا نے نقل فرمائی ہے

Marfat.com

جب تک حضرات آئمہ علیہم السلام سے اس کی تصدیق نہ ہو قابل قبول نہیں ہو سکتی صرف راویوں کی روایت پر اعتماد نہ کر لینا چاہئے جیسا سر سید نے لکھا ہے عیسائیوں نے مائدہ کے متعلق ایسی بہت سی عجیب وغریب روایات اپنی کتابوں میں لکھ ماری ہیں۔ لیکن سید صاحب کا یہ خیال کہ مائدہ نازل نہیں ہوا ہمارے دل کو نہیں لگتا کیونکہ قرآن میں حضرت عیسےٰ کا دعا کرنا پایا جاتا ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک رسول کی دعا رد کر دے دوسرے اللہ تعالیٰ نے جب ان سے یہ وعدہ فرمایا: انی مُنزِّلہا علیکم (میں تم پر مائدہ نازل کرنے والا ہوں) تو کیا وجہ ہے نازل نہ کرے۔ اب رہا خدا کا یہ فرمانا: فمن یَکفُر بَعدُ مِنکُم فَاِنّی اُعَذِّبُہٗ عَذَابًا لااُعَذِّبُہٗ اَحَدًا مِنَ العالمین۔

(نزول کے بعد تم میں سے جو کفران نعمت کرے گا اسے میں ایسا سخت عذاب دوں گا جو تمام عالموں میں کسی کو نہ دیا ہو گا)

تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ مائدہ کا نزول نہیں ہوا۔ کفر کرنا یا نہ کرنا تو نزول کے بعد کی بات ہے اگر نزول نہیں ہوا تھا تو پھر خدا کو قرآن میں ذکر کرنے ہی کی کیا ضرورت تھی۔ حواریوں کا صرف حضرت عیسےٰ سے خواہش کرنا کوئی قابل ذکر بات نہ تھی ہاں اگر کچھ کلام ہو سکتا ہے تو مائدہ کی تفصیل میں ہو سکتا ہے۔ مولانا فرمان علی صاحب والی روایت میں جو کھانے کی تفصیل ہے وہ تو ایسی ہی ہے جیسے دنیا والے اپنے کسی مہمان کے لئے کھانے کی تمام چیزیں گوشت ترکاری شہد اور پنیر وغیرہ سے کسی خوان میں سجا کر لاتے ہوں۔ کھانے تو حضرت مریم کے لئے بھی آتے اور جناب سیدہ کے لئے بھی مگر ایسے کھانوں کا ذکر کہیں نہیں پایا جاتا دنیا کے دستر خوان اور آسمانی دستر خوان میں کچھ تو فرق ہونا چاہئے آیا تو بہر حال اوپر ہی سے تھا دنیا کے مطبخ کا تو پکا ہوا نہ تھا۔

(۹۰) کتاب خدا میں کوئی چیز نہیں چھوٹی

پ الانعام ع ۴ :- مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّہِمْ یُحْشَرُوْنَ ۔

(ہم نے قرآن میں کوئی بات فروگذاشت نہیں کی وہ اپنے رب کی طرف سے محشور ہوں گے)

دوسری جگہ ہے:- وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (ہر خشک و تر کا بیان کتاب مبین میں ہے)

بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ اگر قرآن میں ہر شئے کا بیان ہے تو دنیا میں بیشمار ایجادیں ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں چھوٹی ہوں یا بڑی اگر چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بیان نہ ہو تو بڑی بڑی حیرت انگیز چیزوں کا تو ہوتا جیسے ٹیلیفون۔ ٹیلیگرام، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ہوائی جہاز، راکٹ ایٹم وغیرہ ایسے لوگوں نے اس آیت کا مطلب غلط سمجھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان تمام قوتوں کا ذکر کیا ہے جو نظام عالم میں کام کر رہی ہیں اور جو فلاح دین دنیا میں کام آنے والی ہوں اور انسان کے لئے ان کا جاننا ضروری ہے چھوٹی ہوں یا بڑی۔ اخلاقی، روحانی، تمدنی اور معاشرتی تمام مسائل سے اسے آگاہ کیا گیا ہے اس کی جسمانی اور مادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے جتنی چیزوں کی ضرورت تھی ان سب کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو خود خلق فرمایا ہے ان سب کا ذکر اجمالاً یا تفصیلاً قرآن میں موجود ہے۔ اب رہیں وہ چیزیں جو اس کی خلق کی ہوئی چیزوں سے بنی۔ ہیں ان کے ذکر کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ انہی کے تحت میں آجاتی ہیں انسان نے جتنی ایجادات کی ہیں ان کا اصل کارخانہ قدرت میں موجود ہے جیسے قوت برقی مقناطیسی۔ آفتابی شعاعیں۔ ماہتابی شعاعیں۔ ستاروں کے اثرات۔ ہواؤں کی کیفیات۔ بادلوں اور بارشوں کے اثرات۔ سمندروں اور دریاؤں کے اثرات وغیرہ۔ انہی قوتوں سے مل کر انسان اپنی ایجادات کو بڑھاتا چلا جا رہا ہے جو عناصر ہیں ان میں سے کوئی چیز انسان نے خود پیدا نہیں کی اور نہ پیدا کر سکتا ہے

Marfat.com

انسان نے اشیائے کائنات میں صرف تصرف کیا ہے کسی کو خلق نہیں کیا۔ جب ایجادات کا خالق یعنی انسان خود خدا کا پیدا کیا ہوا ہے تو اس کی تمام مصنوعات اللہ تعالیٰ کی صنعت کاملہ کی ضمنی مخلوقات ہے ان کے ذکر کی ضرورت ہی کیا رہی۔

مثل مشہور ہے ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ ہر زمانہ میں انسان کو جیسی جیسی ضرورت محسوس ہوتی رہی ایجاد کرتا گیا اور قیامت تک کرتا رہے گا لیکن اب تک جتنی ایجادات ہوئیں یا ہوتی رہیں گی۔ ان سب کا مواد اس نے کارخانہ قدرت سے لیا ہے جن سب کا ذکر اس نے اپنی کتاب میں کر دیا ہے۔

قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس سے امور دین و دنیا میں ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ یعنی وہ ایک ایسا راستہ بتانے کے لئے آیا ہے جس پر چل کر انسان دنیا میں ایک اچھی زندگی بسر کر سکے اور آخرت میں اس کو نجات حاصل ہو۔ وہ گناہوں سے بچے اور حسنات کو حاصل کرتا رہے تاکہ اس کی زندگی کا مقصد پورا ہو جائے۔ شر سے بچنے اور خیر حاصل کرنے کے جتنے احکام ضروری تھے وہ قرآن نے اسے بتا دیئے اور جن اسباب کی انہیں ضرورت تھی وہ مہیا کر دیئے۔

انسان کی خلقت کی غرض اصلی خدا کی معرفت ہے رہی زندگی کے اور لوازم کو مہیا کرنا یہ غرض ثانوی ہے اور معرفت بغیر علم و عمل حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس اللہ تعالیٰ پر واجب تھا کہ ان دونوں چیزوں کا بندوبست کر دے۔ چنانچہ ہر زمانہ میں اس نے یہ بندوبست کیا۔ حصول علم کے لئے اپنی کتابیں بھیجیں اور تکمیل عمل کے نمونے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے بھیجے۔

اس کا حکم محکم یہ ہے کہ روئے زمین پر فتنہ و فساد برپا نہ کرو [illegible] وہ آلات کی ایجادات کو نہیں دیکھتا بلکہ ان کے نتیجوں پر اس کی نظر ہے یعنی انسان نے جو کچھ بنایا ہے اس سے نوع انسان کی بربادی و زمین کی [illegible] فتنہ و فساد کی بنیادیں [illegible] ہیں۔ الغرض قرآن کے اندر حیات و موت، طیبات و ما لطیبات [illegible]

ایمان وکفر سب کا بیان نہایت تفصیل سے موجود ہے اور ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

آخرت میں یہ سوال نہ ہو گا کہ تم نے ریڈیو ایجاد کر کے کتنے گانے سنوائے تھے۔ ٹیلی ویژن بنا کر کتنی ننگی عورتیں نچائی تھیں۔ ہوائی جہاز سے کہاں کہاں بم برسا کر شہروں کو تباہ کیا تھا۔ گراموفون میں کتنی غزلیں بھری تھیں۔ وہاں تو یہ پوچھا جائے گا کہ رفاہ عام کے کیا کیا کام کیے۔ عدل وانصاف میں کہاں کہاں ثابت قدم رہے۔ اصلاح خلق میں کیا کوشش کی ہماری معرفت کے کیا کیا درس دیئے وغیرہ وغیرہ۔

(۹۱) کفار کو نعمتیں کیوں دیں

پ الانعام ع ۵۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۔

پس جب امر کی ان کو نصیحت کی گئی تھی جب اس کو بھول گئے تو ہم نے ان پر ڈھیل دینے کے لئے نعمتوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں انہیں پا کر خوش ہو لئے پس ہم نے انہیں یکایک لے ڈالا اس وقت وہ ناامید ہو کر رہ گئے)

اکثر لوگ کہا کرتے ہیں جب کفار و مشرکین خدا کے باغی بندے ہیں تو خدا نے ان کو مالا مال کیوں کیا ہے۔ عیش وراحت سے زندگی بسر کرنے کا موقع کیوں دیا ہے۔ اس آیت میں ان کو بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت ان پر تمام کرنے کے لیے ایسا کیا ہے تاکہ کل یہ کہیں کہ اگر ہمیں فارغ البالی نصیب ہوتی تو ضرور تجھ پر ایمان لے آتے یہ ڈھیل ازراہ رحمت ان پر نہیں ہے بلکہ ان کے ڈوبنے کا سامان ہے تاکہ جی بھر کے گناہ کریں پھر وہ ہم سے بچ کر کہاں جائیں گے کسی وقت عذاب الٰہی ان کو دنیا میں گھیر لے گا اور اگر یہاں بچ

گئے تو مرنے کے بعد ان کی اچھی طرح خبر لی جائے گی۔

اس اعتراض کے جواب میں ایک رُخ اور بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے گھر میں ہُن تو برساتا نہیں نہ اپنے فرشتوں کے ذریعے سیم وزر کے بھرے ہوئے صندوق بھجواتا ہے بلکہ مالدار بننا انسان کے ذاتی افعال پر موقوف ہے۔ خدا اس کو جبراً کسی سے چھینتا نہیں چھین تو سکتا ہے مگر وہ ایسا کرتا نہیں بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ باوجود دولت کے وہ کرتا کیا ہے ہم پر ایمان لاتا ہے یا نہیں اگر خدا چاہتا تو اس کی کوئی کل مروڑ دیتا اس کی صحت خراب کر دیتا اس کے ہاتھ پاؤں بیکار کر دیتا اگر ایسا کرتا تو اس پر حجت تمام نہ ہوتی۔ دولت کے دروازے اس پر کھول دینے کے یہی معنی ہیں کہ دولت کمانے کے ذرائع کو اس سے روکا نہیں تاکہ خود ہی سمجھے اور ایمان لائے لیکن جب وہ اندھا ہی بنا رہتا ہے اور سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتا تو پھر عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کوئی ایسی بلا اس پر نازل ہو جاتی ہے کہ بلبلا جاتا ہے اور آخرت میں وہ عذاب ہو گا کہ خدا کی پناہ۔

---

(۹۲) رسول کے لئے ذریعہ تبلیغ وحی ہے

پ الانعام ع ۵ ، قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ

(اے رسول ان سے کہہ دو کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدائی خزانے ہیں کہ ایمان لانے والوں کو دے دوں گا اور نہ میں غیب کے کل حالات جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو بس اس وحی کا پابند ہوں جو خدا کی طرف سے مجھ پر کی جاتی ہے ان سے پوچھو کیا اندھا اور بینا کبھی برابر ہو سکتا ہے کیا تم اتنا نہیں سوچتے)

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو خزانوں کا مالک بنا کر نہیں بھیجا تھا تاکہ روپیہ پیسہ کے لالچ میں لوگ ایمان نہ لائیں کیونکہ یہ ایمان کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ جب حقائق اسلام کو سمجھا ہی نہیں تو پھر ایمان کیسا۔ نہ رسول یہ کہتے تھے کہ میں ہر غیب کا جاننے والا ہوں اور نہ یہ کہ میں کوئی فرشتہ بن کر تمہارے پاس آیا ہوں کیونکہ ان سب صورتوں میں غرض تبلیغ پوری نہیں ہوتی۔ سیدھی سادی بات ہے اللہ کی طرف سے مجھ پر جو وحی ہوتی ہے وہ بے کم وکاست تم سے بیان کر دیتا ہوں نہ کوئی لالچ دیتا ہوں نہ تم پر رعب ڈالتا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جو کوئی خدائی پیغام تم کو سناتا ہوں اس پر اچھی طرح غور کرو۔ اندھاپن سے کام نہ لو بلکہ عقل کی آنکھیں کھولو اور بات کی تہ تک پہنچو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو ضعیف الحالات اور قوی الثبات بنایا تاکہ لوگ ان کی دولت پر فریفتہ ہو کر ایمان نہ لائیں اور قوی دل تاکہ مصائب وآلام سے گھبرا کر تبلیغ میں سستی نہ کریں وہ فاقے کرتے تھے۔ پیوند دار کپڑے پہنتے تھے۔ دنیا والوں کے ٹھاٹ باٹ ان کے یہاں نہ تھے مگر اس پر بھی وہ کبھی تنگ دل نہ ہوئے تھے اور جو فرائض خدا نے ان سے متعلق کئے تھے وہ برابر انجام دیئے جاتے تھے چاہے جان جائے یا رہے۔ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جب یہ صورت تھی تو بعض انبیاء کو بادشاہ کیوں بنایا جیسے یوسف، داؤد سلیمان وغیرہ۔ اس کا جواب کئی صورتوں سے ہے۔

(۱) تاکہ دنیا والے یہ نہ کہیں کہ اگر وہ گناہ نہ کرتے تھے تو یہ قابل تعریف بات نہ تھی اگر ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی اور پھر عیاشی نہ کرتے تب ہم جانتے لہٰذا کئی نبیوں کو بادشاہ بنا کر دکھا دیا کہ وہ بادشاہت کے زمانے میں فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

(۲) اگر ان کے پاس دولت ہوتی حکومت ہوتی تو دیکھتے کیسے عدل و انصاف کرتے اور حقوق الناس کو ضبط نہیں کرتے۔

(۳) اگر بادشاہت ہوتی تو دیکھتے رعایا پر ظلم کرنے سے کیسے رکتے تھے۔

Marfat.com

(۴) اگر مال و دولت کی ریل پیل ہوتی تو دیکھتے کہ دن رات خدا کی عبادت میں کیسے مشغول رہتے اور بادشاہت کی مصروفیت میں تبلیغی کام کس طرح انجام دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان تمام اعتراضات کو رفع کرنے کے لئے اپنے پانچ نبیوں کو سلطنت عطا فرمائی۔ سکندری ذوالقرنین یوسف، داؤد، سلیمان اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ انہوں نے اپنے طرزِ عمل سے لوگوں پر واضح کر دیا کہ مال دنیا کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں اور سلطنت اس طرح کرتے ہیں کہ حقوق اللہ اور حقوق الناس کی حفاظت ہو ظالموں سے مظلوموں پر ظلم و ستم کا بدلہ لیں۔

---

(۹۳) توبہ

پ الانعام ع ۶ ؛ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

(جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جب تمہارے پاس آئیں تو کہو سلام علیکم تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے بیشک تم میں سے جو کوئی نادانی سے کوئی گناہ کر بیٹھے اور پھر توبہ کرے اور اپنی حالت کی اصلاح کر لے تو خدا اس کا گناہ بخش دے گا کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے۔)

قبولِ توبہ کے لئے چار شرائط ہیں۔

(۱) مومن ہونا (۲) [illegible] گناہ [illegible] نادانی سے [illegible]
گناہ سے توبہ ہو (۳) اپنی حالت کی اصلاح کرے اور بار بار اس گناہ کا
مرتکب نہ ہو (۴) صرف زبان سے توبہ کافی نہیں [illegible] خلوص
دل سے توبہ کی جائے۔

۹۴) ابراہیم کو ملکوت سمٰوات دکھائے گئے

پ الانعام ع ۱۵۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔

(اس طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کی ساری سلطنتوں کا انتظام دکھلاتے رہے تاکہ وہ (ہماری وحدانیت کا یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں)

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ملکوت سمٰوات وارض دکھانے کا کیا مطلب ہے

(۱) حضرت ابراہیم نے ملکوت سمٰوات وارض دیکھ کر یہ پتہ چلا لیا کہ یہ سب حادث ہیں اپنی حرکت میں محتاج الی الغیر ہیں لہٰذا ان کو قدیم نہیں مانا جا سکتا کیونکہ ہر متغیر حادث ہوتا ہے ان کا بنانے والا قدیم اور واجب الوجود ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے اور انہوں نے چند منٹ میں نظام کائنات کو دیکھ لیا یہ قوت نبی کی آنکھ کے سوا دوسرے میں نہیں ہو سکتی۔

(۳) حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے ایسی عقل سلیم عطا کی تھی کہ انہوں نے سورج چاند ستارے کی گردش دیکھ کر ان کے حدوث کا پتہ چلا لیا یہی ملکوت سمٰوات وارض کا دیکھنا تھا۔

۹۵) حضرت ابراہیم کا استدلال

پ الانعام ع ۱۶۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔

(جب رات آئی اور انہوں نے ستارہ کو دیکھا تو کہا کیا یہ میرا رب ہے جب وہ غروب ہو گیا تو کہا میں غروب ہونے والے کو دوست نہیں رکھتا جب چاند کو چمکتا دیکھا تو کہا کیا

Marfat.com

یہ میرا رب ہے وہ غروب ہو گیا تو کہا اگر میرا رب رہنمائی نہیں کرتا تو میں گمراہوں میں سے ہو جاتا جب سورج کو چمکتا دیکھا تو فرمایا کیا یہ میرا رب ہے جب وہ بھی غروب ہو گیا تو فرمایا اے قوم تم خدا کا شریک جن کو بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔

حضرت ابراہیم کے زمانہ میں تین قسم کا اعتقاد رکھنے والے لوگ تھے اول بت پرست جو بتوں کی پوجا کرتے تھے اور ان کے چچا آزر کے یہاں بت سازی کی فیکٹری بھی تھی۔ دوسرے ستارہ پرست جو سیاروں کو مدبر فی الکائنات جانتے تھے تیسرے شخصیت پرست جو نمرود کو خدا مانتے تھے ہم یہاں صرف ستارہ پرستوں کا حال لکھیں گے

حضرت ابراہیم کے زمانے میں علم نجوم کا بڑا چرچا تھا نجومیوں نے ستاروں کو رب النوع مان رکھا تھا ان کا عقیدہ تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ان ستاروں کی کے تحت حکومت ہو رہا ہے ان کے مندر بنا لئے تھے جن کو ہیکل کہتے تھے انہی کی مورتوں کے سامنے بیٹھ کر پوجا پاٹ کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم غار میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں اپنا بچپن گزارا اور پرورش پائی تھی ان کی والدہ نے اس خوف سے ان کو باہر نہ نکالا کہ نمرود قتل نہ کرا دے کیونکہ نجومیوں نے اسے خبر دی تھی کہ تیرا قاتل ابراہیم نامی ایک شخص ہوگا اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں ان کو عقل و فہم عطا فرمائی تھی اور عام بچوں جیسی ان کی نشوونما نہیں تھی وہ ایک دن میں اتنا بڑھتے تھے جتنا اور بچے ایک ماہ میں بڑھتے ہیں۔ جب اچھے سیانے ہو گئے تو ایک رات اپنی والدہ کے ساتھ غار سے باہر نکلیں۔ قوم کے خیالات اور عقیدہ کا ذکر تو پہلے ہی کر چکے ہیں اب حضرت ابراہیم نے ستارہ چمکتا دیکھا تو از راہ تعجب فرمایا کیا یہ میرا رب ہے۔ جب وہ چھپ گیا تو فرمایا میں ڈوبنے والوں کو دوست نہیں رکھتا یہی استدلال چاند اور سورج کے متعلق بھی تھا۔

حضرت ابراہیم کا یہ عقیدہ اتنا صاف ستھرا اور اصولی تھا کہ نہ اس وقت کے اہل غلط ثابت کر سکے اور نہ اس کے بعد آج تک کسی سے تردید ممکن ہوئی اور نہ قیامت تک ہو سکے گی کیونکہ یہ

دلیل خدا کی سمجھائی ہوئی تھی۔ صورت اس کی یہ ہے۔

جو ستارہ اپنے مقام پر طلوع ہوا تھا وہ جگہ سے ہٹتے ہٹتے اس مقام تک پہنچ گیا جہاں نگاہ مخلوق سے وہ پنہاں ہو گیا۔ سوال یہ ہے کہ کونسی طاقت تھی جس نے ایک مقام پر اسے ٹھہرنے نہ دیا اور اسے حرکت دیتی ہوئی کہیں سے کہیں لے گئی۔ پس جس جرم نے کسی کی طاقت کے اثر کو قبول کر لیا وہ قادر مطلق نہیں کہلایا جا سکتا کیونکہ اس تغیر حالت سے اس کی کمزوری ثابت ہوتی ہے اور جو تغیر کو قبول کرنے والا ہو گا وہ مخلوق و حادث ہو گا۔ نہ کہ واجب اور قدیم۔

ستارہ پرستوں سے اس کا جواب تو نہ بن پڑا بلکہ ان کی جان لیوا بن گئے لیکن ان میں جو جو صاحب عقل سلیم تھے انہوں نے کہا ابراہیم کی بات تو ٹھیک ہے لہٰذا اس کے بعد انہوں ستارہ پرستی سے روگردانی کی۔ خدا کہتا ہے یہ دلیل ہم نے ابراہیم کو سکھائی تھی۔ دیکھنے قابل یہ بات ہے کہ ایک مختصر سی دلیل نے برسوں کے جمے ہوئے اعتقادات کی جڑ اکھاڑ کر رکھ

(۹۰) خدا کا مُردہ سے زندہ کو پیدا کرنا

پ الانعام ع ۱۲۔ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ

(بیشک اللہ گٹھلی اور دانہ کو شگافتہ کر کے درخت کو روئیدہ کرتا ہے وہی زندہ کو مردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے)

تفسیر البرہان میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حب (دانہ) مراد ہے مومن اور نویٰ سے مراد ہے کافر اور اس طرح زندہ سے مراد ہے مومن اور مردہ سے مراد ہے کافر یعنی مومنوں سے کافر پیدا ہوتے ہیں اور کافروں سے مومن۔

یا یوں کہیے کہ خدا دانہ اور گٹھلی کو شگافتہ کرتا ہے پس گٹھلی از قسم جمادات ہے

Marfat.com

سے زندہ پودے اگاتا ہے جو از قسم نباتات ہیں اور انہی پودوں سے دانے اور گٹھلیاں پھر پیدا کرتا ہے۔ اس طرح منی سے جو مردہ ہے انسان پیدا کرتا ہے اور انسان سے پھر منی انڈوں سے پھر پرندے خلق کرتا ہے اور پرندوں سے انڈے۔

---

(۹۷) عدم رویت باری تعالیٰ

پ الانعام ع ۷، ۸۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔

(اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) اور خدا لوگوں کی نظروں کو دیکھتا ہے اور وہ بڑا باریک بین اور خبردار ہے)

کس قدر احمق ہیں وہ لوگ جو خدا کی رویت کے قائل نہیں یہ نہیں سمجھتے کہ جب وہ کسی مکان میں محدود ہی نہیں یا کسی جہت کے اندر ہی نہیں کوئی رنگ یا جسم ہی نہیں رکھتا جس کو مخلوق سے کوئی مشابہت ہی نہیں تو دیکھیں گے کیا سے کیونکر جب وہ سورج کو ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تو بھلا خالق شمس کو کیا دیکھیں گے۔

اگر وہ ذات پاک دیکھنے کے قابل ہوتی تو موسیٰ سے یہ نہ کہتا لن ترانی یعنی تم مجھ کو نہ دیکھو گے (نہ یہاں نہ قیامت میں) موسیٰ کو نہ سہی جب رسول معراج میں گئے اور مقام قاب قوسین او ادنیٰ تک پہنچے تھے تو وہیں ان کو دکھا دیتا۔

رویت باری کے قائل کہتے ہیں کہ جب قیامت میں سب جمع ہوں گے اور خدا ان سے سوال کرے گا تو وہ کس طرح ہوگا۔ جب تک سوال کرنے والا سامنے نہ ہوگا جواب کیسے دیں گے اتنا اس روز کی حالت پر بیٹھنے والا کون ہوگا اور لمن الملک الیوم کون کہے گا جواب یہ ہے کہ جس طرح اس کے احکامات اس دنیا میں ہمارے پاس پہنچتے ہیں اسی طرح وہاں بھی پہنچیں گے۔ کیا یہاں وہ ہمارے سامنے آکر سوال و جواب کرتا ہے جیسے اس کے

نمائندے یہاں اس کی باتیں پہنچاتے ہیں اور ہمارے جوابات اسے بتاتے ہیں ایسے ہی وہاں بھی ان پر احکام الٰہی نازل ہوں گے وہ آپ کو بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ تم سے یہ سوال کرتا ہے اس کا جواب دو تمہارے جوابات وہ اپنی قدرت کے کانوں سے سنے گا اور تمہارے متعلق جو اس کے احکام ہوں گے وہ بذریعہ سید المرسلین تم کو بتائے گا۔ فرشتے بھی اس کی طرف سے کلام کریں گے۔ بفرض محال اگر وہاں وہ تمہارے سامنے آ بھی جائے تو تم کیسے معلوم کرو گے کہ یہ خدا ہی ہے۔ آدم و شیطان اور ملائکہ کے درمیان جو بحث چھڑی تھی کیا خدا بجسم انسانی یا نوری ان کے سامنے آ گیا تھا جیسے وہاں مکالمہ ہوا ویسے ہی قیامت میں بھی ہو گا۔

(۹۸) نماز کے وقت زینت کا حکم

پ الاعراف ع ۳۔ یَا بَنِیْ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔

(اے بنی آدم نماز کے وقت بن سنور کر جایا کرو) دنیوی بادشاہوں یا وزراء و امراء کے سامنے جب لوگ جاتے ہیں تو اچھا لباس پہن کر جاتے ہیں تو کیا مالک الملک کی سرکار میں جانے کے لئے کوئی زینت درکار نہ ہو گی۔ زینت سے مراد یہ ہے کہ صاف ستھرے کپڑے پہن کر نماز پڑھو۔ بدن سے کثافت دور کر کے پڑھو ہاں اگر مجبوری ہو تو جو لباس بھی تمہارے پاس ہو ایسا ہی پہن کر نماز پڑھ لو۔

امام حسن علیہ السلام جب نماز کے لئے آمادہ ہوتے تو نفیس لباس زیب تن فرماتے کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا۔ اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔ (اللہ جمیل ہے اور جمال کو دوست رکھتا ہے) یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ میلے کچیلے کپڑے پہن کر ایک سڑی سی لنگی باندھ کر اور کمبل رکھ کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہماری نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں اس کے جلال کا دل پر کوئی اثر نہیں جس کی عبادت کے لئے ہم آمادہ ہوتے ہیں۔

اگرچہ بحالتِ مجبوری اللہ نے ہر لباس میں نماز کی اجازت دے دی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ جب پاک صاف کپڑے پہننے کا امکان ہو تو بھی دربارِ الٰہی کا احترام ترک کر کے اچھا لباس نہ پہنیں خصوصاً نمازِ جمعہ اور عیدین میں جہاں بہت سے لوگ مل کر نماز پڑھتے ہیں۔

---

(۹۹) قیمتی لباس پہننا حرام نہیں

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ
پ الاعراف ع ۴۔

اے رسول ان سے پوچھو کہ جو زینت کے ساز و سامان اور کھانے کی صاف ستھری چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں وہ کس نے حرام کر دیں (اچھا لباس پہننے اور عمدہ غذا کھانا اسلام نے حرام نہیں کیا۔

ایک روز امام جعفر صادق علیہ السلام قیمتی لباس پہنے بیٹھے تھے سفیان ثوری نے اعتراض کیا کہ حضرت رسول خدا اور حضرت علی نے تو ایسا لباس کبھی نہیں پہنا فرمایا حضرت رسول خدا جس زمانہ میں تھے وہ انتہائی تنگ دستی کا زمانہ تھا اور اب خوشی کا دور ہے نیک لوگ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے زیادہ سزاوار ہیں پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت پڑھی اس کے بعد فرمایا اے سفیان تم میرا ظاہری لباس دیکھ رہے ہو یہ صرف دنیا پرستوں کے لئے [illegible] ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا اور دکھایا [illegible] کا لباس [illegible] کے نیچے [illegible] کا تھا اور فرمایا یہ میں نے اپنے لئے پہنا ہے اس کے بعد آپ نے سفیان کے اوپر کا لباس اٹھایا [illegible] اور قیمتی لباس تھا

(۱۰۰) چھ دن میں زمین و آسمان بنائے گئے

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ [illegible]

عَلَی الْعَرْشِ ۔ اللہ وہ ہے جس نے چھ دن میں آسمان و زمین کو پیدا کیا پھر عرش کے بنانے پر آمادہ ہوا)

بعض لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ آسمان و زمین سے مراد اگر اجرام سماوی ہیں اور ان کے ساتھ زمین بھی تو یہ تمام چیزیں چھ دن میں کیسے بن سکتی ہیں۔ مادی نظام تو قائم ہوتے ہوئے ہی ہوتا ہے اس کے اجزا کی ترتیب آناً فاناً میں نہیں ہو جاتی ۔

پہلا جواب تو یہ ہے کہ انہوں نے خدا کی قدرت کا قیاس بنی آدم کی قدرت پر کیا ہے جو ذات قادر مطلق ہے اس کے اسباب کی فراہمی کیسی وہ لفظ کُن کہہ کر ہر شے کو پیدا کر دیتا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ عالم بالا کے دنوں کا قیاس ہم اپنے دنوں پر کیوں کرتے ہیں جو ۲۴ گھنٹے کا ہوتا ہے خدا کے نزدیک ایک دن ہمارے شمار کے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے : ۔ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (تمہارے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے شمار والے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے) لہٰذا ہم کو اگر اپنے ہی حساب سے دیکھنا ہے تو آسمان و زمین کی خلقت چھ ہزار سال ہوتی ہے ۔

یہ تو ہمارے سمجھانے کو چھ دن بتائے گئے ہیں ورنہ وہاں دنوں کا حساب کہاں۔ وہاں کی صورت تو یہ ہے ۔ اِنَّمَا اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ ۔ (اللہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے) چھ دن کے ذکر سے صرف حدوث کا ثابت کرنا مقصود ہے ۔

علی العرش استوی کا ترجمہ بعض مفسرین نے یہ کیا ہے کہ وہ پھر عرش پر بیٹھ گیا۔ انہوں نے معاذ اللہ خدا کو صاحب جسم و حرکت قرار دیا ہے جو سرتاسر باطل ہے بلکہ اس کے معنی ہیں کہ وہ پھر عرش عظیم جیسی مخلوق کے بنانے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس زمانہ کے ہیئت دانوں کا بیان ہے کہ جس کو نواں آسمان کہا جاتا ہے وہ نیپچول سیارہ ہے ۔ غالباً عرش اسی سے مراد ہو۔ یہ سیارہ تمام اجرام سماوی سے بڑا ہے ۔

Marfat.com

ہمارے نظام شمسی (سولر سسٹم) سے اس کا تعلق نہیں اس کا نظام ہی علیحدہ ہے۔ وہ ہماری زمین سے اتنی دور ہے کہ تین سو برس بعد اس کی کرن زمین کو چھوتی ہے جبکہ آفتاب کی روشنی آٹھ سیکنڈ میں پہنچ جاتی ہے۔

---

(۱۰۱) خلق و امر

پ الاعراف ع ۷ :۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

(خلق اور امر دونوں اس کے لئے ہیں برکت والا ہے وہ خدا جو رب العالمین ہے)

عالم خلق وہ عالم ہے جس میں ہر شے کی خلقت اسباب و وسائط پر موقوف ہے جیسے جب مرد و عورت ملتے ہیں تو عورت کے رحم میں نطفہ قرار پاتا ہے پھر وہ نطفہ علقہ بنتا ہے پھر علقہ مضغہ بنتا ہے پھر مضغہ ہڈی بنتا ہے پھر ہڈی پر گوشت چڑھتا ہے پھر اس میں روح پڑتی ہے۔ اتنے وسائط اور اسباب کے بعد انسان کا بچہ بنتا ہے بغیر ان کے پیدا نہیں ہو سکتا۔

عالم امر کا تعلق ان اسباب و وسائط سے نہیں بلکہ قدرت کے کن (ہو جا) کہتے ہی وہ چیز ہو جاتی ہے۔ جیسے آدم کو بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا یا ابراہیم کو بچپن ہی میں عقل کامل دے دی یا وہ ایک دن میں اتنا بڑھتے تھے جتنا اور بچے ایک ماہ میں بڑھتے ہیں یا حضور سرور کائنات جیسا آگے سے دیکھتے تھے ویسا ہی پیچھے حضرات انبیاء کی زندگی میں بہت سے امور کا تعلق عالم امر ہی سے ہوتا ہے ان کو عالم خلق کے اسباب و وسائط کے حلقہ میں تلاش نہ کرنا چاہئے

(۱۰۲) خلافت ہارون

پ الاعراف ع ۱۷ : قال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی واصلح

سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ۔ (موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میری قوم میں میرے جانشین رہو ان کی اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں کے طریقہ پر نہ جانا)

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ نبوت اور وزارت ساتھ ساتھ چلنے والے عہدے ہیں

(۲) نبی اپنے ارادہ و اختیار سے اپنا وزیر نہیں بناتا بلکہ خدا جس کا انتخاب کرے چنانچہ جب موسیٰ کو نبوت ملی تھی تو اسی وقت انہوں نے خدا سے یہ دعا کی تھی :۔ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هَارُوْنَ اَخِیْ ۔ میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے ،چنانچہ خدا نے بنا دیا موسیٰ خود نہ بنا سکے ۔

(۳) موسیٰ نے یہ کام امت کے مشورہ سے نہیں کیا بلکہ باختیار خود طور پر جاتے وقت حضرت ہارون کو اپنی جگہ چھوڑ گئے ۔

(۴) چند دن کے لئے امت سے غیر حاضر ہو رہے تھے مگر باوجود اس کے اپنی امت کو بغیر اپنا جانشین بنانے نہیں چھوڑا تاکہ اصلاحی کام معرض التوا میں نہ پڑ جائے ۔خیال کیجئے اگر کوئی نبی ہمیشہ کے لئے اپنی امت سے جدا ہو رہا ہو تو کیسے ممکن ہے کہ وہ بغیر اپنا جانشین بنائے دنیا سے رخصت ہو جائے ۔ضرور بنایا اور اسی کو بنایا جو منصوص من اللہ تھے ۔

(۵) حضرت موسیٰ کے طور پر جانے میں سوائے چند آدمیوں کے پوری قوم گمراہی میں مبتلا ہو گئی اور بجائے خدا کے گوسالہ پرست بن گئی ۔

(۶) حضرت ہارون کے سمجھانے کا اس قوم پر کوئی اثر نہ ہوا کیونکہ وہ خلافت ہارونی سے خوش نہ تھے وہ ان کی جگہ سامری جیسے سرکش اور ساقط الایمان لوگوں کو موسیٰ کا خلیفہ بنانا چاہتے تھے

(۷) حضرت موسیٰ اپنے جانشین سے یہ کہہ کر گئے تھے کہ ان کی اصلاح کرتے رہنا اور مفسد کے راستے پر نہ چلنا ۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ کی قوم میں کچھ مفسد لوگ ایسے تھے جن ان کی غیبت میں فساد برپا کرنے کا خوف تھا ۔ اسی طرح حضرت رسول خدا جانتے تھے میرے بعد کچھ لوگ فساد برپا کریں گے ۔چنانچہ آپ نے حضرت علی کو بتا دیا تھا اور مجھ

دیا تھا کہ وہ راہِ حق پر ہر حالت میں ثابت قدم رہیں۔ انہی واقعات پر نظر رکھتے ہوئے آنحضرت نے حضرت علی سے فرمایا تھا۔

اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

(کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ کے نزدیک ہارون تھے مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہ ہوگا)

(۸) حضرت کے طور پر جاتے ہی سامری نے گوسالہ بنا کر قوم موسیٰ کو گمراہ کر دیا یعنی وہ بجائے خدا کے گوسالہ کو پوجنے لگے۔ حضرت رسول خدا جب باہر جاتے تھے تو کسی کو اپنی جگہ قائم مقام بنا کر جاتے تھے اپنی امت سے یہ نہیں کہتے تھے جسے چاہو بنا لو۔ پھر کیسے ممکن تھا کہ بغیر اپنا جانشین مقرر کئے دنیا سے رخصت ہو جاتے۔

(۱۰۳) رسالت اور کلام کے لئے موسیٰ کا انتخاب میں آنا

پ الاعراف ع ۱۷۔ قَالَ یٰمُوْسٰی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ فَخُذْ مَا اٰتَیْتُکَ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ۔

(اے موسیٰ میں نے تم کو تمام لوگوں پر اپنی پیغمبری اور ہمکلامی کا درجہ دے کر برگزیدہ کیا ہے پس جو کتاب (توریت) تم کو عطا کی ہے اسے لو اور شکر گزار رہو)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو اس سے پہلے ہی نبی بنائے جا چکے تھے اب یہ نیا انتخاب کیوں ہوا۔ جواب یہ ہے کہ یہ انتخاب ان کی رسالت کا ہے نبی تو [illegible] پہلے نبی تھے اب رسول صاحب کتاب بنائے گئے۔ دوسرا انتخاب خدا سے ہمکلام ہونے کا ہے رسول کے لئے صاحب کتاب ہونا [illegible] ان کی تبلیغ اس کتاب کے مطابق ہے۔

(۱۰۴) الواح توریت

پ ۹ الاعراف ع ۲۰ ۔ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ۔

(ہم نے توریت کی تختیوں میں موسٰی کے لئے ہر طرح کی نصیحت اور ہر چیز کا تفصیل وار بیان لکھ دیا تھا تو (اے موسٰی) اسے مضبوطی سے لے لو (عمل کرو) اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس میں اچھی باتوں پر عمل کریں اور بہت جلد تمہیں بدکرداروں کا گھر دکھادونگا)

الواح توریت کیا تھیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

(۱) یہ تختیاں زبرجد و یاقوت کی تھیں جو بہشت سے نازل کی گئی تھیں۔

(۲) پتھر کی تھیں جن پر حضرت موسٰی نے توریت کو لکھا تھا۔ یہ کام چالیس روز تک پہ پرہ کر انہوں نے کیا۔

(۳) یہ پتلے پتلے پتھر کے ٹکڑے تھے جن پر پتھر کی نوک سے توریت کو لکھا گیا تھا۔

(۴) ان الواح کی تعداد میں بھی اختلاف ہے کوئی کہتا ہے ۷ تھیں کسی کے نزدیک چالیس تھیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب اتنی تعداد میں پتھر کی یہ سلیں تھیں تو ان کو بغل دبا کر پہاڑ سے اترتے ہوئے اپنی قوم تک کیسے لائے۔

صحیح روایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ لکھی لکھائی تختیاں قدرت کی طرف سے ان کو ملی تھیں ورنہ پوری کتاب کا پتھر کی سلوں پر پتھر کی نوک سے لکھنا اور اس تحریر کا باقی رہنا عقل قبول نہیں کرتی۔ ایسی ہموار اور صاف تختیاں طور پر کہاں سے آگئیں اور پھر چالیس روز میں توریت جیسی ضخیم کتاب اس طرح کیسے کندہ ہوئی کہ اس کے نقوش بنی اسرائیل کے مدت دراز تک باقی رہے۔ آخر یہ کیسے ہوئے۔ لوگوں کے دلوں میں کیوں دھڑکن پیدا ہوئی کہ توریت لکھی لکھائی موسٰی کو ملی تھی۔

سرسید احمد خاں آنجہانی تو اس کے قائل ہیں کہ موسیٰ نے خود پتھروں پر کھودا تھا۔ یہ سوال وہ جانیں اور ان کی تحقیق۔

توریت میں ہر قسم کے موعظے تھے اور اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی مسائل تفصیل سے بیان کئے گئے تھے۔ عبرانی زبان میں نازل ہوئی تھی۔ عبارت سادہ تھی اس سے قرآن مجید کی طرح تحدی نہیں کی گئی کہ اس کی مثل کوئی نہیں لا سکتا۔

اصلی الواح توریت حضرت موسیٰ کے بعد اولاد ہارون کے قبضہ میں تھی انہوں سے احبار یعنی علماء یہود نے اس کی نقلیں کیں۔ عام لوگ جو کچھ معلومات کرتے تھے احبار سے کرتے تھے۔ ان کے ظاہری زہد و تقدس نے بنی اسرائیل پر پورا پورا تسلط کر لیا تھا۔ احبار نے یہ صورت دیکھ کر احکام و قصص توریت میں تحریف شروع کر دی۔ وہ امراء اور رؤساء سے روپیہ لے کر ان کی مرضی کے مطابق تبدیلی کر دیتے تھے اولاد ہارون کی بجائے عام لوگوں کا میل جول احبار سے زیادہ ہو گیا یہی صورت آنحضرت کے بعد قرآن مجید کے متعلق ہو گئی۔ "فاعتبروا یا اولی الابصار"

۱۰۵) سامری کا گئوشالہ

پ ۹ الاعراف ع ۱۸ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِن بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ

موسیٰ کی قوم نے ان کے طور پر جانے کے بعد اپنے زیوروں کا ایک بچھڑے کی مورت بنایا جس میں گائے کی سی آواز تھی۔

سامری بنی اسرائیل میں ایک جادوگر سنار تھا اس نے قوم سے وہ تمام زیورات جو قوم فرعون کے غرق ہونے کے بعد ان کے ہاتھ لگے تھے لے کر ایک بچھڑے کی مورتی بنائی۔ جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی اس نے بنی اسرائیل سے کہا [illegible] گئے تھے وہ [illegible] [illegible] آواز [illegible]

مگر بولتا وہی ہے تم سب اسے سجدہ کرو۔ وہ بیوقوف اس کے جھانسے میں آ گئے اصل میں ان کی طبیعتیں بت پرستی کی طرف پہلے ہی سے مائل تھیں۔ حضرت موسیٰ کی وجہ سے اظہار نہ کر سکتے تھے اور ایک بار تو اظہار کر بھی دیا تھا۔ چنانچہ جب دریائے نیل کو پار کر کے خشکی پر پہنچے تو انہوں نے ایک قوم کو دیکھا کہ وہ بتوں کو سامنے رکھے اس کی پوجا پاٹ کر رہے ہیں ان میں گائے کی مورتی بھی تھی۔ ان کا دل للچا گیا۔ حضرت موسیٰ سے کہنے لگے ہمارے لئے ایسے ہی خدا بنوا دیجئے جیسے ان کے ہیں۔ سامری کو ان کے خیالات کا اندازہ تھا لہٰذا اس نے بچھڑا بنا کر ان کو بت پرست بنا دیا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت جبریل گھوڑے پر سوار ہو کر اس وقت آئے تھے جب فرعون اور اس کے ساتھ دریائے نیل میں داخل ہونے سے رک رہے تھے۔ جبریل نے فرعون کے گھوڑے کے آگے اپنی گھوڑی بڑھائی وہ اس کی بو سونگھ کر اس کے پیچھے پیچھے مع فرعون کے دریا میں داخل ہو گیا اور اس کے پیچھے پیچھے اس کی ساری قوم بھی۔ سامری نے جبریل کے گھوڑے کے سم کے نیچے کی مٹی اٹھالی تھی۔ اس مٹی کو اس بچھڑے کے اندر ڈال دیا جس کے اثر سے وہ بولنے لگا تھا کہ ایسی غیر المعقول باتیں ہیں جو کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھیں۔

(۱) سامری بنی اسرائیل کے ساتھ دریا پار کر چکا تھا اس نے وہاں سے جبریل کو کیسے دیکھ لیا۔ جب کہ دریا کا پورا پاٹ اس کے اور جبریل کے درمیان حائل تھا۔

(۲) اس نے یہ کیسے جان لیا کہ گھوڑی پر سوار ہونے والے جبریل ہیں۔

(۳) اسے یہ کیسے علم ہوا کہ اس مٹی کو اگر بچھڑے میں ڈال دوں گا تو بولنے لگے گا۔

(۴) جب کہ وہ دریا کے پار تھا تو یہ مٹی گھوڑے کے سم کے نیچے سے اٹھائی کیسے مصر میں جادوگروں کی کوئی کمی نہ تھی سامری بھی انہی میں سے ایک تھا وہ بظاہر حضرت موسیٰ پر ایمان لے آیا تھا اس نے اپنے جادو کے زور سے بچھڑے کو ناطق کیا۔

بعض مفسرین کا قول سر سید نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ اس نے نالی کی قسم کے خالی

اس میں لگا دیئے تھے جب ہوا ان میں سے گزرتی تھی تو جیسے سیٹی سے آواز نکلتی ہے یا بانسری سے اس طرح اس سے نکلتی تھی لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اس قسم کی آوازیں بچھڑے کی آواز سے مشابہ نہیں ہوتیں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ بچھڑے کے اندر ایک آدمی چھپا کر بٹھا دیا کرتا تھا جو گائے کی سی آواز اپنے منہ سے نکالا کرتا تھا لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ وہ بچھڑا اتنا بڑا نہ تھا کہ اس میں آدمی چھپ کر بیٹھ سکے

سورہ طٰہٰ ع ۵ میں ہے کہ جب موسیٰ نے سامری سے پوچھا کہ تو نے یہ کیا کیا تو اس نے کہا

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي

(مجھے وہ چیز دکھائی دی جو اوروں کو نہ سوجھی یعنی جبرئیل گھوڑے پر سوار جا رہے تھے میں نے ان کے گھوڑے کے نشان قدم کی ایک مٹھی خاک اٹھا لی اور وہ اس بچھڑے میں ڈال دی اس وقت میرے نفس نے مجھے یہی سجھائی)

قرآن میں یہ بیان سامری کا ہے جس کی تصدیق نہ خدا نے کی نہ جناب موسیٰ نے اس نے محض اپنی عقلمندی دکھانے کے لئے یہ بیان دیا تھا ورنہ حقیقت یوں ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں یہ کب ہو سکتا ہے کہ جبرئیل امین فرعون کے ساتھ ساتھ اس دریا کے کنارے تک آئے ہوتے تو اب کنارے تک ہو سکتے تھے۔ فرعون تو بیچ دریا میں غرق ہو گیا تھا۔ پھر جبرئیل امین کو دریا کا پانی چھوڑ کے پہاڑ کے کنارے تک آنے کی کیا ضرورت تھی کیا وہ موسیٰ کو بشارت دینے آئے تھے کہ فرعون ڈوب گیا۔ کیا بغیر ساحل پر آئے ان کے لئے پرواز کرنا ممکن نہ تھا جس کام کے لئے آئے تھے جب وہ ہو گیا تھا تو پھر کنارے پر آنے کی کیا ضرورت تھی

۱۰۶ موسیٰ کا طور سے لوٹنا

پ ۹ الاعراف ع ۱۸۔ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ

اَخِیْہِ یَجُرُّہٗ اِلَیْہِ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۔

(جب موسیٰ پلٹ کر اپنی قوم کی طرف آئے تو یہ حالت دیکھ کر رنج وغصّے سے کہنے لگے تم لوگوں نے میرے بعد بہت بُری حرکت کی تم لوگ پروردگار کے حکم (میرے آنے) میں کس قدر جلدی کر بیٹھے اور توریت کی تختیوں کو پھینک دیا اور اپنے بھائی (ہارون) کے سر کے (بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اس پر ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے میں کیا کرتا اس قوم نے مجھے حقیر سمجھا (میرا کہنا نہ مانا) بلکہ قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں تو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسوائیے اور مجھے ان ظالموں کا ساتھی نہ قرار دیجئے)

ان آیات میں حسب ذیل باتیں قابل غور ہیں :-

(۱) سامری کی بدولت جو گستاخی ان کی قوم نے کی تھی اس پر اتنا غصہ آیا کہ آپے سے باہر ہو گئے کیونکہ انہوں نے بت پرستی قبول کر لی تھی اور دین الٰہی کو ترک کر دیا تھا۔ ایک نبی کے لئے اس سے زیادہ غصہ کی اور کیا بات ہو سکتی تھی۔

(۲) بظاہر ایک نبی کے لئے یہ ایک گستاخانہ عمل تھا کہ کتاب خدا کو پھینک دیا لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو قوم کی ضلالت وگمراہی پر ایسا شدید غصہ آنا ایک فطری امر تھا۔ اس حالت میں الواح توریت کا سنبھالنا دشوار ہو گیا اور ان کو سنبھال نہ سکے اور وہ زمین پر گر گئیں اس سے توریت کی توہین مقصود نہ تھی لہٰذا یہ امر قابل اعتراض نہیں۔

(۳) چونکہ حضرت ہارون کو خلیفہ بنا کر گئے تھے لہٰذا بازپرس انہی سے کی گئی اور غصہ میں ان کے سر کے بال پکڑ لئے کہ اگر انہوں نے کہنا نہ مانا تھا تو تم ان سے الگ کیوں نہ ہو گئے کہ ان پر عذاب نازل ہو جاتا تمہارے موجود رہنے کی جگہ سے نازل نہ ہوا۔ نیز تمہارے ان سے جدا نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل نے سمجھا کہ ہمارے اس فعل سے یہ بھی راضی ہیں

Marfat.com

نیز لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دینی معاملہ میں حقیقی بھائی کا بھی پاس اور لحاظ نہیں کیا جاتا مفسرین نے لکھا ہے کہ یابن اُمّ (میرے ماں جائے) اس لئے کہا کہ محاورہ ماں ہی طرف نسبت دینے کا ہے

کس قدر مشابہ ہے یہ واقعہ حضرت علیؑ کے واقعہ سے کہ حضرت رسول خدا کے وصال ہوتے ہی لوگ ان کے دشمن ہو گئے اور ان کو ذلیل اور قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

---

(۱۰۷) طور پر لیجانے کے لئے حضرت موسیٰ کا انتخاب

پ۹ الاعراف ع ۱۹ : وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا

(موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ہمارا وعدہ پورا کرنے کو (کوہ طور پر لیجانے کے واسطے) ستر آدمیوں کو چنا)

جب قوم موسیٰ اس پر اڑ بیٹھی کہ ہمیں اپنے ساتھ طور پر لے جاؤ تاکہ خدا کا کلام ہم بھی سنیں تو پہلے آپ نے ستر ہزار میں سات سو کو منتخب کیا پھر سات سو میں سے صرف ستر کو ساتھ لیا جب کوہ طور پر پہنچے تو وہ ستر آدمی اڑ گئے کہ ہم تو آپ پر جب ایمان لائیں گے کہ ہمیں خدا کو دکھا دیں۔ موسیٰ نے بہت کچھ سمجھایا بجھایا مگر ان پتھر دلوں کو کیا جو نہ نکتی جب موسیٰ نے دکھانے کا اقرار نہ کیا تو کہنے لگے ہم تم کو قتل کر دیں گے۔ آخر مجبور ہو کر بارگاہ باری میں عرض کی رَبِّ اَرِنِیْ (خداوندا مجھے اپنے کو دکھا دے) جواب ملا لَنْ تَرٰنِیْ (تم مجھے نہ دیکھو گے) زیادہ شوخ چشمی اور گستاخی کا نتیجہ یہ ہوا کہ زلزلے نے ان کو آ دبوچا بجلی چمکی اور جل گیا۔ موسیٰ غش کھا گئے اور قوم مر گئی جیسا ان کا ظرف تھا ویسا اثر ہوا۔

حضرت موسیٰ جب ہوش میں آئے تو بارگاہ باری میں عرض کرنے لگے اے میرے پروردگار اگر تو چاہتا تو مجھے اور ان سب کو ہلاک کر دیتا کیا ہمارے احمقوں کی کرتوت کی سزا میں ہم کو ہلاک کرتا ہے یہ تو بڑی آزمائش تھی تو جسے چاہے گمراہی پر چھوڑ دے اور جسے

چاہے ہدایت کردے تو ہمارا ولی ہے ہمارا قصور معاف کر اور ہم پر رحم کر تو تمام بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے۔ حضرت موسیٰ کو یہ خوف تھا کہ اگر یہ لوگ زندہ نہ ہوئے اور میں اکیلا قوم کے پاس گیا تو وہ مجھے ضرور مار ڈالیں گے۔ خدا نے ان کی دعا سن لی اور ان سب کو زندہ کر دیا

اس سے معلوم ہوا کہ رویت باری تعالیٰ کی درخواست حضرت موسیٰ نے اپنی خواہش سے نہیں کی تھی بلکہ قوم کے مجبور کرنے پر ایسا کیا تھا۔ اگر خدا قابل رویت ہوتا تو اپنے رسول کی درخواست کو کبھی رد نہ کرتا۔ اگر حضرت موسیٰ ان کو زندہ نہ کراتے تو قوم ان کو زندہ نہ چھوڑتی اس قصہ میں دو باتیں خاص طور سے قابل غور ہیں۔

(۱) حضرت موسیٰ نبی تھے رسول تھے کلیم اللہ تھے علم وحی رکھنے والے تھے انہوں نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ایسے انتخاب کئے جو ان کے نزدیک از روئے ایمان نہایت پختہ تھے لیکن طور پر جاتے ہی ان کا ایمان رخصت ہو گیا۔ پس جب نبی کا انتخاب صحیح نہ تھا ان لوگوں کو جو معصوم بھی نہ ہوں اور معمولی علم رکھتے ہوں کوئی انتخاب کیسے صحیح ہو جائیگا لہٰذا سوائے خدا کے کسی کا انتخاب صحیح نہیں مانا جا سکتا ایسی صورت میں ہم سقیفائی انتخاب کو کیسے قبول کر سکتے ہیں۔

(۲) مسئلہ رجعت ہے یعنی وقت ظہور امام عصر عجل اللہ فرجہ کچھ لوگ اس دنیا میں پھر آئیں گے ہمارے مخالف اس کو نہیں مانتے۔ سرسید صاحب نے مذاق اڑایا ہے اور کہا ہے جو مر گئے سو مر گئے دوبارہ کوئی سوائے قیامت کے زندہ نہ ہوگا وہ دیکھ لیں کہ قوم موسیٰ کے ستر آدمی دوبارہ زندہ ہوئے یا نہیں۔

---

(۱۰۸) اُمّی کے معنی

پ ۹ الاعراف ع ۱۹: اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا

عندهم فی التورات والانجیل یامرهم بالمعروف وینهاهم عن المنکر ویحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم فالذین امنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذی انزل معه اولئک هم المفلحون

(جو لوگ ہمارے نبی و رسول اُمّی کے قدم بقدم چلتے ہیں جس کی بشارت اپنے یہاں توریت و انجیل میں لکھی پاتے ہیں وہ وہ ہے جو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور جو پاک چیزیں ہیں وہ ان پر حلال اور ناپاک گندی چیزوں کو ان پر حرام کر دیتا ہے اور وہ سخت احکام کا بوجھ جو ان کی گردنوں پر بھاری تھا اور وہ پھندے جو ان پر پڑے ہوئے تھے ان سے ہٹا دیتا ہے پس یاد رکھو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی عزت کی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے تو یہی لوگ اپنے دل کی مرادیں پائیں گے)

اس آیت میں دو چیزوں پر غور کرنا ہے۔

(۱) لفظ اُمّی کے معنی (۲) وہ نور جو حضرت کے ساتھ نازل ہوا۔

(۱) جن لوگوں نے اُمّی کے معنی جاہل اور ان پڑھ لئے ہیں وہ خود جاہل ہیں [illegible] ایسے رسول کی شان میں جس کو خدا نے خلقت آدم سے پہلے ہی نبی بنا دیا تھا [illegible] جو وہ نہ جانتا تھا (وعلمک ما لم تکن تعلم) [illegible] اللہ تعالیٰ ایک جاہل کو نبی بناتا تو حجت لوگوں کی اس پر تمام ہو جاتی اور خدا کے عدل و انصاف کے خلاف [illegible] ایک جاہل کو نبی بنایا [illegible] اپنے مال کے پیٹ سے [illegible] النبی نبی و آدم کان [illegible] یہ ایک بات [illegible]

خدا فرماتا ہے الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان [illegible] کے پیٹ [illegible] انسان [illegible] کے معنی جاہل قرار دینا کس قدر بے جا بات ہے

اُمّی کے معنی ام القریٰ یعنی مکہ کے رہنے والے کے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے :-
ھو الذی بعث فی الاُمّیین رسولاً منھم الخ (اللہ وہ ہے جس نے مکہ والوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا) تو کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اس نے جاہلوں میں سے ایک جاہل کو مبعوث برسالت کیا چونکہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اس کی قوم ہی سے مبعوث کرتا ہے اس لئے یہ کہا گیا کہ مکہ والوں میں سے حضرت کو مبعوث کیا۔

ہمارے اس قول کی تائید سورۂ قصص ع ۶ کی اس آیت سے ہوتی ہے۔
وَمَا کَانَ رَبُّکَ مُھْلِکَ الْقُرٰی حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْ اُمِّھَا رَسُوْلًا یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِنَا وَمَا کُنَّا مُھْلِکِی الْقُرٰی اِلَّا وَاَھْلُھَا ظٰلِمُوْنَ۔

(تمہارا پروردگار جب تک ان گاؤں کے صدر مقام پر اپنا رسول نہ بھیج لے اور وہ ان کے سامنے ہماری آیات نہ پڑھ دے اس وقت تک بستیوں کو برباد نہیں کر دیا کرتا اور ہم بستیوں کو برباد کرتے ہی نہیں جب تک وہاں کے لوگ ظالم نہ ہوں)
اس آیت میں اُم کے معنی صدر مقام کے ہیں پس امیین کے معنی ہوئے صدر مقام یعنی مکہ کے رہنے والے کیونکہ مکہ کی آس پاس کی تمام بستیوں کا صدر مقام مکہ تھا۔

(۲) وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ ، اور انہوں نے پیروی کی اس نور کی جو رسول کے ساتھ نازل ہوا۔ اس نور سے مراد حضرات اہلسنت نے قرآن کو لیا ہے تو ذرا بتائیں کہ جب قرآن حضرت کے ساتھ نازل ہوا ہے تو پھر حضرت جاہل کیسے ہوئے۔
اگر حضرت کے ساتھ نہیں نازل ہوا تو بتائیں وہ کونسا نور ہے جو ساتھ نازل ہوا تھا ہم شیعوں کا عقیدہ ہے کہ وہ نور علی بن طالب ہے جو عالم نور میں بھی حضرت کے ساتھ تھا عالم ظہور میں بھی صلب حضرت عبدالمطلب تک آپ کے ساتھ رہا۔

Marfat.com

(۱۰۹) من وسلویٰ

پ الاعراف ع ۲۰، وانزلنا علیھم المنّ والسّلوٰی (ہم نے ان پر من وسلویٰ نازل کیا)

قوم موسیٰ بڑی ہٹی، ضدی اور سرکش تھی۔ بات بات پر حضرت کے ساتھ جھگڑا کرتی تھی
ایک بار اس بات پر اڑ گئی کہ یہ کھانے پکانے کا دھندا ہم سے نہیں ہوتا۔ خدا سے دعا
کیجئے کہ وہ آسمان سے ہمارے لئے کچھ کھانا بھیج دیا کرے۔ حضرت موسےٰ نے بہت کچھ
سمجھایا مگر وہ کہاں ماننے والے تھے آخر حضرت موسیٰ نے مجبور ہو کر خدا سے دعا کی چنانچہ
من وسلویٰ نازل ہونا شروع ہوا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ رات کو جھاڑیوں پر ترنجبین کی ایک
روٹی اور بھنی ہوئی بٹیر جیسا پرندہ اتر آتی تھی اور ان کی تعداد کے مطابق سے ہوتی تھی صبح تڑکے [illegible]
کے بعد جاتے اور اپنے اپنے حصے کی ایک ایک روٹی اور بٹیر اٹھا لاتے زیادہ نہیں [illegible] ایک دن کی
ان کا پیٹ بھرنے کے لئے کافی تھی مگر شرارت تو ان کی گھٹی میں تھی۔ انہوں نے یہ کرنا شروع
کیا ایک ایک کی بجائے کئی کئی روٹیاں اور بٹیریں اس اندیشے کے تحت اٹھا لاتے کہ [illegible]
بند ہو جائے اس سے بہت سے لوگ بھوکے رہ جاتے اس لئے یہ کھانا [illegible]
ایک کھانا اب ہم کھاتے کھاتے تنگ آگئے ہیں [illegible]
دو [illegible] ساگ پات ککڑی لہسن پیاز اور مسور [illegible] چنانچہ [illegible]
اور ان سے کہا گیا کہ تم کسی شہر کو چلے جاؤ وہاں یہ سب کچھ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اس قوم کی ہدایت کے لئے آئے۔

ایک وجہ نزول من وسلویٰ کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب بنی اسرائیل بطور سزاواری تیہ میں محصور تھے تو وہاں غذا کا سامان بمشکل ان کو میسر آتا تھا اس لئے انہوں نے موسیٰ سے یہ دعا کرائی تھی جو خدا نے ازراہ رحمت منظور فرمالی تھی۔

یومِ سبّت کا واقعہ

پ ۹ الاعراف ع ۱۲۱، اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّیَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِیْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۝

(بنی اسرائیل جس بستی میں آباد تھے وہ ایک دریا کے کنارے واقع تھی جب یہ لوگ (یعنی یہودیوں کے اسلاف) شنبہ کے دن زیادتی کرنے لگے کہ جب ان کا شنبہ (والا عبادت کا) دن ہوتا تو مچھلیاں سمٹ کے ان کے سامنے پانی پر ابھر کے آجاتیں اور جب شنبہ والا دن نہ ہوتا تو مچھلیاں ان کے پاس ہی نہ پھٹکتیں (چونکہ یہ لوگ بدچلن تھے اس وجہ سے) ہم بھی یوں ہی ان کی آزمائش کرتے تھے۔)

واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل شب و روز دریا سے مچھلیاں پکڑنے میں لگے رہتے تھے خدا نے حکم دیا کہ شنبہ کے دن کوئی مچھلی کا شکار نہ کرے تاکہ ایک دن غریب مچھلیوں کو بھی آزادی سے گھومنے پھرنے کا موقع ملے ان شریروں نے اس حکم کے بعد یہ کیا کہ دریا کے قریب جابجا چھوٹے چھوٹے حوض بنادیئے اور دریا سے نالی کاٹ کر ان سے ملادی۔ شنبہ کو مچھلیاں آزادی کا دن سمجھ کر ان حوضوں میں آجاتیں۔ بنی اسرائیل نالی کا راستہ بند کر کے انہیں مقید کر دیتے اور دوشنبہ کو سویرے ہی جاکر ساری مچھلیاں پکڑ لیتے اس نافرمانی کی سزا میں قدرت نے ان کو بندر بنادیا۔

باقی حال ۱۲۱ میں پڑھو۔

Marfat.com

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے جب انسانوں کو بندر بنایا گیا تو یہ آواگون نہیں تو کیا ہے
کیونکہ اس میں بھی یہی ہوتا ہے کہ انسانی روح ایک قالب سے دوسرے قالب میں چلی جاتی ہے
جواب یہ ہے کہ آواگون ایک دوامی چکر ہے روح انسانی برابر مختلف قالبوں میں جاتی رہتی ہے۔ یہاں
جو بندر بنایا گیا اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ ان کی صورتیں بندروں جیسی بنا دی گئیں بعض کے نزدیک ان کی
عادات بندروں کی سی کر دی گئیں اور اگر وہ بالکل بندر ہی بن گئے تھے تو تین روز سے زیادہ زندہ نہ
رہے ایسی صورت میں آواگون کا اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا۔

(۱۱۱) عہد الست

پ الاعراف ع ۲۲ ۔ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ
عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ

اے رسول وہ وقت یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے آدم کی اولاد سے یعنی
پشتوں سے باہر نکال کر ان کی اولاد سے خود ان کے مقابلہ میں اقرار کرالیا پوچھا کیا
میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو سب کے سب بولے ہاں [illegible]
[illegible] ایسا نہ ہو کہیں قیامت کے دن بول اٹھو [illegible]

اس آیت کی تفسیر میں [illegible] بیانات [illegible]
[illegible]
[illegible]

یہاں [illegible]
[illegible]
ان کے [illegible]

وہ ربوبیت باری تعالیٰ کا اقرار کیسے کرتے یہ زمانہ عالم ذر کہلاتا ہے یعنی یہ اجزائے اصلیہ ذروں کی صورت میں نکال کر قدرت نے کسی مقام پر رکھے اور ان سے اپنی ربوبیت کا سوال کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے عالم ذر میں جس نے ربوبیت الٰہیہ کا اقرار کیا اور اس کی توحید پر ایمان لایا وہ میں تھا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان دو چیزوں کا نام ہے اجزائے اصلیہ اور اجزائے زائدہ۔ اجزائے اصلیہ کبھی نہیں بدلتے اور اجزائے زائدہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ انسان کبھی موٹا ہوتا ہے کبھی لاغر۔ یہ اجزائے زائدہ مواد ارضی سے بنتے ہیں یعنی اس غذا سے جو انسان کھاتا ہے مرنے کے بعد یہیں سپرد خاک کر دیئے جاتے ہیں عالم ذر سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

اجزائے اصلیہ نہایت لطیف ہیں وہ ہماری ان آنکھوں سے نظر نہیں آتے یہ مٹی کا جوہر ہیں خدا فرماتا ہے:۔ لقد خلقنا الانسان من سُلٰلَۃٍ من طِین۔ (ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا) اس کے بعد انہی اجزائے لطیفہ کو انسان کے نطفہ میں چھپا دیا پھر رحم مادر میں اجزائے زائدہ آنے شروع ہو گئے پہلے علقہ بنایا پھر مضغہ پھر ہڈی پھر گوشت یہ ہے ترتیب اجزائے زائدہ کی۔

اجزائے اصلیہ زندگی بھر ہر جاندار کے ساتھ رہتے ہیں بلکہ اسی کا نام زندگی ہے جب موت کے وقت یہ نکال لئے جاتے ہیں تو انسان کا جسم جسد بے روح بن جاتا ہے اور آثار زندگی ختم ہو جاتے ہیں۔ یہی اجزائے اصلیہ جب قیامت میں رکھے جائیں گے تو بدن کے اجزائے زائدہ جہاں کہیں بھی ہوں گے وہاں سے نکل نکل کر اپنے اجزائے اصلیہ سے آملیں گے جیسا کہ حضرت ابراہیم کے پرندوں سے ظاہر ہوا کہ انہوں نے چار پرندوں کا قیمہ کر کے ان کو ملایا اور پہاڑوں پر تھوڑا تھوڑا رکھ دیا پھر ہر پرند کے سر کو اپنی چٹکی میں لے کر اسے پکارا تو اس کے اجزائے زائدہ جہاں جہاں تھے، دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑے اور اپنے اجزائے اصلیہ سے آملے جو سر کے اندر محفوظ تھے۔

Marfat.com

ہم اس مشکل مسئلہ کو ایک اور مثال سے سمجھاتے ہیں آدمی کے اندر سے ایک آواز نکلتی ہے "میں"، بتائیے یہ آواز کون نکالتا ہے کیا بدن کی ہے نہیں کیونکہ جب وہ کہتا ہے میرا بدن تو معلوم ہوا بدن اور ہے اور میں کہنے والا اور کیونکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان مغایرت ہوتی ہے پھر کیا آواز نفس کی ہے۔ نہیں کیونکہ جب وہ کہتا ہے میرا نفس تو معلوم ہوا نفس کوئی اور ہے اور میرا کہنے والا اور اسی طرح وہ کہتا ہے میری روح لہٰذا معلوم ہوا کہ میری روح کہنے والا کوئی اور ہے پس جب میرا کہنے والا نہ بدن ہے نہ نفس نہ روح تو ماننا پڑے گا کوئی اور ہے اور وہ ان کے اجزائے اصلیہ ہیں جو حقیقت انسانیہ ہیں انہی سے یوم الست خدا نے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا تھا انسان اس عہد کو بھول گیا اور دنیا میں آکر بجائے خدا کے شیطان کی اطاعت کرنے لگا۔ اللہ نے اسے یہ عہد یاد دلایا ہے:۔

الم اعهد اليكم يا بني آدم ان لا تعبدوا الشيطان انه لكم عدو مبين

کیا اے بنی آدم میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے

عالم ذریت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ ظالم اور نافرمان کون ہوا کرنے والا ہے لہٰذا اس کے مطابق اسے خلعت وجود عطا فرمایا اور اس سے اپنی عنایات کو سلب کیا یا جاری رکھا۔

---

١١٢) بلعم باعور

پ الاعراف ع ٢٢، واتل عليهم نبا الذي آتيناه آياتنا فانسلخ منها فاتبعه الشيطان ... ولو شئنا لرفعناه بها ولكنه اخلد الى الارض واتبع هواه

ان لوگوں کو اس شخص کا حال سناؤ جسے ہم نے اپنی نشانیاں عطا کی تھیں پھر وہ ان

سے نکل بھاگا اگر ہم چاہتے تو ان کی وجہ سے رتبہ بلند کر دیتے لیکن وہ دنیاوی معاملات میں پھنس گیا اور اس نے شیطان کی پیروی کی)

حضرت موسیٰ کے زمانہ میں ایک شخص بلعم باعور تھا جس نے سالہا سال خدا کی عبادت کی تھی جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے اسے اسم اعظم کی تعلیم دی تھی اس کے واسطے سے وہ جو بھی دعا کرتا تھا قبول ہو جاتی تھی۔ فرعون نے ایک روز اس سے کہا کہ تو موسیٰ اور ان کی قوم کے لئے بددعا کر تاکہ یہ برباد ہو جائیں اور اسے بہت کچھ لالچ دیا وہ لالچ میں آ گیا اور اپنے گدھے پر سوار ہو کر اپنے عبادت خانہ کی طرف جانا چاہتا تھا تاکہ وہاں بددعا کرے مگر خدا کی شان دیکھو گدھے نے آگے قدم نہ بڑھایا اس نے مارنا شروع کیا۔ بقدرت خدا وہ گدھا گویا ہوا مجھے کیوں مارتا ہے میں تیرے ساتھ کیسے چل سکتا ہوں جب کہ تو ایک نبی خدا کے لئے بددعا کرنے جا رہا ہے۔ آخر بلعم نے اتنا مارا کہ وہ مر گیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسم اعظم کو بھول گیا اور اس کی دعا کا اثر جاتا رہا اور بحالت کفر اس کی موت واقع ہوئی۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ چند جانور جنت میں جائیں گے۔

ناقۂ صالح، گرگ کنعان، سگ اصحاب کہف، خر بلعم باعور، ہدہد سلیمان۔ لیکن یہ قابل تسلیم نہیں کیونکہ جنت انسانوں کے لئے ہیں جو مکلف ہیں نہ کہ حیوانوں کے لئے جن سے تکلیف ساقط ہے لہٰذا جزا و سزا کا ان سے تعلق نہیں البتہ جو امر خیر ان سے خاص خاص وقت میں صادر ہوا اور اس کا بدلہ ان کو دے گا جس طرح چاہے گا۔ ان جانوروں کے علاوہ اور بھی بہت سے جانور ایسے ہوئے ہیں جن سے انسان کے حق میں ہمدردی کا اظہار ہوا ہے تو بنا بر روایت اول ان کو بھی جنت میں جانا چاہئے اور یہ ثابت نہیں۔

---

(۱۱۳) قرآن میں دل کا ذکر ہے دماغ کا نہیں

پ۹ الانفال ع ۳۔ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔

Marfat.com

(اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل (ارادہ) کے درمیان آجاتا ہے اور یہ بھی جان لو کہ تم سب اس کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے)

مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے تو انسان کو اس کے ارادہ سے روک سکتا ہے۔ اس مطلب کو امیرالمومنین علیہ السلام نے اس طرح ادا کیا ہے:۔ عرفت ربی بفسخ العزائم۔ (میں نے ارادوں کے ٹوٹنے سے اپنے رب کو پہچانا ہے) انسان ہزار ارادے کرتا ہے اور ان کے پورا کرنے کے لئے تمام سامان بھی مہیا کرتا ہے اور اپنی کامیابی کا اسے یقین بھی ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی وہ ارادہ پورا نہیں ہوتا اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی قوت ہے جو ہمارے ارادے کو اپنی مصلحت کی بنا پر پورا نہیں ہونے دیتی اور ہمارے تمام ارادے اس کی قدرت کے تحت ہیں۔

دل کے متعلق ایک بہت نازک بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جا بجا قرآن میں دل کا تو ذکر کیا ہے لیکن دماغ کا کہیں نہیں حالانکہ دماغ کو قلب پر فضیلت ہے کیونکہ دماغ ہی تو وہ عضو ہے جو ہر بات کو سوچتا ہے اور ظاہری اور باطنی تمام قوتوں کا مالک ہے۔ قوت سامعہ، باصرہ، لامسہ، ذائقہ، شامہ، حس مشترک، حافظہ، واہمہ، متخیلہ، متصرفہ وغیرہ سب قوتوں کا وہی مالک ہے تمام اطلاعات اسی کے پاس آتی ہیں گویا وہ تمام قوتوں کا مرکز ہے اب رہا دل تو وہ صرف خون کا ایک خزانہ ہے جس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ خون کو رگوں میں گردش دیتا رہتا ہے اور اگر دماغ کا توازن جاتا رہے تو انسانیت ہی ختم ہو جاتی ہے آدمی ایک [illegible] ہو جاتا ہے

جواب یہ ہے کہ دماغ جس کو کہتے ہیں اس کے اندر چند پوٹلیاں ایک خاص [illegible] بنی ہوئی رکھی ہیں ہر پوٹلی ایک خاص قوت کا مرکز ہے اگر دل کی طرف سے ان پوٹلیوں کو خون نہ ملتا رہے تو یہ سب قوتیں بیکار ہو جاتی ہیں

اس کو ایک مثال کے ذریعہ سے سمجھئے

[illegible] ایک بجلی کا ایک پاور ہاؤس ہوتا ہے [illegible] قوت [illegible] کمپنی [illegible] جاتی ہے [illegible]

کرتی ہے کہیں ریڈیو سے آواز نکالتی ہے کہیں ٹیلی ویژن پر تصویریں دکھاتی ہے یہ سب کام برقی قوت کی مدد سے ہو رہے ہیں اگر پاور ہاؤس فیل ہو جائے تو پھر سب کاروبار تمام۔ بجلی کے سارے کرشمے ایک دم ختم ہو جائیں۔ سارا شہر تاریکی کی لپیٹ میں آ جائے پس ہم ان قوتوں کا مختلف طریقے سے ذکر کرتے ہیں۔ شہر کو ان سب کا کارپرداز قرار نہیں دیتے بلکہ پاور ہاؤس کو سمجھتے ہیں اگرچہ یہ سب قوتیں شہر ہی میں ہیں مگر ان کے لئے شہر قابل ذکر نہیں ہوتا بلکہ پاور ہاؤس ہوتا ہے شہر میں تو اس کے مراکز بنا دیئے جاتے ہیں۔ جس کے ذریعہ سے برقی رو اپنا کرشمہ دکھاتی ہے۔

دل درحقیقت پاور ہاؤس ہے جہاں سے ویوز آف لائف یا امواج حیات پھوٹتی ہیں کچھ جسم کی طرف جاتی ہیں کچھ دماغ کی طرف۔ اب دماغ کو ایک شہر سمجھو جہاں برقی قوت کے مختلف کارخانے ہیں وہ امواج حیات کہیں قوت بصارت بن جاتی ہیں اور کہیں قوت سماعت کہیں قوت فکر اور کہیں قوت خیال اگر دماغ مرکز حیات ہوتا تو اس کے فیل ہو جانے کے بعد حیات انسانی ختم ہو جاتی برخلاف اس کے اگر دل فیل ہو جائے تو زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے جب پاور ہاؤس نہ رہا تو بجلی کی لہریں اٹھیں گی کہاں سے۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت نے ہر جگہ قلب کا ذکر کیا ہے جو تمام قوتوں کا اصلی مرکز ہے۔ دماغ اپنی روزی اسی سے حاصل کرتا ہے۔

اگرچہ قرآن مجید میں لفظ دماغ کا ذکر نہیں ہے لیکن اس کے اندر جتنی قوتیں ہیں ان سب کا ذکر مختلف مقامات پر موجود ہے انہی سب کو ملا کر دماغ سمجھ لو جیسے منطق میں انسان کی تعریف یوں کی جاتی ہے مستقیم القامت عریض الاظفار۔ بادی البشرہ۔ ضحاک بالطبع پس جہاں یہ سب باتیں پائی جائیں اسی کا نام انسان ہے۔

(۱۱۴) مال اور اولاد فتنہ ہیں

پ الانفال ع ۳۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ (جان لو کہ تمہارے مال

اور تمہاری اولاد تمہاری آزمائش کی چیزیں ہیں)

عجیب بات یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں انسان کی راحت و آرام اور خوشی کا سبب بھی ہیں اور انسانی تکلیف اور رنج کا باعث بھی۔ ان کی حفاظت میں کبھی کبھی جان پر بن جاتی ہے ان کے حصول میں لاکھوں بلائیں مول لی جاتی ہیں۔

ان ہی کے باعث اکثر انسان کا قدم جادۂ اعتدال سے ہٹ جاتا ہے اور حرص و [illegible] کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اگر یہ مال حلال طریقہ سے کمایا گیا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ادا کرنے میں صرف کیا گیا تو عاقبت بخیر اور اگر حرام طریقہ سے حاصل کیا گیا اور فسق و فجور اور عیاشی میں صرف کیا گیا تو داخل دوزخ۔ اولاد اگر سعید و صالح ہے تو دین و دنیا دونوں میں فلاح اور اگر بدچلن بداطوار فجور مکار بدکردار ہے تو دنیا میں باعث بدنامی اور آخرت میں باعث رسوائی

اسی لئے کہا گیا ہے کہ ماں باپ کو پرورش اولاد کی طرف بڑی توجہ رکھنی چاہیے اللہ تعالیٰ نے مال و اولاد دونوں کو ذریعہ امتحان قرار دیا ہے۔ دولت سے [illegible]

اسی طرح اولاد کی محبت اور ان کی پرورش [illegible] بہ مال بڑا خوش نصیب ہے وہ شخص جو ان دونوں [illegible] میں کامیابی حاصل کرے دولت کما یا اولاد کو پیدا [illegible] انسان کا کمال [illegible] دائرہ انسانیت کے اندر [illegible]

---

(۱۱۵) کیا رسول کے ہوتے امت پر عذاب نہ ہوگا

پ الانفال ع ۴: وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم وما كان الله معذبهم وهم يستغفرون وما لهم الا يعذبهم الله وهم يصدون عن المسجد الحرام وما كانوا اولياءه ان اولياؤه الا المتقون ولكن اكثرهم لا يعلمون (ترجمہ) جب تک تم ان لوگوں کے درمیان

موجود ہو خدا ان پر عذاب نہیں کرے گا اور ایسا بھی نہیں ہے کہ لوگ تو اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے ہوں اور خدا ان پر عذاب نازل فرمائے۔ جب یہ لوگ مسجد الحرام (خانہ کعبہ کی عبادت) سے روکتے ہیں تو پھر ان کے لئے کونسی بات باقی ہے کہ ان پر عذاب نازل نہ کرے اور یہ لوگ خانہ کعبہ کے متولی بھی نہیں (پھر کیوں روکتے ہیں) اس کے متولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں مگر ان کا فزول میں سے بہتیرے یہ بات جانتے ہی نہیں)

حضرت رسول خدا مسلمانوں کے لئے امان کا باعث ہیں اسی طرح ان کے اہل بیت باعث امان ہیں (صواعق محرقہ) اس قسم کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس طرح ستارے اہل آسمان کے لئے باعث امان ہیں اسی طرح میرے اہلبیت زمین والوں کے لئے ہیں (صواعق محرقہ)

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں کیا مطلب ہے ان الفاظ کا کہ جب تک اے رسول تم ان میں ہو اللہ عذاب نہیں کرے گا۔ عذاب سے یہاں کیا مراد ہے اس کے متعلق سرسید احمد خاں نے اپنی تفسیر انوار القرآن میں لکھا ہے:-

اس آیت میں عذاب کو کسی خاص قسم کے عذاب سے مقید و مخصوص نہیں کیا ہے اس لئے اس پر غور کرنا ہے کہ اس عذاب سے کس قسم کا عذاب مراد ہے۔

" اگلی اور پچھلی تمام آیتوں پر غور کرنے سے خصوصاً ۲۹ ویں آیت پر لحاظ کرنے سے جس میں ایک فیصلہ کرنے پر فتح کی بشارت دی گئی ہے اور بیسویں آیت جس میں قریش مکہ سے لڑنے اور ان کے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ۳۶ ویں آیت جس میں قریش مکہ کو عذاب دینے کی وجہ بیان کی گئی ہے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آیت میں عذاب سے مراد لڑائی میں شکست کھانا اور مارا جانا ہے اور اس مطلب کو انت فیہم کے الفاظ زیادہ روشن کر دیتے ہیں کیونکہ جب تک آنحضرت مکہ میں رہے تو قریش سے جو مکہ میں تھے لڑنا اور ان کو قتل کرنا واجب نہ تھا مگر جب دونوں سے آنحضرت اور مسلمانوں

نے ہجرت کی تو اب ان سے لڑنا اور قتل کرنا واجب ہو گیا جو اس آیت کے بعد کی آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ""

مطلب یہ ہے کہ جب تک کفار مکہ کے درمیان حضور رہے ان پر قتل کرنے کا عذاب نہیں آیا لیکن جب حضور ان کے درمیان سے نکل آئے تو اس عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

بعض مفسروں نے یہ مراد لی ہے کہ جب حضور کا وجود مسلمانوں کے درمیان رہا ان کی امت پر عذاب کی کوئی صورت نہیں ہوئی لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ حضرت کی موجودگی میں واقعہ غدیر خم کے بعد حارث بن نعمان فہری پر عذاب آیا جس کے متعلق قرآن میں ہے۔ سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پچھلی امتوں پر عذاب جیسے پہلی امتوں بالخصوص بنی اسرائیل پر نازل ہوا کرتے تھے اور ہزاروں آدمی ہلاک ہو جاتے تھے ایسے عذاب امت محمدی پر حضور کی موجودگی میں خدا کی طرف سے نازل نہیں ہوئے اور نہ آج تک نازل ہوئے کیونکہ اہلبیت رسول اہل زمین کے لئے باعث امان ہیں۔

(۱۱۴) خمس اور اس کے مستحق

پ الانفال ع۔ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ ۔

اور جان لو کہ جو کچھ تم (مال) غنیمت لو تو اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول اور رسول کے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا ہے اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا حصہ رسول کا ہے اور اس کے بعد امام [illegible] رسول کا حصہ تو ان کے قرابت داروں [illegible]

سید ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ خمس کے تمام حصے رسول اور ان کی اولاد کے لئے خاص ہیں۔ اس لئے خدا نے غیر سید کی زکوٰۃ سادات پر حرام کر دی ہے کیونکہ وہ ایک قسم کا صدقہ ہے اور صدقہ کھانا اولاد رسول کی توہین ہے۔

اللہ اللہ! خدا و رسول کو تو سادات کی عزت کا اتنا خیال ہے اور اس زمانہ میں بھیک مانگنا اور صدقہ لینا سادات کو ناگوار نہیں ہوتا اور نہایت بیباکی سے ایسا کرتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے سادات کا حق مار لیا اور خمس کو دوسرے کاموں میں صرف کرنے لگے جس سے سادات پر مصیبت آگئی اب مسلمانوں کی نظر میں سادات کا کوئی وقار ہی نہیں حالانکہ رسول فرما گئے ہیں:۔ اکرموا اولادی الصالحین للہ والطالحون لی (میری اولاد میں جو نیک ہیں ان کی تعظیم خدا کے لئے کرو اور جو بد ہیں ان کی میری خاطر سے) اللہ تعالیٰ نے اولاد رسول کو عسرت و تنگ دستی سے بچانے اور دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے روکنے کے لئے اور ان کی اقتصادی حالت درست رکھنے کے لئے پورا پورا سامان کر دیا تھا مگر خدا سمجھے ان مسلمانوں سے جنہوں نے اولاد رسول کو ان کے جائز حق سے محروم کر دیا۔ سب سے پہلے حضرت عمر نے یہ احسان سادات پر کیا۔ ان کے زمانہ میں جو رقم خمس ہوتی تھی اس کو بجائے سادات پر صرف کرنے کے مور لشکر میں صرف کرتے تھے ان کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ اولاد رسول فاقے کرتی کرتی مر جائے ان کو کبھی فارغ البالی نصیب نہ ہو کیونکہ ان کی جد نے قصور ہی ایسا کیا تھا کہ کفر کی تاریکی سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لے آئے تھے۔

(۱۱۷) کافر ماں باپ کا رشتہ اولاد سے ختم ہو جاتا ہے

پ۱۰ توبہ ع۱:۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

(اے ایمان والو اگر تمہارے ماں باپ بہن بھائی ایمان کے مقابل کفر کو ترجیح دیتے

Marfat.com

ہوں تو ان کو اپنا خیر خواہ نہ سمجھو اور جو کوئی ان سے الفت رکھے گا تو یہی لوگ ظالم ہیں)

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان اولاد کا رشتہ کافر ماں باپ سے قطع ہو جاتا ہے۔

پادری مظہر الحق نے اپنے ایک لیکچر میں کہا ہے کہ اسلام ظلم پسند ہے وہ انسانی فطرت پر ظلم کا روادار ہے۔ ہر شخص اپنے ماں باپ سے فطری محبت رکھتا ہے اسلام کہتا ہے ان سے تعلق نہ رکھو۔ کیا یہ ظلم نہیں۔

جواب یہ ہے کہ ظلم نہیں ہے بلکہ اپنے نفس کو کفر کی بدبو سے بچاتا ہے ایسے لوگوں سے تعلقات رکھنے میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد پر دباؤ ڈال کر یا سمجھا بجھا کر اسلام سے برگشتہ کر دیں اصلی رشتہ تو روحانی و ایمانی ہوتا ہے کیونکہ عاقبت بخیر ہونے کا تعلق اس سے ہے جب وہی رشتہ ٹوٹ گیا تو مادی رشتہ اس کے مقابل کوئی چیز نہیں۔

اسلام نے کافر ماں باپ سے حسن سلوک کو روا رکھا ہے لیکن ان کے ساتھ میل جول اٹھنا بیٹھنا ان کے معاشرہ میں شریک ہونا روا نہیں رکھا کیونکہ اسلام کا مقصد ہے کوئی میل جول نہیں تاکہ اسلامی معتقد پر اس کا برا اثر نہ پڑے۔

(۱۸) مشرک نجس ہے

پ ۱۰ توبہ ع ۴ م ۲۸: یا ایہا الذین امنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد

عامہم ھذا (۱۰:۲۸) اے ایمان والو مشرک نرے ناپاک ہیں اور اس سال کے

بعد مسجد الحرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں

تفسیر انوار النجف میں مولانا حسین بخش صاحب نے لکھا ہے [illegible]

ناپاک ہے [illegible]

کہتے ہیں قرآن پاک [illegible]

کلام عرب میں دونو لفظ بمعنی ناپاک استعمال ہوتے ہیں زیادہ بڑی نجاست پر نجس بفتح ج بولتے ہیں۔

آیہ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ مشرکین کتے ، سور کی طرح نجس العین ہیں یعنی ان کی نجاست متعدی الی الغیر ہے اور ان کا ہر جزو نجس ہے۔ اگر یہ کسی چیز کو تر ہاتھ لگائیں یا تر ہاتھ سے کوئی ان کو چھو لے تو وہ نجس ہو جائے گا۔ یہ اس لئے کہ مسلمان ان سے میل جول قطعاً ترک کر دیں تاکہ ان کے عقائد فاسدہ سے محفوظ رہیں۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ مشرکین سور کی طرح نجس العین ہیں اور یہی امام حسن علیہ السلام کا قول ہے (تفسیر بیضاوی جلد ۱، تفسیر کشاف جلد ۲، تفسیر رازی) میں بھی مشرکین کی نجاست کو تسلیم کیا گیا ہے۔

سر سید احمد خاں صاحب کا خیال ہے کہ اس سے مراد نجاست باطنی ہے نہ کہ ظاہری۔ کیونکہ ان کے بدن پاک صاف ہوتے ہیں (یعنی خوب صابن سے نہاتے دھوتے ہیں) پھر اہل کتاب میں ان کے کھانے کی قرآن نے اجازت دی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے مشرکین کو جب نجس العین قرار دیا ہے تو ان کے بدن کا ہر جزو نجس ہے جیسے سور کتنا ہی صاف ستھرا ہو۔ صبح و شام صابون سے نہلایا جائے مگر وہ نجس کا نجس ہی رہے گا۔ مشرکین کے نہانے دھونے صاف ستھرا رہنے سے ان کی نجاست برطرف نہیں ہوتی۔ اول تو یہ کہ وہ جسمانی طہارت بقاعدہ اسلامی نہیں کرتے جیسے پیشاب کے بعد طہارت نہیں۔ پائخانہ کو کاغذ سے صاف کرنے میں غسل جنابت نہیں کرتے۔ شراب کپڑے یا جسم پر گر جائے تو اسے پاک نہیں کرتے۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان کا پسینہ نجس ہے جس کا اثر ان کے بدن پر رہتا ہے۔ نجاست باطنی کا اثر اس چیز پر بھی پڑتا ہے جو اس سے متصل ہو۔ مثلاً شراب نجس ہے لہٰذا جس برتن میں بھی ہو وہ بھی نجس ہے چاہے کتنا ہی صاف و شفاف ہو۔ نجس العین سے قطعاً دور رہنے کے لئے یہ احتیاط عند العقل ضروری ہے لہٰذا یہ کہنا کہ قرآن نے اہل کتاب کے پکائے ہوئے کھانے کی اجازت دی

Marfat.com

غلط ہے کیونکہ وہاں طعام سے مراد خشک اناج ہے چونکہ مسلمانوں نے یہودی تاجروں سے غلہ خریدنے سے گریز کی تھی اور ان کا پوری طرح بائیکاٹ کر رکھا تھا اس سے ان کو غلہ کی فراہمی میں دقت محسوس ہو رہی تھی اس لئے کہ غلہ کے بڑے بڑے تاجر یہود و نصاریٰ ہی تھے۔ لہٰذا اسلام نے خشک چیزیں خریدنے کی اجازت دیدی نہ کہ تر کھانے کی۔ اہل کتاب ہوں یا دیگر جن لوگوں نے کسی کو بھی اللہ کا شریک بنایا ہے وہ ظاہر اور باطن دونوں طرح نجس ہیں۔

یورپ و امریکہ میں جا کر اہل کتاب کی ظاہری طہارت کا پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کتوں کو اپنی گود میں بٹھاتے ہیں ان کا منہ چومتے ہیں۔ سور کا گوشت کھاتے ہیں اور نہ ہاتھ دھوتے ہیں نہ منہ رومال سے صاف کرتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں اور منہ تک صاف نہیں کرتے۔ ایسی حالت میں ان کے اجسام کو کیسے پاک طاہر سمجھا جائے چونکہ دولت اور حکومت اور عقل ان کے پاس ہے صاف ستھرا لباس پہنتے ہیں اس لئے مسلمانوں کو ان کی ہر بات اچھی معلوم ہوتی ہے۔

(۱۱۹) یہود و نصاریٰ کا شرک باللہ

پ ۱۰ ع [illegible] وقالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصارى المسيح ابن الله ذلك قولهم بأفواههم يضاهئون قول الذين كفروا من قبل۔

یہودی کہتے ہیں عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں [illegible] یہ ان کی بات [illegible] ان کی [illegible] بات کہنے لگے جو ان سے پہلے [illegible]

اللہ تعالیٰ میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

وہ اپنی مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے) جب خدا ایسا ہے تو عزیر و مسیح کس اعتبار سے ابن اللہ ہیں کیا جیسے ہماری اولاد ہوتی ہے اسی طرح کی اولاد ہیں تو پھر خدا میں مخلوق کی سی صفات پیدا ہو جائیں گی اور وہ واجب الوجود اور قدیم بالذات نہ رہے گا اس کی صفت تو یہ ہے صاحبة لہ ولا ولداً (نہ اس کے جورو ہے نہ اولاد) اگر پیار کی وجہ سے ابن اللہ کہا جاتا ہے تو یہ بھی غلط ہے اللہ کا پیار تو عام ہی انبیاء پر ہے حضرت محمد مصطفیٰ مقام محبت میں تو حبیب اللہ ہیں تو اسی طرح روح اللہ ہیں۔

اگر ظہور معجزات کی بنا پر وہ ابن اللہ ہیں کہ مردوں کو زندہ کرتے تھے تو ایسا اور انبیاء نے بھی کیا ہے۔ بیماروں کو اچھا اور انبیاء نے بھی کیا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ تو ہر موقع پر باذن اللہ کہتے تھے یعنی میں جو کچھ کر رہا ہوں باذن خدا کر رہا ہوں تو بجائے پیغمبر کے ابن اللہ کیوں کہا جائے انبیاء کے تمام معجزات باذن اللہ ہوتے تھے تو کیا وہ سب خدا کے بیٹے ہو گئے۔

اگر عزیر توریت کو واپس لائے یا سو برس مُردہ پڑے رہے اور پھر زندہ ہو گئے تو یہ نہ اُن کی کرامت کہی جاسکتی ہے نہ ابن اللہ ہونے کی دلیل۔ یہ تو خدا نے اپنی قدرت کا مظاہرہ کیا تھا اللہ تو کسی کا بھی باپ نہیں یہ تو یہود و نصاریٰ نے خواہ مخواہ رشتہ جوڑ لیا ہے نہ حضرت عیسیٰ نے کبھی اپنے کو ابن اللہ کہلوایا نہ عزیر نے۔ اگر انجیل میں یہ قول نقل ہے حضرت عیسیٰ نے کہا " اے میرے باپ " تو یہ از راہ اعزاز و اکرام خداوندی ہوگا نہ از راہ حقیقت ہمارے یہاں بھی محاورہ میں چھوٹے آدمی بڑے آدمیوں کو کہہ دیا کرتے ہیں آپ مائی باپ ہیں جس کے معنی حاکم و سرپرست حاکم کے ہوتے ہیں۔

قرآن تو کہتا ہے کہ جب خدا نے حضرت عیسیٰ سے کہا کیا تم نے کہا تھا کہ میری اور میری ماں کی عبادت کرو تو انہوں نے عرض کی تھی اگر میں ایسا کہتا تو تیرے علم میں ہوتا یعنی میں نے ایسا کہا موجودہ اناجیل میں جو حضرت عیسیٰ کا یہ قول درج ہے " اے میرے باپ " خدا جانے انجیل میں کیا لفظ ہوگا جس کا یہ ترجمہ غلط کر دیا گیا ہے۔ جہاں توریت و انجیل میں بہت کچھ تصرف

ہوا ہے۔ ممکن ہے اس لفظ کے ترجمہ کرنے میں بھی تصرف کر لیا گیا ہو۔

---

(۱۲۰) دین اسلام کا غلبہ تمام ادیان پر

پ۱۰ توبہ ع۵: - ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ -

(اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے)

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ تمام ادیان پر اسلام کے غالب کر دینے کا کیا مطلب ہے۔ اکثر مفسرین اہلسنت نے لکھا ہے کہ اسلام کے دلائل اس قدر قوی ہیں کہ کسی دین والا ان کے مقابل سر برنہیں ہو سکتا۔ اسی کا نام غلبہ ہے لیکن یہ تو زبردستی کی بات ہے۔ ہر دین والا یہی کہتا ہے کہ میرے دلائل قوی ہیں۔ تمام ادیان بدستور موجود ہیں ان میں سے کسی نے بھی اسلام کی صداقت کو تسلیم نہیں کیا اگر کر لیتے تو مسئلہ ہی کیا تھا وہ سب کے سب دین اسلام میں داخل ہو جاتے۔ ہم شیعوں کا مسلک یہ ہے کہ دین اسلام کو پورا پورا غلبہ اس وقت ہوگا جب سوائے دین اسلام اور کوئی دین دنیا میں باقی نہ رہے گا۔

منہاج الفہم میں سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ اس سے مراد امام مہدی آخر الزمان کا ... ہے اس کی موید وہ روایت ہے جو تفسیر کبیر اور درمنثور دونوں میں سعید بن منصور اور ابن منذر سے مروی ہے۔ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے اور ابن ... اور ابوالشیخ نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ اس وقت ہوگا جب اسلام سے ... کوئی انسانی ... رہے گا اور نہ ہوگی ... کوئی مذہب والا اس وقت بکری بھیڑیے سے ... اور گائے شیر سے بے خوف اور انسان سانپ سے مطمئن ... یہ وہ وقت ہوگا جب ... آسمان سے اتریں گے۔ تفسیر درمنثور جلد ۳ ... تفسیر آیہ ... لکھا ہے ... نزول

اس وقت ہوگا جب امام مہدی آخرالزمان ظہور فرمائیں گے اس وقت شرق سے غرب تک اور جنوب سے شمال تک ایک ہی دین ہوگا۔ ایک ہی دین سے ابتدا ہوئی تھی اور ایک ہی دین پر خاتمہ ہوگا۔

جب تک شیطان دنیا میں ہے وہ بہکاتا رہے گا اور مختلف قسم کے ادیان اور مذاہب اپنے مقام پر باقی رہیں گے۔ اسلام کے خلاف جتنے ادیان پائے جاتے ہیں وہ سب شیطان ہی تو بنوائے ہیں وہی لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرکے راہ حق سے ہٹاتا رہتا ہے۔ لہٰذا جب تک اس کے ناپاک وجود سے دنیا پاک نہ ہوگی یہ گمراہی دور نہیں ہوسکتی۔ خدا نے اس کو وقت معلوم کے دن تک کی مہلت دی ہے قیامت تک کی نہیں پس وقت معلوم حضرت حجت کے ظہور کا وقت ہوگا وہی اس ملعون کو قتل کریں گے اور جب یہ قتل ہوجائے گا تو یہ سب فتنہ و فساد بھی ختم ہوجائے گا۔ اور دین اسلام کے سوا پھر کوئی دین دنیا میں باقی نہ رہے گا۔

---

(۱۲۱) غارِ ثور

پ۱۰ توبہ ع ۶ ۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔

(اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے (تو کچھ پروا نہیں خدا مددگار ہے) اس نے تو اپنے رسول کی اس وقت مدد کی جب اس کو کفار نے گھر سے نکال باہر کیا تھا۔ اس وقت صرف دو آدمی تھے اور دوسرے رسول تھے جب وہ دونو غار میں تھے جب اپنے ساتھی کو (اس کی گریہ وزاری پر) سمجھا رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں خدا یقیناً ہمارے ساتھ ہے)

یہ آیت حضرت ابوبکر کی فضیلت میں بیان کی جاتی ہے۔ یہ کتاب مناظرہ کی نہیں ورنہ اس پر حاصل بحث کی جاتی اب تو چند باتیں مختصر طور پر بیان کرتا ہوں۔

Marfat.com

(۱) دو میں کا دوسرا ہونا کیا فضیلت کی بات ہے۔ حضورؐ کو بہت سے ایسے موقعے پڑے کہ آپ کے پاس صرف ایک آدمی تھا اور آپ دو میں کے دوسرے تھے اس میں غار ہی کی کیا خصوصیت ہے۔

(۲) سوال یہ ہے کہ غار کے اندر حضرت ابوبکر کے وجود سے رسول اللہ کو کیا فائدہ پہنچا بالفرض وہ غار میں نہ ہوتے تو رسول اللہ کو کیا نقصان پہنچتا۔ جہاں تک غار کی مصاحبت کا تعلق ہے حضور کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ ان کے رونے سے حضور کی جان خطرہ میں پڑ گئی تھی۔

(۳) [illegible] رسول اللہ نے گھبرانے اور رونے سے [illegible] منع کیا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے [illegible] معلوم ہوا کہ باوجود رسول کی معیت کے ان کو خدا کی ذات پر بھروسہ نہ تھا [illegible] ابوبکر [illegible] رسول پر ایسی حالت میں [illegible] کہ کفار [illegible] غار [illegible] پہنچ گئے [illegible] رسول پاس ہیں پھر بھی مضطرب ہیں اگر ان کی آواز [illegible] آجاتی تو رسول کی جان خطرہ میں پڑ سکتی تھی [illegible] رسول [illegible] دوسرے [illegible]

[illegible]

(۴) یہ بھی کوئی فضیلت نہیں کہ اللہ نے ان کو صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(۱۲۲) رسول اللہ کو منافقین سے جہاد کا حکم

پ توبہ ع ۱۰: یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ

(اے نبی کفار و منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو)

یہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ نے کفار سے جہاد کیا ہے منافقوں سے نہیں لیکن آیت میں دونوں سے جہاد کا حکم ہے ۔ مفسرین لکھتے ہیں حضرت نے کفار سے جہاد بالسیف کیا اور منافقوں سے باللسان ۔ بعض نے لکھا ہے کہ جہاد بالسیف جہاد اصغر ہے اور جہاد بالنفس جہاد اکبر ہے ۔ لیکن جہاد باللسان تو حضرت نے کفار سے بھی کیا بلکہ منافقوں سے زیادہ کیا ۔ تیرہ برس مکہ میں حضرت کفار سے جہاد باللسان ہی کرتے رہے لہذا یہ جہاد مراد نہیں پھر منافقین سے جہاد بالسیف کی کیا صورت ہو گی ۔

حضرت علی علیہ السلام چونکہ شریک کار رسالت تھے اور رسول کے بدن کا جزو تھے جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا :۔ یا علی انت منی بمنزلۃ الرأس من الجسد ۔ اے علی تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے بدن کے لئے سر) لہذا منافقوں سے جہاد کرنا قدرت نے علی سے مخصوص کیا آنحضرت نے اس کی خبر پہلے سے دیدی ہے :۔ یا علی انت تقاتل علی تاویلہ کما قاتلت علی تنزیلہ (اے تم تاویل قرآن پر اسی طرح جہاد کرو گے جیسے میں نے تنزیل پر کیا ہے) یعنی میں نے ان سے جہاد کیا جو قرآن کو منزل من اللہ نہ مانتے تھے اور تم ان منافقوں سے کرو گے جو آیات کی غلط تاویلیں کرنے والے ہوں گے ۔ چنانچہ آنحضرت کے بعد علی علیہ السلام ناکثین قاسطین اور مارقین یعنی جمل و صفین و نہروان والوں سے جنگ کی ۔

اگر جہاد بالنفس یا باللسان مراد ہو تو ایسا جہاد تو دنیا میں بہت سے لوگ کرتے رہتے ہیں ۔

Marfat.com

(۱۲۳) رویت اعمال

پ ۱۱ توبہ ع ۲ : وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون وستردون
الی عالم الغیب والشہادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون ۔

(اے رسول تم کہہ دو کہ تم لوگ اپنے اپنے کام کئے جاؤ ابھی تو خدا اور رسول اور مومنین تمہارے کاموں کو دیکھیں گے اور بہت جلد قیامت میں ظاہر و باطن کے جاننے والے خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے تب جو کچھ تم کرتے تھے تمہیں بتا دے گا) [illegible] یہ کیا عمل تم یہ سمجھ کر کرتے ہو کہ وہ سب چھپا رہے گا [illegible] والی [illegible] رسول [illegible] ایمان والے ۔

مفسرین اہلسنت کے نزدیک مومنین سے مراد [illegible] مسلمان ہیں [illegible] اعمال کو دیکھیں [illegible] [illegible] اعمال [illegible] رسول [illegible] [illegible] رسول کی [illegible] [illegible] رسول کی [illegible] [illegible] بیت رسول [illegible] سلمان فارسی رضی اللہ عنہ [illegible] [illegible] [illegible]

(۱۲۴) کن مومنوں کے جان و مال کو خدا نے خریدا

پ ۱۱ توبہ ع ۱۴ ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم [illegible] بان لہم الجنۃ [illegible]

جنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون ۔

بیشک خدا نے مومنین سے ان کی جانیں اور مال اس بات پر خرید کر لئے ہیں کہ ان کی قیمت ان کے لئے بہشت ہے ۔

مومنین کی جانوں اور مالوں کے خریدنے کا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے راہ خدا میں سر کٹوائے اور اپنے مالوں سے اس کے غریب بندوں کی مدد کی ۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حفاظت کی ان پر جنت واجب ہو جاتی ہے جس طرح خرید و فروخت کے بعد بیچنے والا قیمت پر قابض ہو جاتا ہے اسی طرح یہ مومنین خاص اپنے جان و مال کو راہ خدا میں قربان کرنے کے بعد جنت کے مالک ہو گئے ۔

اس قربانی کا ذکر اور خدا کا وعدہ توریت و انجیل اور قرآن سب کتابوں میں موجود ہے خدا سے زیادہ وعدہ کا وفا کرنے والا کون ہے اس نے اس سودے پر جو مومنین نے خدا سے کیا ہے ان کو مبارک باد دی ہے اور اس کو بہت بڑی کامیابی بتایا ہے اور ان کی یہ صفات بیان کی ہیں ۔

توبہ کرنے والے ہیں ۔ عبادت کرنے والے ہیں ۔ حمد کرنے والے ہیں ۔ روزہ رکھنے والے ہیں ۔ رکوع کرنے والے ہیں ۔ سجدہ کرنے والے ہیں ۔ امر بالمعروف کرنے والے ہیں ۔ نہی عن المنکر کرنے والے ہیں ۔ حدود خدا کی حفاظت کرنے والے ہیں ۔ اور تم بشارت دو ایسے مومنین کاملین سے خدا ان کی جان و مال کے عوض جنت دینے کا وعدہ کرتا ہے ۔ یہ تمام صفات من حیث المجموع اہلبیت رسول کے سوا اور کسی میں نہیں پائی جاتیں ۔ واقعہ کربلا ان آیات کا مصداق ہے انہوں نے قتال کیا اور سب قتل ہو گئے اور کسی جنگ میں ایسا نہیں ہوا کہ سب قتل ہو گئے ہوں پھر جو صفات خدا نے بیان کی ہیں وہ سب ان میں پائی جاتی ہیں انہوں نے تلواروں کے سایہ میں عبادت کی ۔ سجدہ میں سر کٹوایا ۔ حدود الہٰی کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کر دیں اور اس طرح نور و ظلمت اور ایمان و نفاق میں ایسا فرق پیدا

Marfat.com

کر دیا کہ اسے کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ انہوں نے راہ میں اپنے مال لٹا دیئے اپنی عورتوں کا قید میں جانا منظور کر لیا اگر جنت کے مالک وہ نہ ہوں گے تو کون ہوگا۔

(۱۲۵) تبرّا

پ ۱۱ توبہ ع ۱۴ ۔ ماکان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما
تبین لہ انہ عدو للہ تبرا منہ ان ابراھیم لاواہ حلیم۔

ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعا مانگنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اپنے باپ سے کر لیا تھا لیکن جب پتہ چلا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو ان سے بیزار ہو گئے بیشک ابراہیم بڑے درد مند [illegible] تھے۔

جناب ابراہیم کا چچا آذر بت پرست تھا آپ نے اسے بہت کچھ سمجھایا [illegible] وہ نہ مانا آپ نے اس سے کہا کہ اگر تم بت پرستی ترک کر دو اور خدا پرست بن جاؤ تو میں خدا سے تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ وہ چچا تم راضی ہو گیا اور وعدہ کیا کہ میں تمہارا دین قبول کروں گا آپ نے استغفار کیا لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ چچا خدا کا دشمن ہے اور اس کا وعدہ [illegible] تو آپ اس سے بیزار ہو گئے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی ایمان سے خالی [illegible] جب مشرکین کے لئے استغفار کی ممانعت ہوئی تو کچھ مومنین [illegible] اس کی مذمت میں آیت [illegible] تبرّی [illegible]

(۱۲۶) صادقین کون ہیں

پ ۱۱ توبہ ع ۱۵ ۔ یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین [illegible] اے ایمان والو اللہ [illegible]

اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ)

یہ خطاب امت رسول سے قیامت تک کے لئے ہے یعنی ہر زمانہ کے مسلمانوں کو سچوں کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت امت رسول دو گروہوں میں تقسیم تھی۔ ایک وہ جن کو سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا دوسرا وہ گروہ جن کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا۔

صادقین جن کے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے اول عمر سے آخر عمر تک کبھی جھوٹ بولا ہی نہ ہو ورنہ یوں تو کوئی مسلمان ایسا نہیں جس نے کبھی سچ بولا ہی نہ ہو کچھ نہیں تو کم سے کم لاالہ الااللہ اور محمد الرسول اللہ تو کہا ہو گا۔ یہ کلمہ سچ ہی ہے جو اس کی زبان پر جاری ہوا ہو گا۔ ایسے سچوں کے ساتھ ہونا عبث جنہوں نے ہزار جھوٹ بولے ہوں پس اس آیت کے حکم کے مطابق مسلمانوں کا فرض ہے کہ سچوں کی تلاش کریں۔

عہد رسول میں سوائے اہل بیت رسول کے جن کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی ہے اور کوئی گروہ صادقون کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ عہد رسول میں جتنے مسلمان تھے وہ سب کافر سے مسلمان ہوئے تھے اور انہوں نے بحالتِ کفر برسوں بتوں کو خدا کہہ کر جھوٹ بولا تھا اور ان کی مدح کے جھوٹے گیت گائے تھے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا تھا لہٰذا وہ صادق کیسے کہے جا سکتے ہیں البتہ جو لوگ مسلمان ہی پیدا ہوئے اور جنہوں نے کبھی آن واحد کے لئے بھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا صادقین کے مصداق ہو سکتے ہیں۔ خدا نے انہی کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے مباہلہ میں بھی حضور نے ایسے ہی لوگوں کو اپنے ساتھ لیا تھا جو کاذبین میں سے نہ ہوں۔

(۱۲۷) زندگانی دُنیا کی مثال

پ ۱۱ یونس ع ۳: اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ

مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ
أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ
تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔

زندگانی دنیا کی مثال اس پانی کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے برسایا پھر زمین کے ساگ پات جن کو لوگ اور چوپائے کھاتے ہیں ان کے ساتھ مل جل کر نکلے یہاں تک کہ جب زمین نے فصل کی چیزوں سے اپنا بناؤ سنگھار کرلیا اور طرح طرح سے آراستہ ہوگئی اور کھیت والوں نے سمجھ لیا کہ وہ اس پر قابو پا گئے [illegible] کے کاٹ لیں گے اچانک ہمارا حکم رات کو یا دن کو آ پہنچا تو ہم نے اس کھیت کو ایسا صاف کٹا ہوا بنا دیا کہ گویا اس میں کچھ تھا ہی نہیں۔ جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں ان کے واسطے ہم آیتوں کو یوں ہی تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

یعنی جب آدمی کے بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اسے پال پوس کر جوان کرتا ہے جب وہ شباب سے بھرپور ہو جاتا ہے اور ماں باپ کی تمام امیدیں اور آرزوئیں اس سے وابستہ ہو جاتی ہیں تو اچانک موت کا ایک جھونکا آتا ہے اور اسے اڑا لے جاتا ہے اور ماں باپ [illegible] ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔

(۱۲۸) قوم موسیٰ کے گھر ہی ان کے قبلہ تھے

یونس ع ۹: وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ

اور اپنے گھروں ہی کو مسجدیں قرار دے لو اور پابندی سے نماز پڑھو اور مومنین کو نجات کی خوشخبری دے دو۔

ابن جریر نے ابو مالک سے روایت کی ہے [illegible]
ارشاد فرمایا خدا نے موسیٰ و ہارون کو حکم دیا کہ اپنے اور اپنی قوم کے [illegible]

دے لو اور اے موسیٰ تمہاری مسجد میں ہارون اور اولاد ہارون کے سوا اور کوئی نہ بحالت جنابت شب باشی ہو اور نہ وہاں اپنی زوجہ سے مقاربت کرے اسی طرح میری اس مسجد میں سوائے علی اور ان کی اولاد کے کسی کو اجازت نہیں کہ اس میں جنب ہو کر شب باشی ہو یا اس میں عورت کے پاس جائے۔ (در منثور سیوطی جلد ۳ صہ ۳۱۴ مطبوعہ مصر)

اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا کہاں تک شکریہ ادا کیا جائے کہ اس نے اُمتِ محمدی کے لئے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا۔ جہاں چاہو نماز پڑھو۔ مسجد ہی کی قید نہیں پھر یہ کہ اگر غسل یا وضو نہیں کر سکتے تو تیمم ہی سے پڑھ لو۔

(۱۲۹) رسول کی نبوت کا سب سے پہلا شاہد

افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً ورحمۃ پ ۱۲ ہود ع ۲۔

(تو کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اور اس کے پیچھے پیچھے ایک گواہ ہو اور اس سے پہلے کتاب موسیٰ ہو امام و رحمت ہے (اس کی نبوت کی گواہی دے چکی ہو) وہ اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہو سکتا ہے)

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ ابن ابی حاتم۔ ابن عساکر اور ابن مردویہ نے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے ایک مرتبہ بر سر منبر فرمایا کہ کوئی قریشی تم میں ایسا نہیں جس کے بارے میں کچھ نہ کچھ قرآن میں نازل ہوا ہو۔ ایک شخص نے کہا اور آپ کے بارے میں کیا نازل ہوا ہے تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا۔ یتلوہ شاھد منہ سے میں مراد ہوں۔ (تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۳۲۴ مطبوعہ مصر)

(۱) رسول کے دو گواہ بیان کئے گئے ہیں۔ ایک صامت دوسرا ناطق یعنی بینہ قرآن ہے جو تحریری دستاویز ہے دوسرا ناطق یعنی علی جو بطور حاشیہ کے گواہ کے

(۲) ایک گواہ خدا کی طرف سے ہے (من ربہ) یعنی قرآن اور دوسرا گواہ رسول کی طرف سے ہے (شاہد منہ) یعنی علی لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جو گواہ خدا کا تھا وہ تو رسول کے گھر سے نکلا (قرآن) اور جو گواہ رسول کی طرف سے تھا وہ خدا کے گھر سے نکلا یعنی علی کعبہ میں [illegible] چونکہ خدا و بندہ میں فرق ہے اس لئے [illegible] خدا نے اپنے گھر سے نکالا [illegible] رسول کے گھر سے اور رسول نے یہ کہہ کر دونوں کے ہاتھوں میں گرہ لگا دی [illegible] القرآن و القرآن مع علی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔

(۳) جتنے مسلمان عہد رسالت میں تھے وہ سب حضور کی رسالت کے عینی گواہ تھے لیکن حضور نے فرمایا میں خدا کا رسول ہوں سب نے تصدیق کر دی لیکن گواہ علی کے سوا [illegible] جو خلقت آدم سے چودہ ہزار برس پہلے حضور کو [illegible] علی تھی اس وقت علی [illegible] گواہ تھا کیونکہ علی اور نبی ایک ہی نور سے تھے

(۴) یتلوہ شاہد منہ سے پتہ چلا کہ علی علیہ السلام حضور کے نقش قدم پر چلتے [illegible] تھے اور حضور کے بدن کا [illegible] تھے

(۵) جب تک دو گواہ نہ ہوں [illegible] قرآن [illegible]

[illegible] ثابت ہوتا ہے [illegible]

[illegible] قرآن کے ساتھ [illegible]

(۱۳) کشتی نوح خدا کے سامنے بننے کا مطلب

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نہیں لہٰذا آنکھوں کے معنی مراد نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ میری حفاظت میں بناؤ۔ چونکہ قوم نوح آپ کی سخت دشمن تھی اور اندیشہ تھا کہ وہ شرارت کریں گے اور کشتی کو بننے نہ دیں گے لہٰذا قدرت نے اطمینان دلا دیا کہ میری حفاظت میں بناؤ یہ کچھ نہ کر سکیں گے۔

(۱۳۱) کنعان نوحؑ کا صلبی فرزند تھا

پ۱۲ ہود ع ۴۔ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ۔

نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا کہ اے میرے فرزند ہماری کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ کنعان حضرت نوح کا صلبی فرزند نہ تھا بلکہ کافرہ بی بی کے بطن سے تھا لیکن یہ بات قابل قبول نہیں انبیاء علیہم السلام نے کبھی غیر کی اولاد کو بیٹا کہہ کر نہیں پکارا۔ وہ غیر معصوم کی اولاد کو اپنے عصمت مآب بدن کا جزو کیسے بتا سکتے تھے کوئی ایک مثال بھی قرآن میں ایسی نہیں ملتی کہ کسی لے پالک کو کسی نبی نے یا بنی کہہ کر پکارا ہو یا اپنا صلبی بیٹا سمجھا ہو۔ دور کیوں جایئے زید بن حارثہ رسول اللہ کا لے پالک تھا اور حضور اس قدر محبت کے ساتھ اس سے پیش آتے تھے کہ لوگ زید کو ابن رسول اللہ کہہ کر پکارنے لگے تھے مگر حضرت نے کبھی اس کو یا بنی کہہ کر نہیں پکارا اور نہ اپنا صلبی بیٹا سمجھا۔

یہ بات بھی قابل قبول نہیں کہ کسی نبی کا بیٹا کافر نہیں ہو سکتا اگر آدم کا بیٹا قابیل کافر ہو سکتا ہے تو نوح کا بیٹا کیوں نہیں ہو سکتا۔

سب سے بڑا ثبوت اس کا کہ کنعان نوح کا صلبی بیٹا تھا یہ ہے کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو حضرت نوح نے بارگاہ باری میں عرض کی: رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي - اے پالنے والے میرا بیٹا میرے اہل سے ہے یعنی میرے خاندان کا ایک فرد ہے اور تو نے میرے

Marfat.com

اہل کو بچانے کا وعدہ کیا ہے خدا نے فرمایا: إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے اس کے عمل اچھے نہیں۔ یہاں نبی کے ابن یعنی اولاد ہونے کی نفی نہیں کی گئی یعنی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ تمہارا بیٹا نہیں بلکہ اس کے غرق ہونے کا سبب بیان کیا گیا کہ وہ بد اعمال ہے لہٰذا تمہاری اہلیت سے خارج ہو گیا اور تمہارے خاندان سے اس کا کوئی تعلق نہ رہا۔ ذرا غور کرو جب نافرمان اولاد اہل بیت سے خارج ہو جاتی ہے تو اصحاب کی صحابیت کس حد تک رہی۔

۱۳۲۔ زنِ لوط

پ ۱۲ [illegible] قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ

اور فرشتے بولے اے لوط ہم تمہارے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں [illegible] تم تک [illegible] نہیں پہنچ سکیں گے تم [illegible] رات رہے [illegible] حصہ [illegible] کوئی ان [illegible] مڑ کر بھی نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی ان پر بھی وہی عذاب نازل ہونے والا ہے جو ان لوگوں پر نازل ہوگا ان کے عذاب کا وعدہ صبح کا ہے کیا صبح قریب نہیں ہے۔

انبیاء کے ساتھ [illegible] بیویاں [illegible] نوح کی بیوی [illegible]
اور لوط کی بیوی عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آ گئی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اور اپنا عذاب ان [illegible] پورا کر [illegible]

یہ سچ ہے کہ صحبت اثر دارد۔ لیکن جو نااہل ہوتے ہیں ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ع

ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس

عام لوگوں کا ذکر کیا جب انبیاء کی صحبت میں رہنے والی بیبیاں کفر نوازی اور بدکرداری کی بدولت معذب ہو گئیں تو اور صحبت یافتہ لوگوں کا ذکر۔ ہمارے رسول کا گھر بھی نہ بچا۔ دو بی بیوں کی شان میں یہ آیت نازل ہو گئی۔ ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما۔ (اب تو بھی کر دیکیا ہوتا ہے تمہارے دل تو ٹیڑھے ہو ہی چکے ہیں)

---

(۱۳۲) برزخی دوزخ اور جہنم

پ ۱۲ ہود ع ۹۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّ شَھِیْقٌ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ۔

جو لوگ بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے اور اس میں ہائے وائے اور چیخ و پکار ہو گی اور وہ لوگ جب تک آسمان و زمین ہے اس میں رہیں گے مگر جب تمہارا پروردگار نجات دینا چاہے اور جو لوگ نیک بخت ہیں وہ بہشت میں ہوں گے اور جب تک زمین و آسمان باقی ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے مگر جب تک تمہارا پروردگار چاہے یہ وہ بخشش ہے جو کبھی منقطع نہ ہو گی۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کون سے جنت و دوزخ ہوں گے۔ اکثر کی رائے ہے کہ یہ جنت و دوزخ عالم برزخ والے ہوں گے نہ کہ وہ جن میں قیامت کے بعد لوگ جائیں گے۔ مادامت السموات والارض۔ اس کی دلیل کہ یہ برزخی ہوں گے کیونکہ قیامت کے وقت

نہ آسمان ہوں گے نہ یہ زمین۔

بعض کہتے ہیں وہی جنت و دوزخ ہوں گے جن میں قیامت کے بعد لوگ جائیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ جب تک قیامت میں ہر شخص کا حساب و کتاب نہ ہو جائے تو جنت و دوزخ میں داخلہ کیسے ہو گا۔

۱۳۴۔ انبیا کی اولاد سے رشک و حسد

پ ۱۲ یوسف ع ۱: قال یا بنی لا تقصص رؤیاک علی اخوتک فیکید [illegible]

(یعقوب نے کہا اے بیٹے اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا ورنہ وہ [illegible] لئے مکاری کی تدبیر کرنے لگیں گے)

نفسانی بیماریوں میں حسد بدترین بیماری ہے [illegible] بچنے کے لئے خدا سے دعا کرنے کو کہا ہے [illegible] قوم [illegible] انبیا [illegible] اس سے محفوظ نہیں رہی۔ دنیا میں سب سے پہلا [illegible] آدم [illegible] اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔

حضرت یعقوب کے ایک [illegible]

[illegible] یوسف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] یوسف [illegible]

جاتے ہیں تو آپ اس کو ہمارے ساتھ نہیں بھیجتے ۔ فرمایا اس خوف سے کہ تم سب تو کھیل میں لگ جاؤ اور بھیڑیا آکر اسے اٹھالے جائے ۔ انہوں نے کہا کہ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ ہماری پوری پارٹی کے ہوتے بھیڑیا لے جائے اس کی کیا مجال کہ پاس بھی پھٹک سکے ۔

الغرض باپ سے اجازت لے کر یوسف کو ساتھ لے گئے اور جنگل کے ایک تاریک کنوئیں میں دھکیل دیا ۔ یہ قدرت کا قانون آغاز آفرینش ہی سے چلا آرہا ہے کہ سوتیلے جانوروں میں خلوص نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ ۔ اگر باپ مختلف ہوں تو چاہے محبت ہو بھی جائے لیکن اگر مائیں مختلف ہوئیں تو قلبی محبت نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ ماں کا رشتہ زیادہ قوی ہوتا ہے ۔ خدا جانے اس میں کیا راز ہے ۔ تاریخ اسلام میں صرف ایک ہی نظیر ایسی ملتی ہے کہ سوتیلے بھائیوں میں حقیقی بھائیوں سے زیادہ محبت پائی گئی ہے اور وہ حضرت امام حسین اور حضرت عباس علیہما السلام کے درمیان محبت تھی جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی

---

۱۳۵ انبیاء کی قوت شامہ

پ ۱۲ یوسف ع ۲ ۔ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۔

رشام کو وہ اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے ابا جان ہم تو جا کر دوڑنے لگے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا ۔ ناگاہ بھیڑیے نے اسے کھالیا ۔ اگرچہ ہم سچے ہوں مگر آپ کو ہماری بات کا کیوں یقین آنے لگا ۔ یہ لوگ یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون

Marfat.com

بھیڑیا لگا لائے تھے۔ یعقوب نے فرمایا: بھیڑیے نے نہیں کھایا، بلکہ تمہارے دل نے تمہارے بچاؤ کے لیے بات گھڑ لی ہے ورنہ کرتہ پھٹا ہوا ضرور ہوتا، پس صبر بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر خدا ہی سے مدد چاہتا ہوں۔

جب یہ لوگ یوسف کی خون آلود قمیص لائے جس پر بھیڑ کا خون لگا ہوا تھا تو حضرت یعقوب نے اسے سونگھا اور فرمایا یہ میرے یوسف کا خون نہیں پھر ان سے فرمایا تم جھوٹے ہو یوسف کو بھیڑیے نے نہیں کھایا اگر اس نے یوسف کو چیر پھاڑ ڈالا ہوتا تو ان کی قمیص صحیح سالم کیسے رہ جاتی۔ اس کے بعد آپ نے بھیڑیے کو آواز دی وہ حاضر ہو گیا فرمایا تو نے میرے یوسف کو کھایا ہے اس نے کہا یا نبی اللہ ہم پر انبیاء اور اولاد انبیاء کا گوشت حرام ہے۔

اسی طرح جب حضرت یوسف نے مصر سے اپنی قمیص حضرت یعقوب کے پاس بھیجی تھی کہ ان کی آنکھوں پر ڈالی جائے تاکہ وہ بینا ہو جائیں تو [illegible] تھے [illegible] جب قمیص لانے والا [illegible] تو حضرت یعقوب نے فرمایا انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون۔ اگر تم مجھے سٹھیا ہوا نہ سمجھو تو میں یوسف کی [illegible] محسوس [illegible] اسی طرح اہل اللہ تمام [illegible] احساسات پر اللہ کا قیاس کیا ہی نہیں جا سکتا۔

۱۳۷۔ یوسف نے زلیخا کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا

[illegible]

یہ بڑا نازک وقت تھا سوائے نبی معصوم دوسرا ایسے موقع پر بچ کر نکل نہیں سکتا تھا۔ اول تو حضرت یوسف جوان پھر زلیخا حسن و شباب سے بھرپور، پھر برہنہ اور ایک مقفل کوٹھڑی کے اندر پھر اس کا خواہش بد پورا کرنے کے لئے ان کو بڑے شوق سے اپنی طرف بلانا۔ غور کیجئے ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے ایک مرد کے لئے شہوانی جذبات کو روکنا نبی کے سوا کسی سے ممکن نہ ہو سکتا ہے چونکہ یوسف اپنے اوپر اللہ کے لطف و کرم کو دیکھ چکے تھے لہٰذا قطعاً زلیخا کی طرف توجہ نہ کی اور اس کی خواہشات بد کو اپنی عملی قوت سے بری طرح ٹھکرا دیا۔ زلیخا نے کہا اے یوسف تم اب یہاں سے نکل نہیں سکتے کیونکہ سات تالوں کے اندر بند ہو۔ فرمایا میرا خدا ان سات کوٹھڑیوں کے بند تالوں کو کھول دے گا۔ چنانچہ جب آپ نے وہاں سے نکلنا چاہا تو سب تالے ٹوٹ ٹوٹ کر گر گئے اور تمام کوٹھڑیوں کے دروازے کھلتے چلے گئے۔

خاصان خدا کے لئے بند دروازے یوں ہی کھلا کرتے ہیں بلکہ دیواروں میں دروازے بن جاتے ہیں جیسا کہ فاطمہ بنت اسد کے لئے جب حضرت علی ان کے پیٹ میں تھے اور دردِ زہ ہو رہا تھا دیوار کعبہ شق ہوئی اور بنت اسد کو آواز آئی: اُدْخُلِی فِی الْبَیْتِ۔ تم اس شق سے خانہ کعبہ میں داخل ہو جاؤ۔

(۱۳۸) قمیص یوسف کے کرشمے

پ ۱۲ یوسف ع ۱۳ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِن كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ

(زلیخا کے کنبہ والوں میں سے ایک گواہی دینے والے (دودھ پیتے بچہ) نے گواہی دی کہ اگر ان کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا سچی اور یوسف جھوٹے ہیں (جاہا تھا پانی کی ہوگی پھٹ گیا ہوگا) اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو زلیخا جھوٹی اور یوسف سچے ہیں (اس

نے پکڑنا چاہا ہوگا لہذا کھینچا تانی میں پھٹ گیا ہوگا) جب دیکھا کہ کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا کے شوہر نے کہا یہ تم عورتوں کا مکر ہے اور تم عورتیں بڑی مکار ہوتی ہو)

جب حضرت زلیخا کے پنجہ سے چھوٹ کر بھاگتے ہوئے صحن میں آئے تو اس نے پیچھے سے ان کی قمیص پکڑ لی انہوں نے زور مارا تو قمیص پیچھے سے پھٹ گئی اور حضرت یوسف بھاگے کہ گھر سے باہر ہو جائیں۔ دروازہ پر اس کا شوہر ملا۔ اس نے حضرت یوسف کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کیا ماجرا ہے زلیخا بولی جو کوئی آپ کی ناموس پر ہاتھ ڈالے اور آبرو ریزی کا قصد کرے اس کی سزا قید خانہ کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ حضرت یوسف نے کہا کہ یہ جھوٹی ہے اس نے خود مجھے مجبور کرنا چاہا تھا میری پاک دامنی کا گواہ یہ بچہ ہے جو گہوارہ میں لیٹا ہے اس نے کہا تمہاری مت ماری گئی ہے یہ بچہ تو ابھی بولتا ہی نہیں تمہاری کیا گواہی دے گا۔ فرمایا اس سے پوچھو تو بولے گا۔ غرض وہ اس بچہ کے پاس آیا اور واقعہ دریافت کیا۔ اس نے وہی کیا جس کا ذکر آیت میں ہے۔ یہ سن کر شوہر زلیخا کو بہت غصہ آیا اور اس نے کہا ارے مکارہ یہ سب کھیل تیرے ہی بنائے ہیں۔

---

(۱۳۰) یوسفؑ کا بے پناہ حسن اور زنانِ مصر

یوسف ع ۴: فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ۔

(ترجمہ: جب ان عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو بڑا حسین پایا سب نے بے خودی میں بجائے ترنج کے چاقو سے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں ماشاءاللہ یہ آدمی نہیں ہے یہ تو بس ایک فرشتہ ہے)

بات یہ ہوئی کہ مصر کی عورتوں نے زلیخا کو طعنے دینے شروع کئے کہ زلیخا [illegible]

عورت ہے کہ ایک غلام کی محبت میں مری جارہی ہے۔ زلیخا نے جب یہ طعن وطنز کی باتیں سنیں
تو ایک رات ان سب کو اپنے گھر بلایا اور سب کو ایک مسند پر بٹھا کر ایک ایک چاقو اور ایک
ایک ترنج ان کے ہاتھ میں دیا اور کہا جب یوسف تمہارے سامنے سے نکلے تو یہ ترنج
سے کاٹ دینا۔ پھر یوسف سے کہا تم ان کے سامنے سے نکلو۔ جونہی انہوں نے یوسف کو
دیکھا تو ایسی مبہوت ہوئیں کہ ہوش وحواس کھو بیٹھیں اور بجائے ترنج کے سب نے اپنے
ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں اجی یہ بشر کاہے کو ہے یہ تو ایک فرشتہ ہے یہ تھا حسن یوسف

(۱۳۹) قیدخانہ میں حضرت یوسف کی تبلیغ

پ۱۲ الاعراف ع۵ :۔ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ الخ۔ (یوسف کے ساتھ قیدخانہ میں
دوجوان قیدی اور بھی داخل ہوئے)

زلیخا نے اپنی بدنامی کے خوف سے یوسف کو قیدخانہ میں ڈلوادیا ان کے ساتھ دو اور قیدی
داخل ہوئے۔ ایک نے ان میں سے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب بنانے کے لئے
انگور نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹی ہے
جسے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں اس کی تعبیر بتائیے فرمایا تمہارا کھانا آنے سے
پہلے میں بتا دوں گا۔

پھر فرمایا سنو میں نے اس قوم کے مذہب کو ترک کردیا ہے کیونکہ وہ نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں
اور نہ روز قیامت پر۔ میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم واسحاق ویعقوب کے دین پر ہوں ہم کسی چیز
کو خدا کا شریک نہیں مانتے۔ یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں
ہوتے۔ اے میرے قیدخانہ کے ساتھیو یہ تو بتاؤ آیا جدا جدا معبود اچھے یا ایک اللہ
جو قہار (زبردست) ہے اس کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو ان کے نام تم نے اور تمہارے

باپ دادا نے گھڑ لئے ہیں اللہ نے تو کوئی قوت ان کو نہیں دی حکومت تو صرف خدا کی ہی
ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور یہی سیدھا راستہ ہے
لیکن اکثر لوگ مانتے نہیں حضرت کی تبلیغ سے وہ دونوں مسلمان ہو گئے یاد رکھئے انبیاء
ورائمہ کا یہ دستور رہا ہے کہ ہر حالت میں امر حق کی تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ اگر ان
کے گلے پر خنجر بھی رکھ دیا جائے تو وہ امر حق کہنے سے نہیں چوکتے۔

۱۴۰۔ یوسفؑ کی عصمت پر زلیخا کی گواہی

پ یوسف ع ۷۔ قالت امراۃ العزیز الآن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ
وانہ لمن الصادقین۔ عزیز کی بی بی زلیخا نے کہا اب تو حق کھل ہی گیا
اور اصل بات یہ ہے کہ میں نے خود اس سے مطلب حاصل کرنے کی تمنا کی تھی اور وہ
سچا ہے۔

بادشاہ مصر نے خواب دیکھا تھا تو اس کے درباری تعبیر نہ بتا سکے تو ان میں سے
ساقی جو یہ کہ جو موت سے بچنے والا تھا یعنی آزاد ہونے والا آپ نے اس سے
کہا تھا کہ جب تم بادشاہ کی خدمت پر مامور ہو تو ان سے کہنا ایک بے گناہ قیدی بھی
قید خانہ میں ہے جب بادشاہ کی خواب کی تعبیر یوسف سے دریافت کی اور اس نے
بادشاہ کو بتائی تو اس نے کہا انہیں قید خانہ سے فوراً نکال کر ہمارے سامنے لاؤ [illegible]
حضرت یوسف کے پاس آیا اور کہا بادشاہ نے آپ کو بلایا ہے فرمایا پہلے ان
زنان مصر کے درمیان [illegible] بادشاہ معاملہ کی تحقیق کرے [illegible]
بادشاہ نے سب عورتوں کو بلایا اور ان سے کہا سچ سچ بتاؤ کیا واقعہ تھا [illegible]
سے مطلب حاصل کرنے کی کوشش کی تھی تو ان سب نے کہا [illegible] انہوں نے کہا [illegible]

کوئی برائی ان میں نہیں پائی۔ جب زلیخا نے یہ سُنا تو کہنے لگی اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی میں کیوں چھپاؤں، بات یہ ہے میں نے خود اس سے مطلب حاصل کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ راضی نہ ہوا نہ ہوا۔ یہ تھا حضرت یوسف کی صداقت کا اثر۔ اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ نیکی ہزار پردوں کے اندر چُھپانے سے نہیں چھپتی۔

(۱۳۱) انبیاءؑ بھی نفسِ امارہ رکھتے ہیں

پ ۱۳ یوسف ع ۷۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

(اور یوں تو میں بھی اپنے نفس کو بری نہیں کرتا (کیونکہ میں بھی بشر ہوں) اور نفس برابر برائی کی طرف ابھارتا رہتا ہے مگر جس پر میرا پروردگار رحم فرمائے۔ بیشک میرا پروردگار بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔)

اس آیت سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں انبیاء میں برائی کرنے کی قوت ہی نہیں ہوتی اس لئے وہ معصوم ہوتے ہیں لیکن یہ خیال غلط ہے کہ اگر ان کو برائی کرنے پر قدرت نہ ہو تو پھر وہ مجبور قرار پائیں گے اور ان کا کوئی عمل قابل جزا نہ قرار پائے گا بیشک بشری حیثیت سے ان میں نفس امارہ ہوتا ہے جو برائی کی طرف لے جانے والا ہے مگر عام لوگوں میں اور ان میں یہ فرق ہے کہ وہ اپنے نفس کے تمام محرکات پر پوری طرح کنٹرول رکھتے ہیں اور اس کو جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہیں دیتے۔ ان کے اس مقدس ارادہ میں خدا کی توفیق بھی شامل حال ہوتی ہے۔ انبیا سے ترک اولیٰ ہونا اس کا ثبوت ہے کہ ان میں برائی کی طرف جھکنے کی قوت پائی جاتی ہے مگر وہ سنبھل جاتے ہیں اور ہلکی سی لغزش کے بعد آگے نہیں بڑھتے یہ ہلکی سی لغزش داخل معصیت نہیں کیونکہ بمقتضائے بشریت

ہوتی ہے جسے اللہ معاف کر دیتا ہے ۞

---

(۱۴۲) انبیاء وآئمہ نہ چاہیں تو کوئی انہیں پہچان نہیں سکتا

پ۱۳ یوسف ع ۸ ۔ وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ۔

یوسف کے بھائی مصر میں آئے اور یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے ان کو پہچان لیا مگر وہ نہ پہچانے

یہ امر خصائص انبیاء وائمہ میں سے ہے کہ اگر وہ اپنے کو پہچنوانا نہ چاہیں تو کوئی انہیں پہچان نہیں سکتا۔ یوسف کے بھائی باوجودیکہ بہ حصول حضرت یوسف کے سامنے تھے لیکن ان کو قطعی نہ پہچانے اگرچہ کافی عرصہ بھی ان کو ہوتا تو وہ آنکھیں ان کی تلاش کرتی برخلاف اس کے یوسف نے ان کو پہچان لیا۔ یہی صورت ہمارے امام زمانہ کی ہے جب کوئی ان کو ملاقات ہو تو وہ آتے ہیں لیکن چونکہ وہ اپنے کو پہچنوانا نہیں چاہتے لہذا ان کو پہچان نہیں سکتے۔

---

(۱۴۳) برادران یوسف پر چوری کا الزام

پ۱۳ یوسف ع ۱۹ ۔ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۔ جب یوسف نے ان کا سامان [illegible]

تو ایک منادی نے آواز دی کہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

چور ہو بلکہ اس لیے کہا گیا کہ تم یوسف کے چور ہو کیونکہ یوسف کو باپ سے چرا کر مصری سوداگر کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ یوسف تمہاری ملکیت نہ تھے کہ تم نے بیچا۔ باپ سے چوری کی یعنی یوسف زندہ تھے اور تم نے کہا کہ انہیں بھیڑیا کھا گیا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یوسف اپنے بھائی بنیامین کو روک نہیں سکتے تھے۔ اس زمانہ میں ملکی قانون یہ تھا کہ جب چور پکڑا جاتا تو وہ صاحب مال کی خدمت میں اس وقت تک رہتا جب تک وہ بخوشی اسے آزاد نہ کرتا خدا نے یوسف کو ایک حیلہ بتایا تھا بنیامین کے روکنے کا ۔

(۱۴۴) برادران یوسف نے یوسف پر چوری کا الزام کیوں لگایا

پ ۱۳ یوسف ع ۹ :۔ قَالُوا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ ۔

(انہوں نے کہا اگر اس نے چرایا تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) نے بھی تو چرایا تھا) یہ اشارہ تھا ایک واقعہ کی طرف)

حضرت یوسف کو ان کی پھوپھی نے بے اولاد ہونے کی وجہ سے لے پالک کر دیا تھا۔ حضرت یعقوب سے جب یوسف کی جدائی برداشت نہ ہوئی تو اپنی بہن کے پاس یوسف کو لینے گئے ان کو یوسف کا جدا کرنا ناگوارا ہوا جب یعقوب کا اصرار ہوا تو انہوں نے رد کرنے کا یہ حیلہ کیا کہ وہ کمر بند جو حضرت اسحاق کے ترکہ سے ان کو ملا تھا۔ حضرت یوسف کی کمر میں باندھ دیا گویا ان کو چور بنایا) چونکہ اس زمانہ میں چور کو مال کے عوض لیا جاتا تھا۔ لہٰذا یوسف کو اپنی پھوپھی کے پاس رہنا پڑا اس واقعہ کے پیش نظر یوسف کے بھائیوں نے ان کو چوری کی تہمت لگائی

(۱۴۵) روتے روتے یعقوب کی بینائی جاتی رہی

پ ۱۳ یوسف ع ۱۰ :۔ وَقَالَ يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۔

یعقوب نے کہا ہائے افسوس۔ یوسف پر اس قدر روئے کہ انکی آنکھیں اس صدمہ سے جاتی رہیں

Marfat.com

حالانکہ وہ تو بڑے رنج کو ضبط کرنے والے تھے، حضرت یعقوب کے نزدیک حضرت یوسف مردہ ہی تھے اس لئے وہ بلک بلک کر روتے تھے اور اتنا روئے کہ بینائی جاتی رہی پس ذرا غور کریں وہ لوگ جو بکاء علی المیت کو ناجائز قرار دیتے ہیں اگر رونا ناجائز ہوتا تو نبی خدا ایسا کیوں کرتا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ رونا خلاف صبر نہیں۔ کہنے والے کہتے ہیں میت پر رونے سے اس کی روح پر عذاب ہوتا ہے کیسی حماقت کی بات ہے گناہوں کا عذاب کسی پر خدا فرماتا ہے۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ ایک دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور لوگ کہتے ہیں اٹھائے گا یہ تو کھلی قرآن کی مخالفت ہے۔

ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ اس آیت میں ہے وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ یعنی غم سے ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں پس یہاں حزن معنی گریہ ہے لہذا یہی معنی غار والی آیت میں ہوں گے۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی رو و مت اللہ ہمارے ساتھ ہے غم سے چاہے کتنا ہی زیادہ ہو اس سے آدمی اندھا نہیں ہوتا مگر رونے سے ضرور ہو جاتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ یعقوب روتے روتے ہی نابینا ہوئے تھے

۱۴۶۔ یعقوب نے پیراہن یوسف کی بو سونگھ لی

پ ۱۳ یوسف ع ۱۱۔ قال ابوهم انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون

ان کے باپ نے کہا اگر مجھے سٹھیا ہوا نہ سمجھو تو ایک بات کہوں مجھے یوسف کی بو [illegible]

[illegible]

[illegible] کنعان تک [illegible] باپ کی آنکھوں پر ڈالیں [illegible]

[illegible]

[illegible]

ہے۔ جواب یہ ہے کہ جس باپ نے بعلم نبوت قمیص کا خون سونگھ کر بتا دیا تھا کہ یہ میرے یوسف کا خون نہیں پھر وہ یوسف کے پسینہ کی بو کو کیوں نہیں پہچان سکتا تھا۔ یہ علم دونو باپ بیٹوں کو قدرت کی طرف سے عطا ہوا تھا۔

(۲) حضرت یوسف نے یہ کیسے سمجھ لیا تھا کہ یہ قمیص آنکھوں سے لگتے ہی بینائی آجائے گی جواب یہ ہے انہوں نے جان لیا تھا کہ بینائی جانے کا سبب میرا فراق ہے تو جب ان کو میری زندگی کا یقین ہو جائے گا تو اس خوشی میں گئی بینائی واپس آجائے گی۔

عام لوگوں کے چہروں پر کسی عزیز سے ملنے کا مژدہ سن کر خوشی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں چہرہ دمکنے لگتا ہے۔

ان کے دیکھنے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے (غالب)

ایسی صورت میں ایک نبی کی بینائی کا واپس آنا کیا محل تعجب ہے ورنہ نبی یا غیر نبی میں کوئی فرق ہی نہ رہے گا۔

(۳) کنعان مصر سے کافی دور تھا پھر حضرت یعقوب نے کیسے خوشبو سونگھ لی۔ جواب یہ ہے کہ انبیاء کی ظاہری اور باطنی قوتوں کا قیاس اپنی قوتوں پر نہیں کرنا چاہیئے۔ جناب ابراہیم زمین پر سے ملکوت سموات والارض کو دیکھ لیتے ہیں۔ جناب سلیمان چیونٹی کی آواز سن لیتے ہیں۔ جناب داؤد پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سن لیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم حج کے لئے اذان دیتے ہیں تو جہاں جہاں انسان تھے ان سب کے کانوں میں پہنچ جاتی ہے بلکہ ان بچوں کے کانوں میں بھی جو شکم مادر میں تھے یعقوب کی آواز سن کر بھیڑیا دوڑا ہوا چلا آیا۔

(۱۴۷) باپ کا بیٹے کو سجدہ کرنا

پ۱۳ یوسف ع۱۱: وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا۔ (اور یوسف

اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب کے سب (یوسف کی تعظیم کے لئے سجدہ میں گر پڑے) یہ سجدہ تعبدی نہ تھا بلکہ تعظیمی تھا۔ مصر کا یہ قانون تھا کہ جو بادشاہ کے سامنے جاتا وہ تعظیمی سجدہ کرتا۔ اگر حضرت یوسف اس کے خلاف کرتے تو مصر کی پبلک آئندہ اس قانون پر عمل نہ کرتی اور حضرت یوسف کو ملک کا قانون شکن قرار دیتی۔

یہی تعبیر اس خواب کی جو حضرت یوسف نے کنعان میں دیکھی تھی کہ آفتاب و ماہتاب اور گیارہ ستارے ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔ آفتاب و ماہتاب کی تعبیر تھی ماں باپ اور گیارہ ستاروں کی ان کے گیارہ بھائی۔ جہاں تک باپ کی تعظیم کا تعلق ہے۔ حضرت یوسف نے اس میں کوتاہی نہیں کی جب کنعان سے قافلہ آیا تو ماں باپ کی تعظیم کے لئے شہر سے باہر تک استقبال کو گئے اور انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ محل شاہی میں لائے اور تخت پر بٹھایا لیکن جو ملکی قانون تھا۔ اسے توڑنا خلاف مصلحت سمجھا۔ حضرت یوسف کو اپنے خواب کی تعبیر سات سال بعد ملی لہذا جو خواب دیکھی جاتی ہیں ان کی تعبیر کے متعلق جلدی کا خیال چھوڑ دینا چاہئے

(۱۴۸) زلیخا کا باقی قصہ

جب زلیخا کا شوہر مر گیا اور حضرت یوسف [illegible]
تک کہ بھیک مانگنے لگی۔ لوگوں نے [illegible] حضرت یوسف [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

آپ نے فرمایا کوئی حاجت ہے تو بیان کر۔ اس نے کہا اب جب کہ میں بڑھیا ہوگئی تو آپ مجھ سے میری حاجت پوچھتے ہیں۔ حضرت یوسف کو اس کے حال زار پر رحم آیا اور اسے اپنے محل میں لے گئے۔ وہاں فرمایا تو نے میرے ساتھ ایسا ایسا عمل کیوں کیا۔ اس نے کہا آپ مجھے ملامت نہ کریں۔ اس میں کئی وجہ سے ایسا عمل کرنے پر مجبور ہوئی اول یہ کہ آپ جیسا حسین خدا نے پیدا ہی نہیں کیا۔ دوسرے مصر میں مجھ جیسی کوئی خوب صورت عورت نہ تھی تیسرے میرا شوہر نامرد تھا۔ آپ نے فرمایا خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب تیرا کیا ارادہ ہے اس نے کہا خدا سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے پھر سے جوان کردے۔ غرض جناب یوسف کی دعا سے وہ جوان ہوگئی اور آپ نے اس سے نکاح کیا تو وہ پاکیزہ تھی اس سے تین اولادیں ہوئیں

واللہ اعلم بالصواب (منقول از حاشیہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)

(۱۴۹) اسلام عقلی دین ہے

پ۱۳ یوسف ع ۱۲ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ۔

(اے رسول کہہ دو یہ میرا راستہ ہے کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہوں اور میرا پیرو بھی دونوں مضبوط دلیل پر ہیں)

تمام ادیان عالم کے مقابل اسلام کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس کے اصول و فروغ مبنی بر عقل ہیں جہاں عقل نہ پائی جائے گی وہاں اسلام کی تکلیف ہی نہ ہوگی۔ بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے اور اس کی عقل میں پختگی نہ آجائے اسلام میں وہ مکلف نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح اگر کوئی فاتر العقل ہو جائے تو بھی احکام اسلام کی بجا آوری کا اس سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ الغرض اسلام میں جتنے احکام ہیں اگر ان کو درایت کی کسوٹی پر کسا جائے تو صحیح ثابت ہوتے ہیں۔

اسلام نے اصول دین میں جن پر دین کی بنیاد قدیم ہے تقلید کو دخل نہیں دیا بلکہ ایک ایک

Marfat.com

کو مکلف کا فرض قرار دیا ہے کہ وہ اپنی عقل سے سمجھے یہ کتنا باعث نجات نہیں ہو گا کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے دین پر ہیں جو عقیدہ ان کا تھا وہی ہمارا ہے ایسا ایمان قابل پذیرائی نہیں بلکہ عقل سے کام لینا ہوگا جس کی جتنی عقل ہے اس کے لحاظ سے سمجھے ایک فلسفی اپنی عقل کے مطابق اور ایک کم علم اپنی عقل سے۔ انہی ذہنی مراتب کے لحاظ سے ان کے ایمان کے مراتب قائم ہوں گے۔

اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ میں اور میرا پیرو لوگوں کو بصیرت کی طرف دعوت الی اللہ دیتے ہیں۔ رسول کا سچا پیرو علی کے سوا کون ہو سکتا ہے کیونکہ بچپن سے حضرت علی آنحضرت کی پرورش و تربیت میں رہے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ یوم بعثت جب دعوت ذوالعشیرہ دی گئی تو سب سے پہلے علی ہی نے اتباع رسول کا اعلان کیا پھر جب عروج اسلام ہوا اور جہاد کا حکم دیا گیا تو ہر موقع پر علی نے مکمل پیروی کی اور ایسی پیروی کی کہ کسی دوسرے سے ممکن نہ ہوئی اس آیت میں من اتبعنی سے اتباع صیغہ واحد ہے لہذا معلوم ہوا کہ پیامبر و ایک ہی ہے جو بصیرت سے دعوت دینے والا ہے بصیرت کے ساتھ دعوت تو وہی دے گا جو کتاب اللہ کا عالم ہو اور معرفت کے تمام مسائل کا تشفی بخش جواب دے سکتا ہو۔

۱۵۰۔ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے

پ۱۳ الرعد ع۱ انما انت منذر ولکل قوم ھاد

(اے رسول) تم تو صرف لوگوں کو عذاب سے ڈرانے والا ہو اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے۔

ابن مردویہ، ابو نعیم اور ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی

تو رسول اللہ نے اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ کر فرمایا۔ انا منذر پھر اپنے ہاتھ سے علی علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: انت الهادی یا علی بک یهتدی المهتدون بعدی (اے علی تم ہی ہدایت کرنے والے ہو میرے بعد تمہاری ہی ہدایت سے لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے اس روایت کو بہت سے علمائے اہل سنت نے نقل کیا ہے

ہر کام کرنے والے کے لئے خواہ کسی طبقہ کا ہو کوئی نمونہ عمل ضرور پیش نظر ہوتا ہے۔ مسلمان صرف کتاب خدا پڑھ کر ہدایت حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ اول تو ہر شخص اسے سمجھ نہیں سکتا دوسرے عملی صورت کسی کام کی قرآن سے دریافت نہیں ہو سکتی لہذا عقلاً یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اظہار عمل اور علم کے لئے رسول کی طرح ہر زمانہ میں ایک معصوم ہادی ضرور رہے تاکہ اس کے عمل کو نمونہ قرار دے کر لوگ امور خیر بجالائیں ورنہ ان کی گمراہی کا اندیشہ ہے چنانچہ اسلام میں جو تفرقہ پردازی ہوئی اس کی خاص وجہ یہی ہے کہ رسول کے بعد جو ہادی امت تھے لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا۔

---

(۱۵۱) کتاب خدا کا علم کس کے پاس ہے

پ ۱۳ الرعد ع ۲: قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ

اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری رسالت کی) گواہی کے لئے خدا اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس علم کتاب ہے)

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ من عندہ علم الکتاب سے مراد علی بن ابی طالب ہیں جیسا کہ عاصمی نے زین الفتی میں اور ثعلبی نے عبد اللہ بن عطا سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن سلام کہتے تھے کہ من عندہ علم الکتاب سے مراد علی بن ابی طالب ہیں اور اسی وجہ سے آپ بر سر منبر فرمایا کرتے تھے: سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ (مجھ سے مرنے

پہلے جو چاہو پوچھ لو)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام کی شان میں نازل ہوئی ہے جو عالم توریت تھا اور بعد میں مسلمان ہو گیا تھا لیکن یہ غلط ہے کیونکہ سعید بن منصور، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب سعید بن جبیر سے پوچھا گیا کیا من عندہ علم الکتاب سے مراد عبداللہ بن سلام ہے تو انہوں نے کہا وہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ سورۃ مکی ہے اور عبداللہ مدینہ میں اسلام لایا تھا۔ ابن منذر نے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن اسلام سے متعلق تو کوئی آیت قرآن میں نازل ہی نہیں ہوئی

(تفسیر در منثور جلد ۴ مطبوعہ مصر)

(۱۵۲) شجرۂ طیبہ

پ۱۳ ابراہیم ع ۴۔ الم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اچھی بات (مثلاً کلمہ توحید) کی کیسی مثال بیان کی ہے کہ اس کی مثال ایک ایسے پاکیزہ درخت کی سی ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اور اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے)

قرآن مجید میں دو قسم کے معنی ہیں ایک ظاہری دوسرے باطنی۔ ظاہری معنی تو وہی ہیں جو اوپر لکھے گئے ہیں لیکن باطنی معنی یہ ہیں کہ نبوت کو ایک درخت مانا گیا ہے جس کی جڑ نہایت مضبوط ہے جسے قیامت تک کوئی ہلا نہیں سکتا اس کی شاخیں امامت ہیں۔ جو ہر زمانہ میں باقی رہنے والی ہیں اور اس کی بلندی آسمان تک ہے۔ ہر زمانہ میں ان

کے پھل ذیوض و برکات علمیہ و عملیہ لوگوں تک باذن الٰہی پہنچتے رہتے ہیں۔

خدا نے جس درخت طیبہ کی مثال دی ہے اس کا وجود کہیں نہ کہیں ہونا ضرور ہے ورنہ یہ مثال ایک خیالی اور فرضی چیز ہو جائے گی۔ دنیا کے کسی خطہ پر ایسا درخت ڈھونڈ نہ ملے گا جس کی شاخیں آسمان تک بلند ہوں اور ہر زمانہ میں وہ پھل دیتا رہتا ہو۔ خدا کے گھر میں ایک بار ایسا درخت دکھائی دیا تو تھا۔

فتح مکہ کے بعد جب حضرت رسول خدا مع حضرت علی خانہ کعبہ کے اندر گئے تو نیچے کے بت تو چھڑی مار مار کر گرا دیئے لیکن ایک بہت بڑا بُت جو سقف خانہ کعبہ پر تھا اس کے گرانے کے لئے حضرت علی کو اپنے شانوں پر سوار کیا کہ اوپر جا کر اسے گرا دیں۔ جب علی دوش رسول پر تھے تو حضرت رسول خدا نے پوچھا یا علی اپنے کو کہاں پا رہے ہو۔ عرض کی اتنی بلندی پر ہوں کہ اگر چاہوں تو آسمان کو اپنے ہاتھ سے چھولوں۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبوت بمنزلہ درخت کی جڑ کے ہے اور امامت بمنزلہ فرع کے۔ چونکہ ہر زمانہ میں ایک نہ ایک امام کا وجود قیامت تک باقی رہے گا اور لوگ ان سے فائدہ پاتے رہیں گے لہٰذا اس طرح یہ مثال صحیح ہو جائے گی ورنہ اس کے مثال میں دوسری عملی صورت کوئی پیش نہیں کی جاسکتی اللہ تعالیٰ تو مثالیں دے دے کر ہی نازک مسئلوں کو سمجھاتا ہے۔

(۱۵۳) درخت خبیثہ

پ ۱۳ ابراہیم ع ۴ ۔ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِن فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِن قَرَارٍ ۔ اور گندی بات (شرک) کی مثال ایک ایسے گندے درخت کی سی ہے جس کی جڑ ایسی کمزور ہے کہ زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ پھینکا جائے کیونکہ اس کا جماؤ تو ہے ہی نہیں)

درخت خبیثہ بنی امیہ کی حکومت تھی جس کا زمانہ دو سو برس بعد ختم ہوگیا اب کوئی ان کا نام لیوا دنیا میں باقی نہیں جو ظلم وستم ان کو کرنے تھے کر گئے۔ بحمد اللہ درخت طیبہ کی شاخیں آج تک باقی ہیں اور قیامت تک رہیں گی۔

۱۵۴ حضرت ابراہیم کی دعائیں

پ۱۳ ابراہیم ع ۶ ۔۔ جب حضرت ابراہیم و اسماعیل خانہ کعبہ بنا رہے تھے تو انہوں نے کئی دعائیں مانگیں جو جامع قرآن نے متفرق مقام پر درج کردی ہیں۔

(۱) ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک میری اولاد کو بھی تو ہی جیسا مسلمان بندہ بنانے رکھنا

(۲) وابعث فیھم رسولا منھم۔ اور ان امت مسلمہ میں سے ایک رسول کو بھیجنا جو انہی میں ہو

(۳) فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم اور لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردینا۔ چنانچہ خدا نے

ذوی القربی رسول کی محبت کو واجب قرار دیا

(۴) وارزقھم من الثمرات ان کی اولاد کو رزق دینا یعنی مختلف قسم کے پھل۔ چنانچہ

قیامت تک ان کی اولاد دنیا میں رہے گی۔

(۵) واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچانا

[illegible] نے آیت تطہیر نازل کرکے [illegible] سے [illegible] دیا۔

(۶) واجعل لی لسان صدق فی الاخرین [illegible]

یہ دعا بھی قبول ہوئی [illegible]

علی کو یہی زبان صدق عطا کی گئی

حفاظت قرآن کا جو وعدہ اللہ نے کیا

پ۱۴ الحجر [illegible] انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون [illegible]

نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

قرآن کی حفاظت کا یہ مطلب ہے کہ ہم اس کو ضائع و برباد نہ ہونے دیں گے اور اسے اصلی حالت پر باقی رکھیں گے پس اگر تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا اصلی صورت پر باقی رہے تب بھی یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ محفوظ ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ جو قرآن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن میں کچھ تغیرات ہو گئے ہیں کچھ نہیں تو اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ ترتیب موافق تنزیل نہیں مکی و مدنی سوائے گڈمڈ ہیں اور یہ بھی معنی نہیں کہ قرآن کے ہر ہر ورق کی حفاظت کریں گے کیونکہ اس زمانہ میں چھاپہ کی بدولت قرآنوں کی کثرت ہو جانے سے اس کے بےشمار اوراق ضائع ہو جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی قانون کی حفاظت اس کی اوریجنل (ORIGINALS) یعنی اصلی کاپی سے ہوتی ہے اس کی نقلوں سے نہیں۔ پس قرآن کی اصلی کاپی سینہ رسول میں تھی جو حضرت کی زبان سے نکلا اور لوگوں کے کانوں تک پہنچا اور کاغذ پر لکھا گیا وہ نقلی کاپی ہے اصلی کاپی نہیں۔ قرآن ہے کتاب اللہ (اللہ کی لکھی ہوئی کیونکہ وہ قلب رسول لکھی گئی تھی)

غیر معصوم قرآن کے پڑھنے اور لکھنے میں غلطیاں کر سکتا ہے معصوم سے یہ ممکن نہیں قرآن مجید کے الفاظ تو زبانوں سے زبان پر آ گئے اور اس کا اصلی مفہوم جو بصورت کتاب اللہ تھا سینوں سے سینوں میں منتقل ہوا۔ جیسا کہ فرماتا ہے:۔ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ۔ یہ روشن آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی اوریجنل کاپی سینوں سے سینوں میں چلتی رہتی اس لئے ہر زمانہ میں ایک امام معصوم کا ہونا ضروری تھا تاکہ اوریجنل کاپی ضائع نہ ہو اور جب آیات قرآنی کے سلسلے میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہو تو اوریجنل کاپی والے اس کی صحیح صورت بتا دیں۔ یہی ضرورت تھی کہ رسول اللہ نے قرآن کے ساتھ اہلبیت کو کیا ہے جیسا کہ حدیث ثقلین سے ظاہر ہے۔

اگر قرآن میں اختلافی صورتیں پیدا نہیں ہوئیں تو یہ تہتر فرقے کیسے بن گئے مثلاً ایک کہتا
ہے بسم اللہ سورۂ حمد کا جزو ہے اور اس کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے دوسرا کہتا ہے
جزو سورہ نہیں ایک کہتا ہے وما یعلم تاویلہ الا اللہ پر آیت ختم ہو جاتی ہے دوسرا کہتا ہے
والراسخون فی العلم بھی شامل کرنا چاہیئے۔ فرمایئے اس کا فیصلہ کون کرے جس کے پاس اوریجنل
کاپی ہوگی وہی بتا سکتا ہے یا کون بتائے کہ آیۂ وضو میں ارجلکم تضیع لام ہے یا بکسر۔ آیۃ الکرسی
ھم فیہا خالدون پر ختم ہے یا ھو العلی العظیم پر۔ ایسی بہت سی اختلافی صورتیں قرآن مجید میں موجود
ہیں تو بغیر اتھارٹی یا ذمہ دار کے کسی اور کا فیصلہ کیسے مانا جا سکتا ہے۔ پس اس لئے اوریجنل
کاپی کی ذمہ داری خدا کے ذمہ ہے جس کا سلسلہ قیامت تک رہے گا جب حضرت حجت
ظہور فرمائیں گے تو یہ اوریجنل کاپی لوگوں کے سامنے آئے گی ۔

---

(۱۵۶) آسمانی برج و شیاطین سے حفاظت

پ ۱۴ الحجر ع ۲: ولقد جعلنا فی السماء بروجا وزیناھا للناظرین و
حفظناھا من کل شیطان رجیم۔

ہم نے آسمانوں میں بروج کو بنایا اور دیکھنے والوں کے لئے [illegible]
ہر شیطان رجیم سے محفوظ رکھا

بروج جن کو کہا جاتا ہے ان ہی کے متعلق [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

بدلنے کی ضرورت پیش آتی اس وقت گھڑی گھنٹہ تو تھا نہیں کہ یہ کہہ دیتے بارہ بجے آجانا۔ لہٰذا انہوں نے ستاروں کے مجموعوں سے کام لیا۔ انگریزی میں ان کو CONCILATION OF STARS کہتے ہیں۔ یعنی جب فلاں مجموعہ فلاں پہاڑی یا ٹیلہ پر آجائے تو چلے آنا۔ یہ مجموعے ایک فرضی صورت میں نامزد کر دیئے گئے ہیں مثلاً ایک جگہ ستارے یوں جمع ہیں

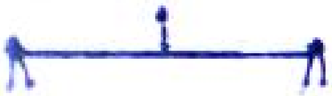

انہوں نے اس کا نام ترازو رکھ دیا۔ مثلاً ایک جگہ ستارے بچھو کی شکل میں دیکھے تو انہوں نے بچھو نام رکھ لیا۔ علیٰ ہٰذا القیاس آج تک وہی نام چلے آرہے ہیں۔

ان ستاروں اور سیاروں کی شعاعیں مل جل کر جب زمین پر آتی ہیں تو ان کے مخلوقات ارضی پر مختلف اثرات ہوتے ہیں۔ نجومی انہی سے قیاسی نتائج نکالتے ہیں جو کبھی سچ ہوتے ہیں اور کبھی جھوٹ "ٹیک آن نالج" میں ہے کہ سب سیاروں کی روشنی یکساں نہیں ہوتی ان کے درمیان نمایاں فرق ہوتا ہے۔ مختلف برجوں میں جو ستارے ہوتے ہیں وہ بھی اپنی اپنی شعاعوں کی علیحدہ تاثیر رکھتے ہیں۔ سیاروں کی شعاعیں ان کی کرنوں کو اپنے اندر سمو کر بہت سے نئے اثرات پیدا کر لیتی ہیں۔

پہلے شیاطین کی آمد و رفت تمام آسمانوں میں تھی اور وہاں سے خبریں لاکر کاہنوں کو سناتے تھے لیکن آنحضرت کی ولادت کے بعد ان کی آمد و رفت آسمانوں کے درمیان بند ہوگئی اور ان کی رہائش کی جگہ مابین زمین و آسمان قرار دی گئی اور انسانی نگاہوں سے انہیں پوشیدہ کر دیا گیا اگر بعض گستاخ شیاطین آسمان کی طرف جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو شہاب ثاقب ان کے پیچھے لگتا ہے اور ان کو کھدیڑتا ہوا نیچے لے جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہ رموز و اسرار قدرت کے ہیں جن تک عقل انسانی کی رسائی نہیں۔

(۱۵۷) قالب آدم میں نفخ روح

پ۱۴ الحجر ۲۹۔ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۔ "پھر جب

اس کو ہر طرح سے درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب کے سب
اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا)

جس کی تعظیم کے لئے سجدہ کا حکم دیا گیا تھا وہ آدم کا مادی قالب نہ تھا بلکہ روح نبوتی تھی جو دارالکمالات انسانیہ ہوتی ہے ملائکہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر سربسجود ہو گئے لیکن شیطان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی وہ ان کے مادی پیکر کے چکر ہی میں پھنسا رہا اور اپنے کو ان سے افضل جانتا رہا اسے کیا خبر تھی کہ ایک نبی کن کن اوصاف کا مالک ہوتا ہے۔ نفخ روح سے یہ مراد نہیں کہ جب میں اس میں پھونک ماروں بلکہ یہ مطلب ہے کہ جب میں اس میں داخل کردوں۔ انبیاء میں علاوہ روح حیات ایک روح نبوتی ہوتی ہے۔ خدا اس کے متعلق کہہ رہا ہے کہ جب وہ روح نبوتی جسد آدم میں پہنچ جائے تب تم سجدہ کرنا یہ سجدہ نبی کے قالب کے لئے نہ تھا بلکہ روح نبوتی کے لئے تھا [illegible]

۱۵۰) شیطان کو وقت تک کی مہلت کیوں دی گئی

پ ۱۴ الحجر ع ۳ ۔ قَالَ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ
إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۔ (شیطان نے کہا اچھا مجھے اس دن تک کی مہلت دے
جب کہ لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا قیامت (فرمایا) جا وقت معلوم تک
تجھے مہلت دی گئی)

مفسرین اہل سنت نے اس طرف توجہ نہیں کی کہ شیطان کو قیامت تک کی مہلت کیوں نہ دی گئی اور وقت معلوم تک کیوں دی گئی نیز یہ کہ وقت معلوم سے کونسا وقت مراد ہے اور اس کیا ہوگا۔ بعض حضرات مفسرین نے اس سے بحث کی ہے اور [illegible]
یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو دوبارہ [illegible]

مہلت مل جاتی تو ضلالت وگمراہی کا سلسلہ قیامت تک چلتا اور دین اسلام کے تمام ادیان پر غالب ہونے کا کوئی وقت ہی نہ آتا اور یہ پیشگوئی پوری ہی نہ ہوتی۔ یظھرہ علی الدین کلہ دوسرے نیکی اور بدی قیامت تک ساتھ ساتھ چلتی رہتیں اور نیکی کو بدی پر کبھی غلبہ حاصل نہ ہوتا کیونکہ شیطان ان کو روز قیامت تک بہکاتا رہتا لہٰذا ضروری ہوا کہ اس ملعون کا خاتمہ قیامت سے پہلے ہی کر دیا جائے۔

اب سوچنا یہ ہے کہ اس کو قتل کون کرے جو لوگ اس کے دام فریب میں آچکے ہیں جن پر وہ بارہا غالب آچکا ہے جن کی آنکھوں سے وہ کبھی نظر ہی نہیں آیا وہ اس کے قاتل کیسے ہو سکتے ہیں اس کا قاتل تو خدا کا ایسا مخلص بندہ ہونا چاہیئے جو کبھی اس کے دام فریب میں آیا ہی نہ ہو اور جو اسے اچھی طرح پہچانتا ہو اور اس کے قتل کا طریقہ جانتا ہو اور جس کی قوت اس کی قوت سے زیادہ ہو۔ ایسا شخص ولی خدا کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔

مطابق احادیث رسول قاتل شیطان ولی عصر امام آخر الزمان ہوں گے یہ اسے قتل کرکے بدی کا بیج دنیا سے نکال پھینکیں گے۔ جب یہ ملعون قتل ہو جائے گا تو لامحالہ اسلام کے خلاف جو جو ادیان اس کے بنائے ہوئے ہوں گے وہ بھی مٹ جائیں گے اس وقت ہر شخص دین اسلام کی صداقت کا اعتراف کرے گا۔ یہی لم ہے وقت معلوم تک شیطان کو مہلت دیئے جانے کی ورنہ کوئی مفسر بتائے کہ اس کی علت اور کیا ہے۔

---

(۱۵۹) نبی و امام عالم پیدا ہوتے ہیں

پ۱۴ الحجر ع ۴: قَالُوا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ۔

(فرشتوں نے ابراہیم سے کہا ڈرئیے نہیں ہم تم کو ایک بڑے عالم بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کو ان کے فرزند اسحاق کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے اور یہ بھی

Marfat.com

بتا دیا گیا کہ وہ بطن مادر ہی سے علیم (دانا تر) پیدا ہوگا جاہل نہیں۔ عام لوگوں میں اور اولیائے خدا میں یہی فرق ہوتا ہے کہ سب لوگ بطن مادر سے جاہل پیدا ہوتے ہیں اور اس دنیا میں آکر تدریجاً علم حاصل کرتے ہیں لیکن انبیاء و آئمہ خدا کے یہاں سے پڑھے پڑھائے آتے ہیں۔ غلام کے ساتھ علیم کی شرط لگانا ہی یہ بات بتاتا ہے کہ وہ خدا کے یہاں سے علم لئے ہوئے آنے کا ورنہ علیم کی صفت بیان کرنے کا فائدہ کیا ہوا۔ پیدا ہونے کے بعد تحصیل علم کر کے تو سب ہی عالم بن جاتے ہیں۔

کس قدر جاہل ہیں وہ لوگ جو حضرت رسول خدا کو ان معنی میں اُمّی سمجھتے ہیں کہ وہ مبعوث برسالت ہونے سے پہلے جاہل تھے نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا اس صورت میں تو آنحضرت کا مرتبہ حضرت اسحاق سے بھی پست ہو جاتا ہے حالانکہ حضور سرور کائنات سید الانبیاء تھے مصلحت لکھنے پڑھنے کا اظہار نہ کرنا اور بات ہے اور جاہل ہونا اور بات ہے آنحضرت ہی کی طرح ہمارے تمام آئمہ بطن مادر ہی سے عالم پیدا ہوتے تھے یہی وجہ تھی کہ حضرت علی علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی رسول کے سامنے کتب اربعہ کو پڑھ کر سنا دیا اور [illegible] آئمہ نے پیدا ہونے کے بعد اپنے علم کا اظہار کر دیا۔ اگر انبیاء علیہم السلام و آئمہ [illegible] عالم نہ ہوتے تو حضرت عیسیٰ آغوش مادر میں یہ نہ فرماتے انی عبد اللہ آتانی الکتاب وجعلنی نبیا۔ اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام جب کہ پانچ برس کے تھے تو جابر بن عبداللہ انصاری جیسا بوڑھا صحابی ان سے علم حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔

مجبوری میں کلمہ کفر کہنا جائز ہے

پ ۱۴ النحل ع ۱۴ [illegible] من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان

جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کرے [illegible]

مجبور کیا جائے (کلمہ کفر کہنے پر) اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو۔
(تو کلمہ کفر کہنے میں کوئی حرج نہیں)

کفار قریش غریب مسلمانوں کو جو اسلام قبول کر چکے تھے بیحد ستاتے تھے چنانچہ ایک دن حضرت عمار یاسر کو اتنا مارا کہ قریب ہلاکت پہنچ گئے ان سے کہا اگر تم نے لات و عزیٰ کو معبود نہ کہا تو ہم تمہیں ہلاک کر دیں گے عمار نے مجبوراً کہہ دیا تو رہائی ملی۔ وہاں سے روتے ہوئے حضرت رسول خدا کے پاس آئے اور سارا حال بیان کیا۔ حضرت نے اپنے ہاتھ سے عمار رضی اللہ عنہ کے آنسو پونچھے اور فرمایا تم مطمئن رہو۔ ایمان تمہارے گوشت د پوست میں پیوست ہو گیا ہے اگر یہ لوگ تمہیں پھر مجبور کریں تو پھر وہی کلمہ کہہ دینا تو پھر وہی کلمہ کہہ دیا اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آیت صاف تقیہ کے جواز پر دلالت کرتی ہے مگر حضرات اہل سنت کی ہٹ دھرمی کا کیا علاج کہ وہ تقیہ کو نہیں مانتے اور یہی رٹ لگائے ہوئے ہیں کہ شیعہ جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں۔

(۱۶۱) لفظ اُمت شخص واحد پر بھی بولا جاتا ہے

پ۱۴ النحل ع ۱۶:۔ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔
(بیشک ابراہیم خدا کے فرمانبردار بندے اور باطل سے کترا کے چلنے والے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے)

جب اس آیت سے یہ معلوم ہو گیا کہ لفظ امت شخص واحد پر بھی بولا جاتا ہے تو اب غور کرو اس آیت پر جو تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم کی دعا کے متعلق ہے:۔ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا
یعنی ابراہیم امت مسلمہ میں سے ایک رسول کے مبعوث ہونے کی دعا کر رہے ہیں جو انہی میں

سے ہو پس اگر ایک شخص بھی بعثت رسول کے وقت ایسا مسلمان نہ ہو جیسے ابراہیم تھے یعنی بلا واسطہ اسلام لائے ہوئے تو گویا دعائے ابراہیم علیہ السلام قبول نہ ہوئی چنانچہ جب رسول نے دعویٰ نبوت کیا تو حضرت علی نے سب سے پہلے تصدیق کی جو امت مسلمہ تھے یعنی بلا واسطہ اسلام لائے ہوئے تھے۔

(۱۶۲) شہد کی مکھی اور اس کی خصوصیات

پ النحل ع ۹:- وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ
وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا
يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

(اور) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں، درختوں میں اور لوگ جو اونچی اونچی ٹٹیاں اور مکانات پاٹ کر بناتے ہیں ان میں اپنے چھتے بنا، پھر ہر طرح کے پھولوں کے پور ... کا عرق چوس پھر اپنے پروردگار کی راہوں میں تابعداری سے ساتھ چلی جا۔ ان مکھیوں کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے (شہد) جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اس میں لوگوں کی بیماریوں کی شفا بھی ہے اس میں شک نہیں کہ اس میں غور کرنے والوں کے واسطے (قدرت خدا کی) بہت بڑی نشانی ہے۔

اب سے پہلے ہم وہ عبارت لکھتے ہیں جو مولانا وحید الزماں صاحب مرحوم نے اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھی ہے۔

منجملہ عجائبات قدرت کے شہد کی مکھی بھی ہے یہ ذرا سا جانور ... آدمی پالی جاتی ہیں ... بڑے بڑے عقل والے حیران ہوتے ہیں اس کے مکانوں کو دیکھ کر ... اور تمام ...

اس کے برابر ہوتے ہیں کہیں سے کسی خانہ میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اسی طرح تمام خانے یکے بعد دیگرے بنتے چلے جاتے ہیں اگر وہ کوئی اور شکل بناتی تو خانوں کا برابر ایک دوسرے سے متصل بننا محال تھا یہ ریاضی خدا کے سوا سے کس نے بتائی اس کے علاوہ اس کے اصول تمدن کو دیکھو کہ ان میں سے ایک ملکہ ہوتی ہے جسے یعسوب کہتے ہیں اس کے سر پر تاج ہوتا ہے۔ سب مکھیاں اس کے تابع ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ پہاڑی لوگ اپنی بیٹیوں کی شادی میں شہد کی مکھی کا چھتہ بھی دیتے وہ لوگ چھتے میں سے پہچان کر ملکہ کو پکڑ کر بیٹی کے ساتھ کر دیتے ہیں تمام مکھیاں خود بخود اس کے ساتھ ہو جاتی ہیں ملکہ انڈے بچے برابر نہیں دیتی ملکہ صرف ایک مرتبہ اور اس کے بعد مر جاتی ہے اور اس کا بچہ اس کا قائمقام ہوتا ہے اگر یہ مر جائے یا گم ہو جائے تو تمام مکھیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں ان مکھیوں کی کئی قسمیں ہوتی ہیں کچھ پہرہ دار کچھ محافظ کہ بہار کے موسم میں شہد جمع کرتی ہیں اور موسم خزاں کے واسطے ذخیرہ کرتی ہیں۔ غرض ایک اچھی خاصی سلطنت ہے آخر یہ باتیں انہیں سوائے خدا کے کس نے بتائیں۔

اس آیت میں سب سے زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ پرندوں میں خدا کی بیشمار مخلوق اس زمین پائی جاتی ہیں۔ خدا نے اپنی کسی مخلوق کو گھر بنانے کی ہدایات نہیں کی سوائے شہد کی مکھی کے کہ بذریعہ وحی اس کو کہاں کہاں گھر بنانے کے احکام جاری کئے ہیں۔

(۱) پہاڑوں پر (۲) درختوں پر (۳) ٹہنیوں پر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے شہد کے ذخیرہ کو خصوصیت سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔

(۲) پھر یہ بھی ہدایت کی ہے کہ وہ پھلوں اور پھولوں سے بطریق خاص چوس کر شہد حاصل کرے

(۳) پھر یہ بھی بتایا کہ وہ آرام کے ساتھ اپنے چھتے میں رہے اور مختلف مقامات پر جا کر اپنی روزی حاصل کرے۔

(۴) اس کے شہد کے متعلق یہ بھی بتا دیا کہ اس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اور رنگ کے لحاظ سے اس کی تاثیر میں بھی فرق ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۵) یہ بھی بتا دیا کہ شہد میں بہت سی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔

اب یہ بھی سن لیجیے کہ زوالوجی یعنی علم حیوانات کے ماہروں نے اسی شہد کی مکھی کے متعلق کیا کیا تحقیقات کی ہے۔

(۱) باوجود چھوٹا سا جانور ہونے کے یہ اپنا چھتہ کسی جگہ اس مضبوطی سے بناتی ہے کہ سخت سے سخت آندھی یا بارش کا زبردست جھالا اس کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا اس کے پاس نہ تو کوئی آلہ نہ کوئی سامان تعمیر موم جیسی نرم چیز سے وہ اپنا چھتہ ایسا مضبوط بناتی ہے کہ پختہ عمارتیں گر جائیں مگر اس کا مکان نہیں گرتا۔

(۲) وہ اپنی عقل خداداد سے کام لے کر فصل بہار میں پھلوں اور پھولوں سے وہ مادہ چوستی ہے جس سے اپنا گھر بنائے۔

اس کو نہ معمار پیمانہ و پرکار سے ایسے چھوٹے چھوٹے خانے نہیں بنا سکتا جیسے کہ مکھی بناتی ہے آپ پرکار سے ناپ کر دیکھئے کسی خانہ کو کوئی فرق نہ ملے گا [illegible] لمبائی چوڑائی میں سب کے سب یکساں ہوں گے یہ ایک کاریگر کے نہیں مختلف کاریگروں کے بنائے ہوئے ہیں مگر کیا مجال کہ ذرا ان میں فرق ہو جائے۔

(۳) اندر ہی اندر وہ ایسے راستے بناتی ہے کہ ہر مکھی کو اپنے خانہ [illegible] معلوم ہوتا ہے [illegible] ہوا ہے۔

(۴) [illegible]

(۵) [illegible]

(۶) [illegible]

(۷) [illegible]

(۸) شہد جمع کرنے کے لئے سب مکھیاں ایک بار چھتہ سے باہر نہیں جاتیں بلکہ تھوڑی تھوڑی باری باری جاتی ہیں تاکہ خطرہ کے وقت وہ شہد کی حفاظت کر سکیں۔

(۹) ایک گروہ پہریداروں کا ہوتا ہے جو الگ خانوں میں رہتا ہے تاکہ اگر کوئی خطرہ سامنے آئے تو وہ سب کو آگاہ کر دے۔

(۱۰) پھولوں پر بیٹھ کر یہ مکھی شیریں مادہ چوستی ہے اس کو دہی جانتی ہے ہم نہیں بتا سکتے۔ اسی طرح پھلوں سے کس طرح رس لیتی ہے کوئی نہیں بتا سکتا۔

(۱۱) مکھی قدرت کی ایک چھوٹی سی مشین شہد بنانے کی ہے پھلوں اور پھولوں سے جو رس لے کر آتی ہے وہ اس کے اندر جا کر شہد بنتا ہے اور اتنے جلد کہ جب وہ چھتہ کی طرف لوٹتی ہے تو اس کے شکم میں شہد ہوتا ہے نہ کہ پھلوں یا پھولوں کا رس۔

(۱۲) چھتہ میں آ کر وہ اس شہد کو اپنے منہ سے تھوڑا تھوڑا نکالتی ہے اور جو خزانہ ہے وہاں ٹپکا دیتی ہے یہ بڑے بڑے خانے ہوتے ہیں جن میں شہد جمع ہوتا رہتا ہے کھلا نہیں رکھا جاتا۔

(۱۳) جب کوئی مکھی چھتہ میں آتی ہے تو پہرہ دار اس کا منہ سونگھتا ہے اگر وہ کسی بدبودار پھول پر بیٹھ کر آئی ہوتی ہے وہ اسی وقت اس کا سر کاٹ دیتا ہے۔ چھتہ کے نیچے جو مکھیاں مری ہوئی ملتی ہیں وہ اس وجہ سے ہوتی ہیں۔

(۱۴) جب خزاں کا موسم آتا ہے اور کہیں پھول ڈھونڈے سے نہیں ملتا تو یہ مکھیاں اپنے اندوختہ سے کھانے لگتی ہیں۔

(۱۵) اگر کوئی سخت حادثہ پیش آنے والا ہوتا ہے مثلاً جنگل میں آگ لگ جائے اور ان کو اندیشہ ہو کہ وہ آگ ان کے چھتہ تک پہنچ جائے گی تو بادشاہ حکم دیتا ہے کہ ساری مکھیاں خزانہ سے جلد شہد چوس کر اڑ جائیں اس کے بعد خالی چھتہ کے سوا اور کچھ نہیں رہتا۔

(۱۶) اگر کسی درخت یا ٹہنیوں پر بہت سے چھتے لگے ہوں تو ہر مکھی اپنے ہی چھتہ میں جائے گی

Marfat.com

دوسرے چھتے کے پہرہ دار اس کو گھسنے ہی نہ دیں گے۔

(۱۷) مکھیوں کا بادشاہ جو یعسوب کہلاتا ہے قد و قامت میں سب سے بڑا ہوتا ہے وہ ہر مکھی کو دیکھ کر پہچان لیتا ہے۔

(۱۸) مکھی کا دنبالہ بڑا ہوتا ہے اور پیٹ کا حصہ چھوٹا۔ اسی میں قدرت نے شہد بنانے کی مشین لگا دی ہے اس کے دنبالہ میں ایک ڈنک ہوتا ہے جس کے پیچھے زہر کی پوٹلی ہے جب وہ دشمن کے ڈنک مارتی ہے تو زہر اس کے ساتھ ہی بدن میں پیوست ہو جاتا ہے جیسے بچھو نے کاٹ لیا۔

(۱۹) یہ مکھیاں دو قسم کی ہوتی ہیں وحشی اور اہلی۔ وحشی مکھیاں پہاڑوں اور درختوں پر اپنا چھتہ بناتی ہیں اور اہلی مکھیاں گھروں میں رہتی ہیں۔ سوات وغیرہ مقامات پر جہاں کا شہد مشہور ہے لوگ مکھیاں پالتے ہیں۔ ایک ایک گھر میں کئی کئی مٹکے رکھے جاتے ہیں جن کے نیچے سوراخ ہوتا ہے۔ گھر کے قریب پھولوں کے باغ ہوتے ہیں مکھیاں وہاں سے رس چوستی ہیں اور وہاں سے پھر اپنے مٹکے میں جو چھتہ بنا ہوتا ہے آ جاتی ہیں۔ شہد چھتے میں بنا رہتا ہے مالک مکان جمع کرتا رہتا ہے ایسے کارخانے پاکستان میں بھی چل رہے ہیں۔

(۲۰) مکھی کے بچے انڈوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ مکھی اپنے خانوں میں انڈے دے دیتی ہے وہ چھتے کی حفاظت کرتی ہیں چار روز بعد انڈے سے کیڑا نکل آتا ہے اور ایک ہفتہ بعد پوری مکھی بن جاتا ہے اور نیا گھر بنانے کی مہم میں لگ جاتا ہے یونہی چھتہ روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے۔

(۲۱) اس مکھی کی عمر طبعی زیادہ نہیں ہوتی۔ ماہرین حیوانات کا خیال ہے کہ دو تین سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔

(۲۲) یہ مکھی اپنے چھتے کے مقام کو ایسا یاد رکھتی ہے کہ کہیں دور بھی چلی جائے تو سیدھی وہیں آ کر اپنے چھتے پر بیٹھتی ہے۔

(۲۳) پہاڑوں کی چٹانوں پر جہاں یہ چھتہ لگاتی ہے اور پھل پھول وہاں کم ملتے ہیں تو یہ اڑ کر وادیوں میں آجاتی ہے اور وہاں سے رزق لے کر پھر اپنے چھتہ میں چلی آتی ہے راستہ بھولتی نہیں

(۲۴) شہد کی مکھیاں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ چھوٹی بڑی پھر رنگ بھی ان کے مختلف ہوتے ہیں بعض سیاہی مائل بعض زردی مائل اور بعض نیلگوں۔

(۲۵) ان شہدوں کی تاثیر بھی مختلف ہوتی ہے۔ سفید شہد مقوی قلب ہوتا ہے اور یہ بہترین شہد کہلاتا ہے تاثیر میں گرم زیادہ ہوتا ہے۔ سرخی مائل اعصاب کو قوت دیتا ہے اور اس سے قوت باہ زیادہ ہوتی ہے۔

(۲۶) مکھیوں کے شہد بھی مختلف رنگ کے ہوتے ہیں بعض سفید بعض سرخی مائل بعض ہلکے زردی مائل۔

(۲۷) اطبا شہد سے بہت سے امراض کا علاج کرتے ہیں۔ بالخصوص لقوے اور فالج زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے حافظہ کو بڑھاتا ہے۔

(۲۸) شہد کی مکھی کے چھتہ کا موم بھی اکثر امراض میں بطور دوا استعمال ہوتا ہے۔

(۲۹) یہ مکھیاں اس زور سے ڈنک مارتی ہیں کہ اکثر ان کا دنبالہ بدن سے الگ ہوجاتا ہے

(۳۰) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہد کو بہت پسند فرماتے تھے۔

غرض شہد کی مکھی صنعت باری تعالیٰ کا ایک شاہکار ہے۔ بظاہر ایک چھوٹا سا جانور ہے لیکن اسرار قدرت کا خزانہ ہے۔ سبحانہ ما اعظم شانہ،

اپنا گھر بنانے میں چند جانور کارخانہ قدرت میں امتیاز خصوصی حاصل کئے ہوئے ہیں

(۱) شہد کی مکھی۔

(۲) کرم پیلہ یا ریشم کا کیڑا جو ریشم کا کویہ شاندار بناتا ہے اور خود ہی اپنے گھر میں دفن ہوجاتا ہے لیکن قابل دید یہ بات ہے کہ اس کے تار کا سلسلہ ایسا عجیب ہے کہ اس کو چرخہ پر کاتو تو صاف ایک سلسلہ سے نکلتا چلا آتا ہے الجھتا نہیں۔

Marfat.com

(۳) دیمک:۔ باوجود چھوٹا سا کیڑا ہونے کے کتنا لمبا چوڑا گھر بناتی ہے اس میں راستے بناتی دور دور تک چلی جاتی ہے۔ زمین سے مٹی کے ذرے لیتی ہے اور ان کو اس طرح جوڑتی ہے کہ کیا معمار اینٹوں کو جوڑے گا۔ پانی کہاں سے لاتی ہے اس کو اس کا خالق ہی جانتا ہے۔

(۴) بیا ایک چھوٹا پرندہ ہے مگر اپنی تونر کس خوبی سے بناتا ہے کہ عقل حیرت میں آجاتی ہے۔ انسان آلات سے کام لے کر بھی یہ حسن پیدا نہیں کر سکتا۔ تونر کے کئی کمرے ہوتے ہیں جہاں اس کے بچے پرورش پاتے ہیں۔ مضبوط اور بناوٹ میں ایسا کہ کتنا ہی پانی برسے اس کے اندر نہیں جا سکتا۔ تیز سے تیز آندھی چلے مگر وہ درخت سے جدا نہیں ہوتا۔

(۵) مکڑی کس خوبی سے اپنا جالا بنتی ہے کہ جیسے شفاف چادر تنی ہوئی معلوم ہوتی ہے کس کی طاقت ہے کہ خدا کی قدرت کو سمجھ سکے۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ۔۔ ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

(۱۴۳) اگر جان جاتی ہو تو حرام شے کھا سکتے ہیں

پ۱۴ النحل ع ۱۵:۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اللہ نے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر وقت ذبح خدا کے سوا اور کا نام لیا جائے حرام کیا ہے۔ ہاں جو شخص (بھوک) سے مجبور ہو اور خدا کی نافرمانی کرنے اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو اور حرام کھا لے تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔
حرام کھانے کی اجازت صرف ایک ہی صورت میں ہے جب انسان کی جان جانے کا خطرہ ہو کیونکہ خدا اور رسول کو مسلمان کی جان عزیز ہے لہذا اس نازک وقت میں اجازت دی گئی

لہذا جو خدا کا نافرمان اور سرکش بندہ ہو اس کے لئے یہ اجازت ہی نہیں کیونکہ اس کا رجحان ہی بے

(۱۶۴) معراج رسولؐ

پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۱ ۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہ

پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندہ کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا تاکہ ہم اسے قدرت کی نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے)

اس آیت میں بہت سی باتیں قابل بیان ہیں :۔

(۱) اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت کو معراج کب ہوئی ہمارے یہاں معتبر روایت یہ ہے کہ ۱۱ بعثت میں ۲۷ رجب کو ہوئی ۔

(۲) ہمارے یہاں معتبر روایت یہ ہے کہ حضرت علی کی بہن ام ہانی کے گھر سے ہوئی اس رات آنحضرتؐ انہی کے گھر مقیم تھے ۔

(۳) روحانی تھی یا جسمانی ۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں حضرت نے خواب میں دیکھا تھا بعض کہتے ہیں مع جسد اطہر تشریف لے گئے تھے ۔ ہم شیعوں کا یہی عقیدہ ہے خواب میں دیکھنا نہ کوئی معجزہ ہے نہ کرامت اور نہ کوئی محیر العقول بات جس کا قرآن میں خاص طور سے ذکر کیا جاتا ایسے خواب تو عام لوگ بلکہ کافر تک دیکھ لیا کرتے ہیں ۔

روحانی معراج کی سند جناب عائشہ اور امیر معاویہ سے بیان کی جاتی ہے حالانکہ جناب عائشہ اس وقت حرم رسول میں بھی داخل نہ ہوئی تھیں انہیں کیا خبر کہ حضور کا جسد اطہر بستر پر رہا یا نہ رہا تھا ۔ دوسرے معاویہ ہیں ۔ ان بیچارہ کو مکہ کے حالات کی کیا خبر یہ تو مدینہ میں مسلمان ہوئے تھے وہ بھی فتح مکہ کے بعد ۔ بہرحال یہ طے شدہ بات ہے کہ معراج میں حضور جسم سمیت تشریف لے گئے تھے اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اسریٰ بعبدہ میں لفظ

Marfat.com

بتاتا ہے کہ معراج جسمانی تھی کیونکہ عبد کہتے ہیں جسد مع الروح کو نہ کہ صرف روح کو۔

(۲) رات کو معراج کیوں ہوئی اس لیے کہ مومنوں اور منافقوں میں امتیاز ہو جائے جو مومن تھے انہوں نے تصدیق کر دی اور جو منافق تھے وہ منہ بنا کر چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

(۳) کس سواری پر تشریف لے گئے مفسرین نے اس سواری کا نام براق لکھا ہے اور اس کی صورت گھوڑے کی سی ہے جس کے دو پر بھی تھے جو جڑاؤ تھے اس طرح سارا بدن سر سے کھر تک جڑاؤ تھا ایک ایک عضو کی تعریف کی گئی ہے غرض وہ تیج دھیج دکھائی ہے کہ سننے والے حیرت میں آ جاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے گویا راوی خود وہاں موجود تھا اور خوب غور سے ایک ایک عضو کو دیکھ رہا تھا یہ سب روائتی باتیں ہیں۔ مادیت پرستوں کو ہر جگہ مادی ہی چیزیں نظر آتی ہیں۔ کوئی ان راویوں سے پوچھے کہ جب حضرت عیسےٰ جو تھے آسمان پر گئے تھے تب کونسا براق آیا تھا اور جب اللہ نے ادریس کو اٹھایا تب کونسا براق بھیجا تھا۔ سورج اپنی کرنوں سے لاکھوں من پانی ہوا کے دامن پر پھیلا دیتا ہے اور کسی دیکھنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ جانے والے قطرے کس طرح جا رہے ہیں۔ انسان کے بنائے ہوئے راکٹ بجلی کی طاقت سے چاند تک پہنچ گئے ان کو وہاں تک لے جانے والا گھوڑا تھا نہ ہاتھی بلکہ بجلی کی ایک قوت تھی جو کئی من وزنی راکٹ اٹھا کر کہاں سے کہاں لے گئی پس کیا خالق عالم نے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھانے کے لئے اپنے حبیب کو بغیر کسی گھوڑے [illegible] تعجب کی بات ہے۔ براق برق ہی سے نکلا ہے اور برقی قوت [illegible] خود اٹھا کر جانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ برقی قوت [illegible] وجود کو کسی [illegible] سواری کی ضرورت [illegible] یہی قوت قاب قوسین تک لے گئی [illegible] تاریخ [illegible] اپنے پروں [illegible]

تھا یہ گدھے کے برابر قد کی تھی اس سے آگے عرش تک گئے۔ واللہ اعلم بالصواب
فرشتے زمین پر آتے جاتے ہیں ان کو براق جیسے گھوڑے کی ضرورت نہیں چونکہ
دنیا والے گھوڑوں پر سفر کرتے ہیں لہذا رسول کے لئے اللہ تعالیٰ نے گھوڑا بھیجا کیسی عجیب بات
(۴) لوگ کہتے ہیں حضور کی معراج مسجد اقصیٰ تک ہوئی یعنی بیت المقدس تک۔ لیکن
یہ غلط ہے۔ بیت المقدس تک لے جانا کونسا کمال تھا لوگ برابر مکہ سے بیت المقدس
تک آتے جاتے رہتے ہیں۔ پیدل بھی سواریوں پر بھی اور اب تو ہوائی جہاز میں بات
کہتے پہنچ جاتے ہیں پھر رسول اگر وہاں پہنچ گئے تو کیا نئی بات ہوئی اور یہ کیا فضیلت
قابل ذکر ہوئی۔ حضرت سلیمان اپنے بساط پر صبح و شام ایک ایک ماہ کی راہ نکل جاتے تھے
اگر ہمارے رسول بیت المقدس تک چلے گئے تو یہ کوئی قابل ذکر خصوصیت نہ ہوئی اور
وہاں آیات الہٰی میں سے کیا کیا چیزیں تھیں جن کو دکھانے کے لئے معراج واقع ہوئی وہاں
اگر کچھ آیات ہوں گی تو سب ہی دیکھتے ہوں گے۔ رسول کو خصوصیت سے دکھانے کی کیا
ضرورت پیش آئی یہ سمجھ کا پھیر ہے۔

مسجد اقصیٰ کے معنی ہوئے سجدہ کرنے کی آخری جگہ یعنی عالم امکاں کی وہ آخری حد جہاں
فرشتے کا قدم بھی نہ جا سکے اس سے بالاتر عالم وجوب ہے۔ جہاں تک ایک ممکن
حادث جا سکتا تھا وہاں تک رسول کو لے گیا اس سے بڑی آیت خدا کی اور کیا ہوگی
یہ وہ مقام ہے جہاں جبریل جیسے فرشتے کا بھی گزر نہیں وہ تو سدرہ پر یہ کہہ کر ٹھٹک گئے
کہ لو دنوت انملة لاحترقت۔ اگر انگلی برابر بھی اب میں آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا
اور خدا کا ایک بندہ وہاں سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے تاآنکہ اس مقام تک پہنچ
جس کے آگے عالم امکان ہے ہی نہیں وجود کو اگر ایک دائرہ فرض کیا جائے اور اس کے
درمیان ایک خط کھینچا جائے تو دو کمانیں بن جائیں گی جہاں ان دونوں کمانوں کے نصف
ملتے ہیں وہی حد وجوب و امکان ہے پس معراج میں رسول کو امکان کی آخری حد دکھائی

Marfat.com

...اس سے بڑی کوئی اور آیت ہو سکتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بشریت اور ملکیت میں کیا
...ق ہے یہ خدا واسطہ نہ کسی ملک نے دیکھی نہ کسی نبی یا رسول نے۔ یہ مخصوص فضیلت ہے
...اتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کی۔

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا اپنے رسول کو وہاں تک کیوں لے گیا؟

جواب یہ ہے کہ حضور خاتم الانبیاء کی نبوت کا سلسلہ قیامت تک چلنے والا ہے وہ آپ
...نوع انسان پر مبعوث ہوئے ہیں خواہ وہ کسی قوم یا کسی ملک کا باشندہ ہو۔ ہر نبی کو خدا نے
...ن معجزہ دیا جیسا اس کی قوم میں کمال تھا۔ آنحضرت کی امت میں بہت سے صاحب کمال
...یسے ایسے کمالات سائنس کے دکھانے ہیں کہ عقل انسانی چکر میں آ گئی ہے مثلاً [illegible]
...و کمال دکھایا کہ چاند تک پہنچ گئے اور اس تیزی سے کہ ایک سیکنڈ میں سینکڑوں میل سے
...گے دور سے کنارے میں کہ ہزاروں کوس دور کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں [illegible]
...ر سے نظر میں لہذا جب تک اس امت کا نبی ان سے بالاتر کمال نہ دکھائے وہ اس پر ایمان
نہیں لا سکتے لہٰذا قدرت نے اس معراج میں حضور کے ذریعے وہ کمالات دکھا دئیے [illegible]
...یامت تک ان سے زیادہ نہیں دکھا سکتا۔ مثلاً:

... سائنس کی کتنی ہی ترقی ہو لیکن کسی آلہ کی [illegible]
رسول نے دکھائی ہے

ابھی بستر خواب [illegible] ... وہ معراج پا کر آ گئے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

لیکن اتنی ترقی کبھی نہ کر سکیں گے کہ قاب قوسین پر کھڑا ہونے والا فرش زمین پر علی کو دیکھ رہا ہو اور علی سے دیکھ رہے ہوں اور نگاہوں میں باتیں ہو رہی ہوں۔

نوڑ گرانی کا کمال بھی گرد ہو گیا جب رسول نے علی کی شبیہ وہاں دیکھی جہاں بشر کی رسائی ممکن نہیں ورنہ اہل انصاف بتائیں کہ معراج کا قصد کیا تھا۔

---

(۱۶۵) ذوی القربیٰ رسول کون ہیں

پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۳ ۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا

(اے رسول) قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دے دو اور فضول خرچی مت کرو)

اس کی تفسیر میں وارد ہے کہ حضرت علی بن الحسین علیہما السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے ایک شامی سے دمشق میں پوچھا کیا تو نے قرآن پڑھا ہے اس نے کہا پڑھا ہے فرمایا یہ آیت بھی پڑھی ہے واٰت ذوی القربیٰ حقہ۔ اس نے کہا۔ کیا آپ ہی وہ قرابت داران رسول ہیں جن کے حق ادا کرنے کا خدا نے حکم دیا فرمایا ہاں ہم وہی ہیں۔

ابن مردویہ نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور فدک عطا فرمایا اور یہی روایت ابن عباس سے بھی منقول ہے۔ (در منثور جلد ۴)

حضرات اہل سنت نے اپنے کنبہ والوں کو اس آیت کا مصداق قرار دے لیا اور اولاد رسول کے حق کو بھلا دیا ہے اور نہ صرف سادات کے حقوق کو بھلایا بلکہ ان پر اتنے مظالم کئے کہ ان کے تصور سے کلیجہ لرزتا ہے۔

اس آیت کے مطابق رسول اللہ نے فدک کا علاقہ جناب فاطمہ کو عطا فرمایا تھا اور

Marfat.com

اس پران کو قبضہ بھی دیدیا تھا لیکن آنحضرتؐ کے مرتے ہی حکومت نے حق سرکار سے غصب کرلیا نہ تو سیدہ عالم کا حق وراثت تسلیم کیا اور نہ جو دستاویز رسول نے لکھی تھی اس کو صحیح مانا اور یوں حکم خدا و رسول کی توہین کی گئی۔

---

۱۶۶ ہر شے تسبیح خدا کرتی ہے

پ۱۵ بنی اسرائیل ع ۵ : وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا۔

اور ہر شے خدا کی حمد کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں وہ بڑا حلیم و بخشنے والا ہے۔

خدا کی بیشمار مخلوق ہے اور ہر ایک کی زبان بیان جدا گانہ ہے جس طرح انسان سینکڑوں قسم کی بولیاں بولتا ہے اور ایک دوسرے کی زبان کو نہیں سمجھتا اسی طرح خدا کی مخلوق اپنی اپنی بولی رکھتی ہے اور اسی زبان میں وہ اپنے خالق کی مدح و ثنا کرتی ہے۔

ایک بار جناب داؤد کو خیال ہوا کہ میں خدا کی تسبیح کسی ایسی جگہ کروں جہاں کوئی دوسرا مخل ہونے والا نہ ہو لہٰذا اس کی تلاش کے بعد ایک پہاڑ کے نیچے ایک مقام پر [illegible] کے کنارے جہاں پرندہ پر نہ مارتا تھا آپ نے اپنا مصلیٰ بچھایا اور تسبیح شروع کردی تو پانی سے ایک مینڈک نے سر نکال کر ٹرانا شروع کیا حضرت داؤد کو اس کی آواز [illegible] اے مخلوق خدا خاموش ہو کہ میں بحضور قلب اپنے معبود کی تسبیح کر رہا ہوں اس نے [illegible] کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ہی خدا کی تسبیح کرتے ہیں [illegible] جانور ہم جو ہیں جو تب پیدا کرتے [illegible] تسبیح خدا کر رہا ہوں۔

(۱۶۷) شجرۂ ملعونہ

پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۶۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ٥

(ہم نے جو خواب تم کو دکھلایا تھا تو اسے لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ٹھہرایا تھا اور اسی طرح وہ درخت ہے جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے ہم ان کو طرح طرح سے ڈراتے ہیں مگر ہمارا ڈرانا ان کی سرکشی کو بڑھاتا ہی گیا)

ابن جریر نے سہیل بن سعید سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے خواب میں دیکھا کہ بنی اُمیہ آپ کے منبر پر اس طرح کود رہے ہیں جیسے بندر اچکا کرتے ہیں اس خواب کے دیکھنے کے بعد آپ اس قدر غمگین ہوئے کہ عمر بھر پھر آپ ہنسے اور جس درخت پر لعنت کی گئی اس سے مراد مروان بن حکم ہے جو خلیفہ ثالث کا وزیر تھا۔ حضرت رسول خدا نے اس کی شرارت و خباثت کی وجہ سے مدینہ سے نکلوا دیا تھا اور لوگ اس کو طرید رسول کہا کرتے تھے حضرت کے انتقال کے بعد جب عثمان خلیفہ ہوئے تو اس کو پھر بلا لیا اور فدک کی جاگیر اسے بخش دی اور امور سلطنت میں اسے اپنا مشیر بنا لیا۔ اس مروان کی اولاد نے سالہا سال سلطنت اسلامیہ پر حکومت کی اور شیعوں کے قتل و غارت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۞

---

(۱۶۸) شیطان کا تسلط خاصانِ خدا پر نہیں ہوتا

پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۷۔ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ٥

(جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تیرا زور نہیں چل سکتا اور کارسازی کو تیرا رب کافی ہے)

اس سے پہلی آیات کا ترجمہ یہ ہے:۔ ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کو سجدہ کرو

ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کر لیا اس نے کہا میں اسے سجدہ کیوں کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے اور شوخی سے کہنے لگا کیا یہی وہ شخص ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تو مجھ کو قیامت تک کی مہلت دیدے تو میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ تھوڑے سے لوگوں کے سوا میں اس کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔ خدا نے فرمایا چل دور ہو۔ ان میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو یاد رہے تم سب کی جگہ جہنم ہے اور وہی پوری پوری سزا ہے ان میں سے جس پر تو قابو پاسکے بہکا اور اپنے چیلوں کے سوار اور پیادے سب سے مل کر چڑھائی کر اور مال اور اولاد میں ان کے ساتھ ساجھا کر لے اور ان سے خوب جھوٹے وعدے کر اور شیطان تو ان سے جھوٹے وعدے کرتا ہی ہے مگر وہ دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ان آیات میں چند باتیں قابل غور ہیں:۔

(۱) ہر زمانہ میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن پر شیطان کا غلبہ نہ ہو ورنہ اسلام ہی مٹ جائے گا اور ایسے لوگ سوائے معصوم کے اور کون ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حسب فرمان رسول ہر زمانہ میں ایک امام ضرور رہے گا تاکہ ان کے اقوال و اعمال وسائل شیطانی سے محفوظ رہیں اور لوگ اپنا صحیح راستہ معلوم کریں۔

(۲) شیطان کا یہ بیان غلط تھا کہ مٹی آگ سے بدتر ہے کیونکہ آگ کا کام جلانا ہے اور مٹی اپنے اندر سے چیزوں کو [illegible] ہے بات عالم میں ہمارے [illegible] فضیلت ہوتی تو کبھی تو قوم جن سے کوئی نبی یا رسول بنایا جاتا۔

(۳) شیطان کو اس بات کا اقرار کرنا پڑا کہ خدا کے کچھ بندے ایسے ہیں جو اس کے [illegible] میں نہ آئیں گے اس سے معلوم ہوا اس کا [illegible] ایسے لوگ معصوم [illegible] شیطان پر [illegible] خاصیت ہی سے [illegible] خدا نے اس سے فرمایا تھا [illegible] ایسا [illegible] یا قیامت سے [illegible] اگر اس وقت [illegible] موجود نہ ہوتا تو خدا ایسا کیوں فرماتا

غرور ملائکہ اور شیطان کے سوا ایک تیسرا گروہ ایسا بلند مرتبہ والوں کا تھا جن پر نظر رکھ کر شیطان نے کہا تھا کہ تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو بہکاؤں گا۔

(۴) معلوم ہوا کہ اغوا کرنے والا صرف شیطان ہی نہیں بلکہ اس کے بہت سے چیلے چانٹے بھی ہیں جو ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اور لوگوں کو بہکاتے رہتے ہیں یہ جنات میں سے بھی ہیں اور آدمیوں میں سے بھی ۔

---

(۱۶۹) رُوح کیا ہے

پ۱۵ بنی اسرائیل ع ۱۰ ۔ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ (اے رسول لوگ تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہدو روح امر رب سے ہے اور اس کے متعلق تم کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے)

مطلب یہ ہے کہ روح عالم مادی سے نہیں کہ اس کی تخلیق اسباب و وسائط سے ہوتی ہو بلکہ وہ عالم امر سے ہے یعنی کن فیکون سے (اللہ نے کہا ہو جا پس وہ شے ہو گئی) یہ کن بھی ہمارے سمجھانے کو ہے ورنہ وہ صاحب دہن و زبان نہیں کہ کن کہے بلکہ اس کا ارادہ کسی شے کی تخلیق کے لئے کافی ہے لوگوں کو روح کے متعلق بہت کم علم دیا گیا ہے اس لئے وہ اس کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں ۔

(۱۷۰) نو آیات جو موسیٰ کو دی گئیں

پ۱۵ بنی اسرائیل ع ۱۱ ۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۔ (ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں دیں) فرعون نے بنی اسرائیل کو انتہائی پریشان کیا تھا لہٰذا اس پر اور اس کی قوم پر مختلف اوقات میں مختلف عذاب آتے رہے جن کی صورت یہ تھی ۔

(۱) عصا - یہ سانپ بن جاتا تھا (۲) ید بیضا - حضرت موسیٰ کے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی اس قدر روشن تھی کہ جس کے سامنے کر دیتے اسے غش آجاتا (۳) قحط کا آنا (۴) دریائے نیل میں طوفان کا آنا (۵) تمام ملک پر ٹڈیوں کا چھا جانا اور فصلوں کا تباہ کر دینا (۶) سردیوں میں اس قدر جوئیں پیدا ہونا کہ رات دن کھجاتے پھرتے تھے (۷) مینڈکوں کا کثرت سے پیدا ہونا جو برتن اٹھاتے تھے اس میں مینڈک پاتے تھے گھر کے ہر حصہ میں مینڈک بستروں پر مینڈک (۸) خون برسنا - تمام کپڑے خون کی بارش سے سرخ ہو جانا - پانی کے ظروف میں خون ہو جانا (۹) میووں کی کمی یعنی درختوں میں بہت کم پھل آنے لگے۔

---

(۱۷۱) اطاعت والدین کے احکام

پ۱۵ بنی اسرائیل ۲۳: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا
يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا
وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ
رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

اور تمہارے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ سے نیکی کرنا اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بوڑھے ہو جائیں اور کوئی بات بری بھی لگے تو ان کے جواب میں اف تک نہ کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور جو کچھ کہنا سننا ہو تو بہت ادب سے کہنا اور ان کے سامنے نہایت انکساری سے پیش آنا ... اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ اے رب ان پر رحم کر جیسا ان دونوں نے مجھے بچپن میں ... پالا تھا

ایک حدیث میں ہے کہ ماں باپ کی طرف پیار سے ... ان کی ...

ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بلند نہ کرو ان کے آگے نہ چلو ان کے آگے نہ بیٹھو ایسا کام نہ کرو جس سے لوگ تمہارے ماں باپ کو گالی دیں اگر مومن ہوں تو ان کی مغفرت کے لئے دعا کیا کرو اور اگر کافر ہوں تو ان کی ہدایت کے لئے دعا کرو اگر ماں باپ آجائیں اور تم بیٹھے ہو تو ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ چاہے بار بار ایسا کرنا پڑے ۔

(۱۷۲) اصحاب کہف

پ ۱۵ الکہف ع ۱ ۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ۔

(کیا تم خیال کرتے ہو کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی ہے)

ان کا قصہ یہ ہے کہ دقیانوس بادشاہ کے زمانہ میں چند خدا پرست جوان تھے دقیانوس چونکہ لوگوں سے اپنی خدائی کا اقرار کراتا تھا اور جو نہ کرتے تھے ان کو سخت سے سخت اذیتیں دیتا تھا۔ یہ لوگ ان کی سختیوں سے گھبرا کر اور اپنے ایمان کی حفاظت میں اپنی بستی سے نکلے تاکہ اس ملک سے باہر کہیں اپنی زندگی بسر کریں ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہو لیا۔ ہر چند انہوں نے دھتکارا مگر وہ واپس نہ گیا اور ان کے پیچھے لگا رہا جب چلتے چلتے تھک گئے تو اس خیال سے کہ تھوڑی دیر آرام کر کے پھر چلیں گے ایک پہاڑ کے غار میں جا کر سو رہے اللہ تعالیٰ نے نیند کو ان پر ایسا غالب کیا کہ تین سو نو برس تک سوتے ہی رہے اس کے بعد جاگے بھوک لگی ہوئی تھی آپس میں کہنے لگے تم میں سے کوئی ایک جا کر بازار سے روٹی لے آئے ۔ چنانچہ ملیخا نامی ایک صاحب شہر کی طرف روانہ ہوئے ۔ ایک نانبائی کی دکان سے روٹیاں خریدیں ۔ جب قیمت میں دقیانوس کے زمانہ کا سکہ دیا تو نانبائی حیران ہوا ۔ کہنے لگا یہ کس زمانہ کا سکہ ہے انہوں نے کہا کیا یہ دقیانوس کا سکہ نہیں اس نے کہا دقیانوس کو مرے سینکڑوں برس ہو گئے اب اس کے سکہ کا کیا سوال ہے

معلوم ہوتا ہے تو نے کہیں خزانہ پایا ہے۔

الغرض وہ انہیں پکڑ کر بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ نے جب حال پوچھا تو اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ حیران تھا کہ یہ لوگ تین سو برس تک زندہ کیسے رہے۔ تحقیق حال کے لئے مع ارکان سلطنت کے اس غار کی طرف چلا۔ یملیخا ساتھ تھے جب غار کے دہانہ پر پہنچے تو یملیخا نے کہا آپ ٹھہریے میں اندر جا کر سب کو بتا دیتا ہوں چنانچہ وہ گئے اور یاروں سے سارا حال بیان کیا۔ قدرت خدا سے غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ جب بادشاہ ان سے آنے سے مایوس ہو گیا اور غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ جب بادشاہ ان کے آنے سے مایوس ہو گیا اور غار کا دروازہ کھول کر اندر جانے کی ہمت نہ ہوئی تو ان کا حال ایک تختی پر لکھ کر غار کے دہانہ پر لٹکا دیا اس لئے ان کو اصحاب رقیم بھی کہتے ہیں۔ ان کی تعداد میں [illegible] نے تین اندازے لگائے ہیں۔ کوئی کہتا تھا چار تھے پانچواں کتا تھا کوئی کہتا پانچ تھے چھٹا کتا تھا [illegible] سات تھے آٹھواں کتا تھا۔ سب [illegible] سے کہا جاتا تھا خدا نے ہی ان کی تعداد [illegible] [illegible] بڑی سلطنت ہوئی۔ اس وقت سے یہ لوگ اسی غار میں پڑے [illegible] وہ بیدار [illegible] [illegible] ہے۔ [illegible] [illegible] [illegible] یہ اس کی قدرت کا بہترین کرشمہ ہے۔

(۱) اصحاب کہف تین سو سال برابر سوتے رہے لیکن [illegible] [illegible] نہیں پہنچائی اس سے معلوم ہوا کہ انسان [illegible] نہیں ہوتا۔

(۲) قرآن کہتا ہے سوتے میں ان کی [illegible] [illegible] حیرت انگیز نمونہ ہے۔

(۳) [illegible]

طول حیات پر [illegible]

حجت خدا ولی عصر امام مہدی علیہ السلام کی طولانی حیات کو نہیں مانتے کہتے ہیں اتنی طولانی مدت تک کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۴) وہ غار جس میں اصحاب کہف ہیں دمشق کا ایک پہاڑ ہے جو اب تک موجود ہے لوگ اس غار تک جاتے ہیں اس کا دروازہ دیکھتے ہیں غار کے پاس جو مسجد بنی ہے اس میں نماز پڑھتے ہیں لیکن کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ غار کے دہانہ کا پتھر ہٹا کر اندر چلا جائے اور اصحاب کہف کو دیکھ لے قرآن کہتا ہے اگر تم ان کو دیکھو گے تو رعب سے بھرا جاؤ گے۔ چودہ سو برس سے معلوم کتنی اسلامی سلطنتیں گزر چکیں مگر کسی بادشاہ کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ اس غار کا منہ کھول دیتا اور کچھ لوگوں کو اندر داخل کر کے تحقیق حال کرتا معلوم ہوا جس کو قدرت غائب رکھنا چاہے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا پس اگر حضرت حجت اب تک زندہ ہیں اور لوگ ان تک نہیں پہنچ سکتے تو کیا محل تعجب ہے۔

(۵) اصحاب کہف تو اولیائے خدا ہیں ان کا زندہ رہنا تو تعجب خیز نہیں تعجب تو اس کتے پر ہے جو غار کے دہانہ میں اگلے پاؤں پھیلائے ڈٹا بیٹھا ہے اولیائے خدا کی صحبت کی برکت سے وہ بھی اب تک زندہ ہے۔ بڑا دلیر اور متحمل کتا ہے کہ نہ بھونکتا ہے نہ شور مچاتا ہے نہ اضطراب ظاہر کرتا ہے بڑے اطمینان سے اس عقیدہ کے ساتھ بیٹھا ہے کہ میرے ساتھ اولیائے خدا ہیں اور ان کے ساتھ خدا ہے پھر مجھ پر کیسے آنچ سکتی ہے

(۱۷۳) موسیٰ و خضر کی ملاقات

پ۱۵ الکہف ع ۹: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا

(جب موسیٰ خضر کی ملاقات کو چلے) تو انہوں نے اپنے ساتھی جوان سے کہا جب تک میں دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ تک پہنچ جاؤں چلنے سے باز نہ آؤں گا چاہے برسوں یونہی چلنا پڑے)

یہ قصہ بہت طولانی ہے خلاصہ یہ ہے کہ ناشتہ کے لئے حضرت موسیٰ نے ایک بھنی مچھلی وغیرہ ساتھ لے لی تھی جب مجمع البحرین پر پہنچے تو ناشتہ دان کو ایک چٹان پر رکھ چلتے وقت اسے بھول گئے وہ مچھلی پانی کی چھینٹوں سے زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی ساتھی نے یہ سب دیکھا تھا مگر موسیٰ سے ذکر نہ کیا۔ جب راستہ چلتے چلتے تھک گئے تو حضرت موسیٰ نے ساتھی سے کہا کہ اس سفر نے کافی تھکا دیا ہے اور بھوک بھی لگ رہی ہے لاؤ ناشتہ دو تاکہ کھا کر کچھ تھکن دور ہو۔ اس نے کہا آپ نے خیال نہ کیا جب اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے جو دریا کے کنارے پر تھا میں اس جگہ مچھلی بھول آیا آپ سے اس کا ذکر کرنا بھول گیا اس کا ذکر کرنا شیطان ہی نے مجھے بھلا دیا اور وہ مچھلی تو زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی تھی۔

الغرض دونوں پیچھے لوٹے وہاں خدا کے ایک خاص بندے کو دیکھا یعنی خضر کو جسے خدا نے اپنی بارگاہ سے رحمت و ولایت کا حصہ عطا کیا تھا اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص علم لدنی سے کچھ سکھایا تھا۔

اس کے بعد خضر و موسیٰ کا [illegible] واقعہ ہے جو آگے بیان ہو گا یہاں تک جو کچھ ہے اس پر غور کرنا ہے:

(۱) جو جوان موسیٰ کے ساتھ تھا وہ کون تھا مفسرین نے اس کا نام یوشع بن نون لکھا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ یوشع نبی تھے اور نبی پر [illegible] نہیں ہو سکتی [illegible] نسیان [illegible]

[illegible] شیطان [illegible]

[illegible]

[illegible]

جو یندہ یا بندہ تفسیر لوامع التنزیل میں مولانا حائری مرحوم نے اس عقدہ کو حل کیا۔
انہوں نے لکھا ہے کہ یہ جوان یوشع نہ تھے بلکہ ایک راہ نما تھے جسے حضرت موسیٰ نے راستہ بتلانے کے لئے اپنے ساتھ لے لیا تھا چونکہ وہ نبی نہ تھا لہٰذا اس شیطانی نسبت سے ہمارے عقیدہ کو کوئی ٹھیس نہیں لگتی۔

(۲) یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جس پانی میں مچھلی زندہ ہو کر چلی گئی وہ یقیناً آب حیات تھا۔ پھر کیا وجہ کہ اس پانی کو نہ موسیٰ نے پیا نہ ان کے ساتھی نے حالانکہ اس کے پینے کی ممانعت قرآن سے ثابت نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں خضر نے سکندر کو چشمہ آب حیات تک پہنچایا اور وہ بہت تاریکی کے اندر تھا لیکن یہاں تو ظلمات کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن جب مچھلی کے زندہ ہو کر دریا میں چلے جانے کا واقعہ موسیٰ کے فتیٰ نے بیان کیا تھا تو حضرت موسیٰ نے اسے جھٹلایا بھی نہیں۔ علاوہ بریں یہ بھی مفسرین نے نہیں بتایا کہ ایسا دریا کہاں بہتا تھا۔ بعض مفسرین نے مچھلی کا زندہ ہو کر دریا میں چلا جانا تسلیم نہیں کیا لیکن یہ تو الفاظ قرآن کی سراسر خلاف ورزی ہے قرآن کہتا ہے:۔ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا اور مچھلی نے عجب طرح سے دریا میں اپنی راہ لی) یہ کہنا بھی غلط ہے کہ فتیٰ نے مچھلی کو خراب ہو جانے کی وجہ سے ناشتہ کے قابل نہ سمجھ کر دریا میں پھینک دیا تھا۔ قرآن کہتا ہے اس نے خود اپنی راہ دریا میں اختیار کر لی۔ ایسی صورت میں کیسے سمجھا جائے کہ اسے پھینکا گیا تھا۔ دوسرے حضرت موسیٰ کا لوٹ کر پھر وہیں آنا ضرور اس مقام کی کسی ایسی خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے جس کا علم حضرت موسیٰ کو پہلے سے تھا بہر حال اس عقدہ کے حل کرنے کا اہل علم سے سوال ہے

حضرت موسیٰ اور خضر کی ملاقات کا قصہ قرآن میں یوں مذکور ہے:۔
جناب موسیٰ نے حضرت خضر سے کہا اجازت ہے کہ میں کچھ عرصہ آپ کے ساتھ ساتھ رہوں تاکہ رہنمائی کا جو علم خدا کی طرف سے آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے

Marfat.com

کچھ مجھے بھی سکھا دیں خضر نے کہا میں سکھا تو دوں لیکن آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا اور سچ تو یہ ہے جو چیز آپ کے حسی احاطہ سے باہر ہو آپ اس پر کیوں کر صبر کر سکتے ہیں موسے نے کہا اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے صبر و ضبط کرنے والا پائیں گے نیز آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کروں گا اس میں دو تین باتیں قابل غور ہیں ۔

خضر نے یہ کیسے جان لیا کہ موسیٰ سے صبر نہ ہو سکے گا حالانکہ وہ ایک اجنبی تھے خضر کے ہم صحبت نہ رہے تھے کہ ان کی جبلت کا پتہ چلتا دوسرے یہ کہ یہ پتہ کیسے چلا کہ وہ حسی احاطہ سے باہر کی بات کو نہ سمجھ سکیں گے معلوم ہوتا ہے حضرت خضر کو علم باطن کی تعلیم خدا نے دی تھی اور اس سے انھوں نے موسیٰ کے ظاہری حال کا پتہ چلا لیا ۔

اب آگے کا قصہ سنئے ۔

دونوں ایک کشتی پر سوار ہوئے جب وہ کنارہ پر پہنچی تو خضر نے اس میں ایک سوراخ کر دیا موسیٰ یہ دیکھ کر بے چین ہو گئے کہنے لگے واہ جناب یہ آپ نے کیا کیا ۔ اچھی خاصی کشتی توڑ دی کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ اس کشتی پر سوار ہوں وہ ڈوب جائیں یہ تو آپ نے بڑی بے تکی کی خضر نے کہا میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکیں گے موسیٰ نے کہا آپ میری اس بھول چوک پر گرفت نہ کیجئے اور اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ سختی نہ کیجئے ۔ اب ایسا نہ ہو گا ۔

آگے چلے تو ایک لڑکا ملا خضر نے [illegible] موسیٰ [illegible] ایک بے گناہ [illegible] واہ جناب [illegible] خضر نے کہا میں نے آپ سے [illegible] موسیٰ نے کہا [illegible] آپ مجھ کو ساتھ نہ رکھیں [illegible]

الغرض وہاں سے دونوں ایک [illegible]

دینے سے صاف انکار کردیا وہاں ایک دیوار گرنا چاہتی تھی۔ خضر نے اسے سیدھا کردیا۔ موسیٰ نے کہا سبحان اللہ یہ آپ نے کیا کیا۔ چونکہ ان لوگوں نے ہم کو کھانا تک نہیں دیا لہٰذا آپ اس دیوار کے سیدھا کرنے کی ان سے اجرت مانگتے یوں ہی مفت میں کیوں سیدھا کردیا۔ گرتی تھی تو گر جانے دی ہوتی۔

خضر نے کہا بس حضرت آپ ہمارے ساتھ رہ چکے اب میرے آپ کے درمیان جدائی ہوگی۔ جن باتوں پر آپ صبر نہ کرسکے اب ان کی وجہ بتاتا ہوں سنو۔ یہ کشتی غریبوں اور محتاجوں کی ملکیت تھی۔ یہاں کا ظالم بادشاہ چاہتا تھا کہ اس کشتی کو اپنے قبضہ میں کرلے میں نے اس لئے سوراخ کردیا کہ وہ عیب دار سمجھ کر چھوڑ دے۔ اپنی ٹوٹی پھوٹی چیز اپنے پاس رہے تو اس سے بہتر ہے کہ اچھی حالت میں دشمن کے پاس چلی جائے۔

متاع شکستہ کہ در دست تست

ازاں بہ کہ در دست دشمن درست

اور اس لڑکے کو اس لئے قتل کیا کہ وہ کٹر کافر تھا اور اس کے ماں باپ مومن تھے وہ ان کو قتل کرنے کی نیت سے جا رہا تھا میں نے دو مومنوں کی جان بچانے کے لئے اس کافر کو قتل کردیا۔ دیوار کو اس لئے سیدھا کیا کہ اس کے نیچے دو یتیم بچوں کے باپ کا خزانہ دبا ہوا تھا اگر وہ گر جاتی تو لوگ لوٹ کر لے جاتے اور چھوٹے بچے اپنے باپ کے ترکے سے محروم رہ جاتے۔

ان آیات میں حسب ذیل سوالات پر غور کرنا ہے۔

(۱) حضرت موسیٰ نبی تھے کلیم اللہ تھے وہ خضر سے کیا حاصل کرنے گئے تھے اور وہاں کیا لے کر آئے۔ مذکورہ بالا تین واقعات نے ان کے اور علم کے کون سے چشمے کھولے زیادہ سے زیادہ تین ہی تو سبق ملے جواب یہ ہے کہ جناب موسےٰ کو ایک بار یہ خیال آیا کہ دنیا میں مجھ سے کوئی بڑا عالم نہیں خدا نے صرف اس خیال کو دور کرنے کے لئے بھیجا

تاکہ وہ جان لیں کہ وفوق کل ذی علم علیم۔ ہر علم والے سے بالاتر ایک اور عالم ہوتا ہے کوئی خاص علم سکھانا مقصود تھا یا یہ کہا جائے کہ موسیٰ کو علم ظاہر تھا اور خضر کو علم باطن۔ خضر سے مل کر موسیٰ سمجھ لیں علم ظاہر اور ہے علم باطن اور۔

(۲) موسیٰ نبی تھے اور جھوٹ کا تعلق نبی سے نہیں ہوتا لیکن حضرت موسیٰ نے بار بار جھوٹ بولا اور بار بار خلاف عہد کیا۔ ایک بار کہا اب میں ایسا نہ کروں گا اور پھر وہی کیا۔ دوسری بار نیا عہد کیا اور پھر توڑ دیا تیسری بار بھی ایسا ہی کیا یہ ان کی شان نبوت کے بالکل خلاف ہے

جواب یہ ہے کہ جو صورتیں حضرت موسیٰ کو پیش آئیں وہ کچھ ایسی عجیب و غریب تھیں کہ انسان بےخود ہو گئے اور اختیار ان کے نہیں رہ سکتی اور عالم بےخودی میں زبان سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں دوسری بات یہ ہے کہ موسیٰ کا تعلق شریعت ظاہری سے تھا اور خضر کا تعلق شریعت باطنی سے تھا دونوں کا عمل درست تھا۔ شریعت ظاہری کے لحاظ سے خضر نے جو کچھ کیا موسیٰ کا اس پر ٹوکنا لازم تھا اور خضر نے جو کچھ کیا وہ بھی شریعت باطنی درست تھا [illegible] سے واقف تھے لہٰذا ان کا ایسا کرنا ضروری تھا۔

(۳) ان آیات سے معلوم ہوا [illegible]

[illegible]

[illegible]

يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۝ قَالُوا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝

سکندر جب چلتے چلتے ایک (پہاڑ کے کنگروں کے) دیواروں کے بیچوں بیچ میں گئے تو ان دیواروں کے اس طرف ایک قوم کو آباد پایا جو سکندر کی بات چیت نہیں سمجھ سکتے تھے ان لوگوں نے (مترجم کے ذریعہ سے) عرض کی۔
اے ذوالقرنین (اس گھاٹی کے ادھر) یاجوج و ماجوج کی قوم ہے جو ملک میں فساد پھیلایا کرتے ہیں اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم لوگ اس غرض سے آپ کے پاس چندہ جمع کریں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنا دیں)
ذوالقرنین نے کہا میرے پروردگار نے خرچ کی جو قدرت نے مجھے دی ہے وہ تمہارے چندہ سے کہیں بہتر ہے (مال کی ضرورت نہیں (تم مجھے کہیں سے) لوہے کی سلیں لا دو وہ لوگ لے آئے اور پھر ایک بڑی دیوار بنا ڈالی یہاں تک کہ دو تو کنگروں کے درمیان دیوار کو بلند کر کے ہموار کر دیا پھر ذوالقرنین نے حکم دیا کہ (اس کے گرد آگ لگا کر) دھونکو یہاں تک کہ اس کو (دھونکتے دھونکتے) لال انگارہ بنا دیا پھر کہا اب تم تانبا لاؤ کہ اسے پگھلا کر اس دیوار کے (تسگافوں کے) اوپر انڈیل دیں غرض وہ ایسی مضبوط اور اونچی دیوار بنی کہ نہ تو یاجوج و ماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے۔)

آیات مذکورہ کے ذیل میں مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے ترجمہ قرآن پر یہ حاشیہ لکھا ہے۔

سکندر ذوالقرنین کا نام عداس یا عبداللہ تھا اور ضحاک کے بیٹے تھے ان کو سکندر رومی کہتے ہیں ملک روم (اٹلی) کے شہنشاہ تھے اس میں اختلاف ہے کہ یہ پیغمبر تھے یا نہیں لیکن ان کے مقرب ایزدی ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے ایک بار ظاہر ہو کر اپنی قوم کو ملامت کی قوم کے شر پسندوں نے آپ کے سر پر داہنی طرف کسی وجہ سے ایسا

Marfat.com

وار کیا کہ آپ شہید ہو گئے اور پانسو برس تک مردہ رہے خدا نے پھر ان کو زندہ کیا اور
پھر ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ اب کی بار ان کے سر کے بائیں طرف ضرب لگی اور پھر پانسو برس
مردہ رہے دونوں زخموں کی جگہ سینگوں کے سے نشان ہو گئے تھے اس لئے ذوالقرنین کہتے ہیں

اس کے بعد مشرق و مغرب عالم کے بادشاہ ہوئے روئے زمین کے بادشاہ دو مومن
ہوئے ہیں سکندر ذوالقرنین اور سلیمان اور کافروں میں بھی دو ہوئے نمرود اور بخت النصر۔

مولانا مرحوم نے یہ حوالہ نہیں دیا کہ یہ روایت انہوں نے شیعوں کی کس تفسیر سے لی ہے
خدا کی قدرت سے تو کچھ بھی بعید نہیں لیکن کسی معصوم سے ایسی روایت نہیں ملتی اور اگر ملتی ہے
تو ذرا اس کی جانچ پڑتال کی جائے تاکہ اس کی صحت پر یقین حاصل ہو جائے۔ یہاں سوال یہ
پیدا ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کو دو بار پانچ پانچسو برس تک مردہ بنائے رکھنے میں کیا مصلحت تھی
اور یہ پانچ سو برس کی قید مرتبہ کیوں ہوئی۔ یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لاش پانچ سو برس
تک بے دفن کے رہی یا دفن کر دی گئی اگر بے دفن رہی تو ایک نبی یا کم از کم ایک برگزیدہ بندے
کی توہین ہے اور اگر دفن ہوئی تو لوگوں نے پانچسو برس بعد ان کی قبر کا پتہ چلا کر کیسے نکالا یا وہ خود
ہی قبر سے باہر نکل آئے۔ یہ حال کچھ عجیب سی باتیں ہیں۔ کاش مفسرین و مترجمین ان پر کچھ تو روشنی
ڈالتے ورنہ صرف روایت درج کرنے سے کیا فائدہ۔ قرآن مجید میں ان دونوں موتوں کا ذکر
نہیں آتا ہے نہ تفصیلاً اس روایت کی تائید میں حضرت عزیر کا واقعہ پیش کیا جائے تو صحیح نہ
ہوگا۔ کیونکہ اول تو قرآن مجید میں ان کے سو برس مردہ رہنے کا واقعہ درج ہے [illegible] کسی کو
انکار نہیں ہو سکتا اور وہاں مارنے کی وجہ بھی قرآن مجید میں پائی جاتی ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کا کوئی حصہ بھی باقی نہیں رہتا ۔ اس کے بعد مولانا نے دوسرا حاشیہ یاجوج وماجوج پر لکھا ہے

" یاجوج وماجوج حضرت یافث بن نوح کی اولاد سے تھے ان کے دو گروہ تھے جن کو بعض ترک اور بعض پہاڑی کہتے ہیں ۔ بہرحال یہ لوگ تین قسم کے تھے ایک ایسے لمبے تڑنگے کہ ان کا قد تاڑ برابر تھا اور دوسرے ایسے چوڑے کہ ان کی لمبائی اور چوڑائی برابر تھی تیسرے بڑکے کہ ان کا ایک کان اوڑھنا تھا اور ایک بچھونا ان کی تعداد چار لاکھ تھی اور ان میں سے کوئی نہ مرتا جب تک اپنے نطفہ سے ایک ہزار جوان لڑنے والے نہ دیکھ لیتا تھا وہ اس قدر قوی تھے کہ پہاڑ اور لوہے کی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی ۔ گھاس پتے آدمی جانور حرام و حلال ہر چیز کھا جاتے تھے وہ لوگ جب کسی پر حملہ کرتے تو اس کا ستیاناس کر دیتے تھے ۔ "

(یہ روایت روضتہ الصفا میں ہے جس کی بہت سی روایتیں ساقط الاعتقاد ہیں)

اس روایت میں عجیب بات یہ ہے کہ مولانا اس قوم کو حضرت نوح کے بیٹے یافث بن نوح کی اولاد سے ذکر فرماتے ہیں اگر کوئی جداگانہ مخلوق خدا بیان کرتے تو کوئی محل تعجب نہ تھا لیکن ایک نبی زادہ کی اولاد میں ان صفات کا ذکر کرنا جو انسانی خصوصیات سے بالکل الگ ہیں ۔ ضرور تعجب میں ڈالنے والی بات ہے کوئی ایک بات بھی تو ان میں انسانوں کی سی نہیں پائی جاتی ۔ جناب یافث ہم ہی جیسے انسان تھے ان کی اولاد میں یہ تغیر کیسے پیدا ہو گیا کہ بشریت کا روپ ہی بدل گیا اور وہ بالکل ایک جداگانہ مخلوق نظر آنے لگے ۔ دنیا کے دور میں اس کے سوا کوئی دوسری مثال تاریخ عالم میں ہی نہیں نہ ان کا ڈیل ڈول انسانوں کا رہا نہ شکل و صورت نہ غذا نہ طاقت نہ طریق ماند و بود پھر ایک عجیب بات ہے کہ ان میں سے کوئی اس وقت تک مرتا تھا جب تک ایک ہزار لڑکے نہ پیدا کر لیتا ۔ انسانی نسل میں تو کوئی ایک انسان بھی ایسا نہیں پایا گیا جس کے ایک ہزار اولاد بھی ہو ۔ شاباش اس ماں کو جو ایک ہزار بچہ جنے اور مرحبا اس باپ کو جو ایک ہزار نوجوان اولاد سے تیار کر کے مرے ۔ مولانا اگر یہ لکھ دیتے کہ یاجوج ماجوج خدا کی ایک مخلوق تھی جس کی یہ صفات تھیں تو کسی کو اعتراض نہ ہوتا ۔

Marfat.com

مولانا مرحوم نے کئی جگہ حواشی میں ایسی ہی بے سروپا روایتیں درج فرما دی ہیں۔ قصہ کہانیوں کی کتابوں میں تو ایسی چیزیں لوگوں کو دلچسپ معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن قرآن جیسی مقدس کتاب پر ایسے حواشی اچھے نہیں معلوم ہوتے انھوں نے جیسا بے نظیر ترجمہ کیا ہے ایسے ہی وہ روایات درج کرتے جو معتبر و موثق ہوتیں اور حضرات معصومین علیہم السلام سے منقول ہوتیں۔ مفسرین اہل سنت نے توریت وغیرہ کے بہت سے لایعنی قصے درج کر دئیے ہیں ہم ان کی پیروی کیوں کریں۔

مسلمان بھائیوں سے ایک سوال ہے کہ یاجوج و ماجوج ایک قوم تھی جو ہزارہا سال سے غائب ہے دنیا کے کسی سیاح کو کہیں نظر نہیں آتی۔ قرآن کہتا ہے کہ قرب قیامت میں وہ ہر طرف سے نکل پڑیں گے ذرا کوئی بتائے وہ قوم کہاں روپوش ہے اس کے وجود سے اور زندہ رہنے سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا پھر وہ نظر کیوں نہیں آتی۔ یہ بھی مسلّم ہے کہ وہ ہے اور اسی سرزمین پر لیکن پھر بھی غائب ہے پہاڑوں کا گوشہ گوشہ سیاحوں نے چھان مارا مگر اس قوم کا ایک فرد بھی آج تک ڈھونڈے نہ ملی آخر یہ کیا ماجرا ہے اس پر کوئی مسلمان تعجب کرتا ہے نہ انکار لیکن حضرت حجت کے غائب ہونے پر اعتراض۔ اگر تم لوگ ان کو نہیں دیکھ سکتے تو ان کے وجود سے کیوں انکار کیا جاتا ہے اگر یاجوج و ماجوج ہزارہا سال غائبانہ زندگی بسر کر سکتے ہیں تو ایک نائب رسول ولی خدا امام معصوم کیوں نہیں کر سکتا۔

کسی تفسیر سے یہ نہیں پتہ چلتا کہ جس دیوار کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ کہاں ہے اکثر لوگوں نے دیوار چین (CHIANA WALL) قرار دیا ہے لیکن یہ غلط ہے وہ لوہے کی سلوں سے بنی ہوئی نہیں ہے اور نہ دو پہاڑوں کے درمیان ان کے کنگروں تک پہنچی ہوئی ہے قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں فن معماری نے اس حد تک ترقی کا تھی کہ یہ لوہے کی اس کثرت سے سلیں بنا ڈالی تھیں کہ ایک لمبی دیوار کافی اونچی ان سے

بنائی گئی اور ایسی بھٹیاں بھی تھیں کہ ان میں تانبا پگھلا یا جاتا تھا اور ایسے آلات بھی تھے کہ وہ گرم تانبا سلوں کے جوڑ پر ڈالا جاتا تھا اب جو کام برقی بھٹیاں کر رہی ہیں وہ اس زمانہ میں آگ کو دھونک کر انجام دے لئے جاتے تھے اس عجیب وغریب صنعت انسانی کا اب کوئی ذکر بھی نہیں کرتا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

پ۱۶ مریم ع ۱:۔ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا

اے زکریا ہم کو ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا ہم نے اس سے پہلے کسی کو اس کا ہم نام پیدا نہیں کیا)

حضرت زکریا کی عمر ۹۹ سال کی تھی اور ان کی بی بی کی عمر ۸۸ سال کی ہو گئی تھی اولاد سے مایوس ہو چکے تھے ایسی حالت میں خدا سے اولاد کے لئے دعا کی۔ خدا نے ان کی دعا قبول کی یحییٰ کے پیدا ہونے کی بشارت دی یہ نام حضرت یحییٰ کی پیدائش سے پہلے کسی کا نہ تھا یہ اللہ خدا کی انتہائی مہربانی تھی کہ نام بھی خود ہی رکھا۔

اگلی آیات میں ہے کہ جب یحییٰ پیدا ہوئے تو خدا نے ان سے کہا اے یحییٰ کتاب (تورات) کو مضبوطی کے ساتھ لو (یعنی اس پر پوری طرح عمل کرو) اور ہم نے تمہیں بچپن ہی میں اپنی بارگاہ سے نبوت، رحمدلی اور پاکیزگی عطا فرمائی وہ خود بھی پرہیزگار اور اپنے ماں باپ کے حق میں سعادتمند تھے۔ سرکش و نافرمان نہ تھے (ہماری طرف سے) ان پر سلام ہے جس دن پیدا ہوئے اور جس دن مریں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

حضرت یحییٰ برگزیدگان باری میں ایک خاص امتیازی حالت رکھتے تھے چار برس کے سن میں توریت کو حفظ کر لیا تھا دس برس سے پہلے تمام احکام الٰہی سے واقف ہو گئے خوف خدا کی یہ حالت تھی کہ سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا کبھی کبھی کھا لیتے تھے ٹاٹ کے کپڑے

Marfat.com

پہنتے تھے یاد خدا میں اتنا روتے تھے کہ رخساروں کا گوشت گل کر دانت دکھائی دینے لگے تھے۔ ان کی والدہ نے نمدے کے دو ٹکڑے رخساروں پر رکھ دیئے تھے کہ آنسو ان پر گریں حضرت زکریا نے وعظ میں عذاب جہنم کا ذکر کرنا چھوڑ دیا تھا۔ ایک دفعہ ذکر کر رہے تھے حضرت یحییٰ نے سن لیا تو روتے پیٹتے صحرا کی طرف نکل گئے۔ ماں باپ تلاش میں نکلے تین روز کی تلاش کے بعد ایک پہاڑ پر سجدہ میں بیہوش پایا۔ وہاں کی مٹی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی۔ ماں نے ان کے چہرہ سے مٹی صاف کی تو سمجھے ملک الموت آ گئے فرمایا میرے ماں باپ بوڑھے ہیں ٹھہر جا کہ میں ان سے ملاقات کر لوں۔ جب ماں نے کہا بیٹا میں تیری ماں ہوں یہ سن کر آنکھ کھولی اور پھر صحرا کی طرف بھاگنا چاہا مگر ماں باپ پکڑ کر گھر لے آئے۔ عمر بھر آپ نے شادی نہیں کی۔

ان کی شہادت کا سبب یہ ہوا کہ اس زمانہ کے بادشاہ کے پاس ایک عورت تھی جس کی پہلے شوہر سے ایک لڑکی تھی۔ جب وہ بوڑھی ہو گئی اور بادشاہ کی توجہ اپنی طرف کم پائی تو اس لڑکی کے ذریعہ سے بادشاہ کی توجہ اپنی طرف بڑھانا چاہی۔ لڑکی بڑی حسین تھی بادشاہ اس کی طرف مائل ہو گیا۔ حضرت یحییٰ سے اس کے لئے فتویٰ پوچھا آپ نے فرمایا وہ تجھ پر حرام ہے۔

ایک دن جب کہ بادشاہ نشہ میں مست تھا اس عورت نے لڑکی کو خوب سجا بنا کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ اس سے خلوت کرنا چاہتا تھا اس عورت نے کہا پہلے اس کا مہر تو دیجئے۔ پوچھا وہ کیا ہے اس نے کہا یحییٰ کا سر۔ بادشاہ نے اسی وقت ان کے قتل کا حکم دے دیا۔

جب علماء بنی اسرائیل نے سنا تو بادشاہ سے کہا اگر ان کا خون زمین پر گرے گا تو اس سے کوئی دانہ روئیدہ نہ ہوگا اس نے کہا ان کا خون ایک طشت میں لو اور اسے ایک کنوئیں میں گرا دو اور اس کو مٹی سے بھر دو۔ چنانچہ حضرت کو شہید کر دیا گیا اور آپ کا سر بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ آپ کے خون نے ایسا جوش مارا کہ جس قدر اس پر مٹی ڈالی جاتی تھی سرک کر اوپر ابل آتا چلا آ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک اونچا ٹیلہ بن گیا مگر خون پھر بھی بند نہ ہوا اس زمانہ میں بخت نصر

بادشاہ ہوا۔ اس نے بادشاہ اس کے ارکان سلطنت اور ان تمام لوگوں کو جنہوں نے قتل کا فتویٰ دیا تھا یا سامنے ان کے قتل ہوئے تھے بیدریغ قتل کرایا۔ جب تک ستر ہزار آدمی بنی اسرائیل کے قتل نہ ہوئے اس کا جوش کم نہ ہوا۔ حضرت یحییٰ کی قبر دمشق کی مسجد بنی امیہ میں ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا واقعہ شہادت حضرت یحییٰ کے واقعہ سے کتنا ملتا جلتا ہے امام کا خون ناحق بھی ابھی تک جوش مار رہا ہے جو ہر سال عاشورہ کے دن تسبیح کے دانوں پر ظاہر ہوتا ہے چونکہ ابھی تک اس خون ناحق کا انتقام نہیں لیا گیا لہٰذا وہ جوش زن ہے جب امام زمانہ ظہور فرمائیں گے تب اس خون ناحق کا بدلہ لیا جائے گا بے شمار لوگ قتل کئے جائیں گے تب یہ جوش ختم ہوگا۔

(۱۷۶) حضرت مریم کا قصہ

پ مریم ع ۲۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا

(اے رسول اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کرو جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر پورب والے مکان میں (غسل کے واسطے) جا بیٹھی پھر اس نے لوگوں کے سامنے سے پردہ کر لیا تو ہم نے روح (جبریل) کو ان کے پاس بھیجا تو وہ اچھے خاصے آدمی کی صورت میں ان کے سامنے جا کھڑا ہوا) آگے کی آیات کا ترجمہ یہ ہے :۔

مریم نے کہا اگر تو پرہیزگار ہے تو میں تجھ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں (میرے پاس سے ہٹ جا) جبریل نے کہا میں تمہارے رب کا پیغام بر بن کر آیا ہوں تاکہ تم کو ایک پاک (وپاکیزہ) لڑکا عطا کروں۔ مریم نے کہا مجھ سے لڑکا کیسے پیدا ہو سکتا ہے جب کہ مرد نے مجھے مس نہیں کیا اور نہ میں بدکار رہوں۔ جبریل نے کہا تم نے ٹھیک کہا لیکن تمہارے پروردگار نے کہا کہ یہ بات (بے باپ کے بچہ پیدا کرنا) میرے لئے آسان ہے تاکہ اس کو پیدا کر

لوگوں کے واسطے اپنی قدرت کی نشانی قرار دوں اور اس کو اپنی رحمت کا ذریعہ بناؤں اور یہ بات تو فیصل شدہ ہے یعنی ایسا تو ہو کر رہے گا۔ غرض کہ وہ آپ ہی آپ حاملہ ہو گئیں پھر جب جننے کا وقت قریب آیا تو درد زہ انہیں ایک درخت کی جڑ میں لے آیا تب وہ اس وقت بڑی ہی شرم سے کہنے لگیں کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور ناپید ہو کر بھولی بسری بن جاتی تب جبرئیل نے مریم کے بائیں طرف سے آواز دی کہ تم کڑھو نہیں دیکھو تمہارے پروردگار نے تمہارے قریب ہی نیچے کی طرف ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور اس درخت خرما کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف کو ہلاؤ تو تم پر پکے پکے تازہ خرمے جھڑ پڑیں گے انہیں شوق سے کھاؤ اور چشمہ کا پانی پیو اور اپنی آنکھیں دیدار فرزند سے ٹھنڈی کرو۔ اگر تم کسی آدمی کو دیکھو اور وہ تم سے کچھ پوچھے تو اشارہ سے کہہ دینا کہ میں نے خدا کے لئے روزہ کی نذر کی ہے اس لئے میں آج کسی سے بات نہیں کر سکتی۔

الغرض وہ لڑکے کو گود میں لے اپنی قوم کے پاس آئیں۔ جب یہودی ریاکاروں نے کنواری لڑکی کی گود میں بچہ دیکھا تو ان کو بڑا غصہ آیا کہنے لگے مریم تم نے یہ کیا کیا تم تو ہارون کی بہن تھیں [illegible] اسرائیل کا ایک بزرگ آدمی [illegible] نہ تمہاری ماں بدکار تھی نہ تمہارا باپ پھر ایسی بدچلن کیسے بن گئیں۔ وحی الٰہی کے مطابق مریم نے کوئی جواب ان کو نہ دیا اور کہہ دیا آج میں روزہ سے ہوں کسی سے کلام نہ کروں گی یہ روزہ صمت کہلاتا ہے بنی اسرائیل میں بعض لوگ صوم صمت یعنی خاموشی کا روزہ بھی رکھا کرتے تھے اس کا ثواب عام روزوں سے زیادہ جانتے تھے جب انہوں نے زیادہ تنگ کیا اور [illegible] نے اپنے بچہ کی طرف [illegible] ہونے کے حقیقی اشارہ کر دیا [illegible] آیا کہنے لگے ہم ایسے بچہ سے کیونکر بات کریں [illegible] الغرض حضرت عیسیٰ نے ان کی [illegible] حمل کا میری ولادت سے کوئی تعلق [illegible]

ہے یعنی آئندہ میں صاحب کتاب ہوں گا اور اللہ نے مجھے نبی بناکر بھیجا ہے۔

اس واقعہ میں چند باتوں پر غور کرو۔

اول جناب مریم کی عظمت اور قدوسیت پر۔ خدا کے یہاں سے ان کے لیے کھانا آیا دوسرے خدا نے ان کو بے شوہر کے بچہ جننے کے لیے مخصوص کیا تیسرے سوکھے درخت کو ان کے لیے ہرا کیا اور اس سے پکے خرمے گرائے۔ چوتھے پانی کا چشمہ ان کے لیے جاری کیا پانچویں ان کی عظمت کی گواہی ایسے بچہ سے دلوائی جو آغوش مادر میں تھا بس اگر یہودیوں کی تہمت صحیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی یہ رحمتیں ان پر نازل نہ ہوتیں اور وہ معاذ اللہ ایک زنا زادہ کو ہرگز اپنا رسول نہ بناتا اور ان پر اپنی کتاب نازل نہ کرتا۔

" سرسید احمد خاں صاحب آنجہانی اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ وہ کہتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت مریم کی منگنی یوسف نجار سے ہوئی تھی اور یہودیوں میں قاعدہ تھا جیسا کہ ہمارے یہاں بھی ہے کہ جب تک باقاعدہ رخصتی نہ ہو عورت اپنی منگیتر کے پاس نہ جا سکتی تھی۔ چونکہ مریم اور یوسف قبل شادی کے ہم بستر ہو گئے لہٰذا انہوں نے رسم شکنی کی اور یہودیوں نے اس فعل کو حرام قرار دیکر یہ طعنہ زنی کی لیکن یہ کہنا قرآنی بیان کے قطعاً خلاف ہے قرآن حضرت مریم کی شان میں کہہ رہا ہے:-

پ۱۷ الانبیاء ع ۶ ۔ وَالَّتِيْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

(اے رسول اس بی بی کو یاد کرو جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس کے پیٹ میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور ان کو اور ان کے بیٹے عیسیٰ کو سارے جہاں کے واسطے اپنی قدرت کی نشانی بنائی)

اگر یوسف سے وہ مل گئی ہوتیں تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ انہوں نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت اور پھر معاذ اللہ ایک بدکار عورت کو اپنی قدرت کی نشانی کیوں بیان کرتا پھر معاذ اللہ ایک زنا زادہ آغوش مادر میں کلام کیسے کرتا ان کو نبی کیوں بناتا۔ اگر یوسف سے ملنا بالفرض جائز تھا

تو یہودیوں نے طعنہ زنی کیوں کی۔ ناجائز تھا تو قدرت نے کیوں کہا کہ انہوں نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور ہم نے ان کے بطن میں اپنی روح پھونکی۔ اگر یوسف سے ہم بستر ہوئی ہیں تو پھر سب بچے جیسے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ہوئے پھر نفخ روح کا ذکر کیوں ہوتا۔ غرض بہت سے دلائل ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

سرسید احمد خاں صاحب نے اپنی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ نو مہینہ بحالت حمل شکم مادر میں رہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ نو مہینے تو وہ بچے رحم مادر میں رہتے ہیں جن کا تعلق عالم خلق سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ تو ان کی خلقت عالم امر سے بتاتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ جب اللہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کن۔ پس وہ اسی وقت وجود میں آجاتی ہے۔ ان کے وسائط و اسباب کے قائم ہونے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جیسے ہی فرشتے نے ولادت فرزند کی بشارت دی حضرت مریم حاملہ ہو گئیں اور کچھ دیر بعد درد زہ عارض ہوا عالم خلق میں تو کبھی ایسا ہوتا ہی نہیں۔

جب درد زہ عارض ہوا تو مریم نے بہت چاہا کہ بیت المقدس ہی کے کسی گوشے میں ولادت ہوجائے لیکن ان کو آواز آئی کہ تم اس جگہ سے نکل جاؤ یہ عبادت خانہ ہے زچہ خانہ نہیں۔ یہ فرق ہے حضرت عیسےٰ و امیر المومنین میں کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ کو خانۂ خدا سے باہر جانے کا حکم ہوا اور حضرت فاطمہ بنت اسد مادر امیر المومنین کے لئے دیوار کعبہ شق ہوئی اور حکم ہوا کہ کعبہ کے اندر داخل ہو جاؤ۔

سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عیسیٰ کے بیت المقدس میں پیدا ہوجانے سے کیا خانۂ خدا نجس ہوجاتا؟ اگر ایسا نہیں تھا تو پھر کیوں ان کی ولادت خانۂ خدا میں نہ ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ اللہ کے علم میں تھا کہ ایک تو معصوم ہونے والا بیٹا ہے کہ جس کی ولادت اگر خانۂ خدا میں پیدا ہوتے تو ان کے عقیدہ میں اور شک پیدا ہوجاتے لیکن علی کے متعلق ایسا عقیدہ نہیں ہوگا کیونکہ فرق ہے حضرت عیسےٰ اور علی میں کہ حضرت عیسیٰ کی سب سے پہلی [illegible] جو ان کی ماں نے بیان

ئی خرمہ کی غذا کھانے سے پیدا ہوا تھا اور علی کی غذا سب سے پہلے لعاب دہن رسول تھی جس سے علوم کے چشمے آپ پر کھل گئے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خدا نے عصمت جناب مریم کی گواہی اپنے پیغمبر حضرت زکریا سے کیوں نہ دلوائی جو حضرت مریم کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے۔ غالباً اس کی وجہ تو یہ بھی کہ چونکہ حضرت زکریا جناب مریم کے خالو تھے لہٰذا افترا کرنے والے ان پر طرف داری کا الزام عائد کر دیتے اور حضرت عیسیٰ کی گواہی پر ایسا کوئی شبہ پیدا ہی نہ ہو سکتا تھا کیونکہ وہ آغوش مادر ئی تھے۔ دوسرے جس کی پیدائش کی وجہ سے یہ افترا کیا گیا تھا اس نے خود ہی اس الزام کو اپنی ماں سے رفع کرا دیا۔ یہ قانون قدرت ہے کہ جب کسی معصوم کی عصمت پر دھبہ آتا دیکھتا ہے تو بچوں ہی سے گواہی دلواتا ہے بوڑھوں کو گواہی میں پیش نہیں کرتا۔ چنانچہ جب عصمت یوسف پر دھبہ لگا تو بچہ ہی نے گواہی دی۔ جب اصحاب اخدود نے سموئیل نبی کی نبوّت کو جھٹلایا تو بچہ ہی نے گواہی دی۔ مباہلہ میں رسول بچوں ہی کو اپنا گواہ بنا کر لے چلے اور سب سے آگے انہی کو رکھا۔

(۱۷۷) ادریس نبی

پ۱۶ مریم ع ۴ ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا۔

(اس کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کرو بیشک وہ بڑے سچے بندے اور نبی تھے)

حضرت ادریس حضرت آدم کی پانچویں پشت میں تھے۔ علم نجوم، علم حساب، علم ہیئت اور فن خیاطت علم میزان و پیمانہ اور اوزار کے موجد ہیں۔ توریت میں آپ کا نام اخنوخ ہے آپ کی قوم نے جب زیادہ شرارت کی تو آپ کی بددعا سے بیس برس پانی نہ برسا۔ قوم بلبلا اٹھی توبہ کی تب آپ کی دعا سے پانی برسا اور قحط دور ہوا۔

حضرت ادریس سال کے آخری ایام میں روزہ رکھتے تھے اور اس کثرت سے عبادت کرتے

Marfat.com

تھے کہ ملائکہ کو تعجب ہوتا تھا لقائے الٰہی کے اس قدر مشتاق ہوئے کہ ایک رات کو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا۔

سرسید احمد خاں مرحوم رَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند کئے وہ چونکہ معجزات کے قطعی قائل نہیں لہٰذا نبی کے معجزہ کے سلسلے میں وہ ان کو خلاف فطرت و عادت قرار دے کر کوئی ایسی وجہ بیان کرتے ہیں کہ اعجاز سے تعلق نہ ہو لیکن احادیث کے مقابل ان کے کلام کی کیا وقعت ہے۔

۱۷۸۔ فاخلع نعلیک کا مطلب

پ ۱۶ ع ۱۰۔ فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰىٓ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ [illegible]
الْمُقَدَّسِ طُوًى ۔ یعنی جب موسیٰ اس کے پاس آئے [illegible]
آئی اے موسیٰ میں تمہارا پروردگار ہوں تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو [illegible]
کیونکہ تم اس وقت طوی نامی میدان میں ہو۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ [illegible]

[illegible]

[illegible] خلاف [illegible]

[illegible]

جوتا پہن کر چلتے پھرتے نہ ہوں۔ رات دن لوگ وہاں سے گزرتے تھے۔ پھر موسیٰ سے ہی ان کے جوتے کیوں اتروائے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جوتے اتارنے کا حکم محض تعظیماً تھا کیونکہ اس وقت جلال ایزدی کا پرتو وہاں پڑ رہا تھا اور موسیٰ کلام خدا سننے کے لئے وہاں جا رہے تھے موسیٰ ہی پر کیا موقوف ہے جب ہم حج کو جاتے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں تو ذات باری تعالیٰ کی عظمت و جلالت کی بنا پر پابرہنہ ہو جاتے ہیں۔

(۱۷۹) عصائے موسیٰ کا سانپ بننا

پ ۱۶ طٰہٰ ع ۱۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ۔

اے موسیٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے عرض کی یہ میری لاٹھی ہے جس پر میں تکیہ کر لیتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے (درختوں سے) پتے جھاڑتا ہوں اور دوسری ضرورتیں بھی پوری کرتا ہوں فرمایا اے موسیٰ اسے زمین پر ڈال دو جونہی اسے ڈالا وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا فرمایا موسیٰ اسے پکڑ لو ہم اسے پھر پہلی حالت پر لوٹا دیں گے)

جب حضرت موسیٰ کو نبی بنا لیا گیا تو اب ضرورت تھی کہ ان کو کچھ معجزات بھی دیئے جائیں جو ان کے نبی ہونے کا ثبوت ہوں لہٰذا ایک معجزہ تو عصا کا دیا گیا اور دوسرا ید بیضا کا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لاٹھی جیسی چیز کے متعلق جو موسیٰ کے ہاتھ میں تھی اس پاک ذات نے جو علام الغیوب ہے یہ سوال کیوں کیا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ اس عصا کو سانپ بننا تھا لہٰذا پہلے موسیٰ کی زبان سے یہ کہلوا لیا کہ یہ لاٹھی ہے تاکہ سانپ بننے کے بعد وہ اس شک میں نہ پڑ جائیں کہ کہیں بھول کر میں نے بجائے لاٹھی کے سانپ تو نہیں پکڑ لیا تھا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب فرعون مقابلہ کے لئے صرف عصا کا معجزہ کافی تھا اور فرعون اور اس کے ساحروں کے مقابلے میں صرف عصا ہی سے کام لیا گیا تو ید بیضا کا معجزہ دینے کی ضرورت کیا تھی۔ جواب یہ ہے کہ جب پہلی بار دربار فرعون میں موسیٰ کا داخلہ ہوا تو فرعون کے بہت سے درباری اس کے پاس بیٹھے تھے موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے بہت گستاخانہ کلام کیا اس پر موسیٰ کو بہت غصہ آیا۔ عصا کا سانپ تو فرعون کی طرف بڑھا اور ید بیضا دکھا کر درباریوں کو بیہوش کیا ورنہ وہ سب بھاگ جاتے۔ مرعوب دونوں کو کرنا تھا اس لئے دو معجزے دیئے گئے ورنہ ممکن تھا وہ سب مل کر موسیٰ پر حملہ کر دیتے۔

(١٨٠) موسیٰ کی درخواست وزارت کے لئے

پ ١٦ ط ٢ ع: قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا

(موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار تو میرے سینے کو کشادہ کر دے میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان کی بستگی کھول دے اور میرے اہل سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے اور اس کے ذریعہ سے میری کمر مضبوط کر دے اور اسے میرے امر میں شریک بنا دے تاکہ ہم تیری تسبیح کثرت سے کریں اور تیرا ذکر کثرت سے کریں [illegible]

جب موسیٰ کو نبوت ملی [illegible] فرعون کے پاس [illegible] [illegible]

(۱) میرے سینہ کو کشادہ کر دے یعنی مجھے دلیر بنا دے تاکہ میں پوری ہمت سے اس کا
مقابلہ کر سکوں۔ مفسرین اہلسنت نے آیہ اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ کی تفسیر میں لکھا ہے
کہ بعثت کے بعد جبریل نے آنحضرت کا سینہ چاک کیا اور آپ کا دل نکال کر وہ سیہ نقطہ جو گناہوں کا
مرکز کہلاتا ہے دل کے اندر سے نوچ کر پھینک کر دیا اور اس اپریشن کے بعد دل کو سینہ میں رکھ
کر گوشت کو برابر کر دیا۔ غور کیجئے کیسی مضحکہ خیز تفسیر ہے اگر شرح صدر کی یہی صورت ہے
تو موسیٰ کے ساتھ یہ عملدرآمد کیوں نہ کیا گیا۔ شرح صدر کے تو یہ معنی ہیں کہ کسی امر اہم میں جو دل تنگی
پیدا ہوتی ہے اور ہمت پست ہونے لگتی ہے اس کو دور کر دیا جائے اور دشمن سے مقابلہ
پوری قوت دل میں آجائے کسی موقع پر ذرا سی بھی جھجک پیدا نہ ہو۔
(۲) یَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ۔ میں امر سے مراد نبوت ہے مطلب یہ ہے کہ جب میں تبلیغ
کے لئے دشمن کے سامنے جاؤں تو کوئی ایسی شکل پیدا نہ ہو جس سے کار نبوت انجام دینے
سے رک جاؤں۔
(۳) وَاحۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ۔ بچپن میں حضرت موسیٰ فرعون کے گھر پہنچے
اس کی بی بی آسیہ نے کہا ہم اس کو اپنا لے پالک بیٹا بنا لیتے ہیں چونکہ نہایت قبول صورت
تھے فرعون کو پیار آیا اس نے گود میں لے لیا جناب موسیٰ نے اس کی داڑھی پکڑ کر دا...
ہاتھ سے ایک طمانچہ رسید کیا فرعون بلبلا گیا اور موسیٰ کو گود سے نیچے ڈال دیا اور کہا معلوم ہوتا
ہے کہ یہ بنی اسرائیل کا وہی بچہ ہے جو مجھے قتل کرے گا۔ میں نجومیوں سے سن چکا ہوں آسیہ نے
کہا کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہو نادان بچہ اسے کیا خبر کہ تم خدا ہو ملکے سے تمہارے
گال پر ہاتھ مار دیا ہے فرعون نے کہا ملکے سے نہیں ایسا مارا ہے جیسے لوہے کا کوئی
کوئی مارے دانتوں کی جڑیں تک ہل گئیں آسیہ نے کہا اچھا امتحان کر لو۔ چنانچہ ایک طشت میں
دہکتے ہوئے کوئلے لائے گئے دوسرے طشت میں چمکتے ہوئے لعل شب چراغ رکھے
گئے اور یہ طے پایا کہ اس نے جواہرات اٹھائے تو یہ وہی بچہ ہے اگر جلتا کوئلہ اٹھا لیا

[illegible] میں لکنت پیدا [illegible]
[illegible] سید [illegible] دعا کی میری زبان کی [illegible]

[illegible] وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ اَهْلِي هَارُونَ اَخِي [illegible]
[illegible] خاندان سے [illegible]
[illegible] ہارون جناب موسیٰ کے بھائی تھے [illegible]
[illegible] وراثت قرابت [illegible] رکھنے والا [illegible]
[illegible] قرابت [illegible] رکھتے ہوں [illegible]

[illegible] وَاَشْرِكْهُ فِيْ اَمْرِيْ [illegible] نبوت میں شریک [illegible]
[illegible] شریک [illegible] نبوت ہوتا ہے [illegible] خلافت [illegible]
[illegible] رسول تھی ؟

(۱۸۱) سحر و معجزہ میں فرق

پ ۱۶ ع ۲ [illegible] قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسٰى ـ

[illegible] فرعون نے [illegible] موسیٰ کیا تم [illegible] آئے ہو [illegible]
[illegible] اپنے جادو [illegible]

فرعون نے حضرت موسیٰ [illegible] اپنے ملک [illegible]
[illegible] جادوگروں کو بلا لیا تھا [illegible] انہوں نے رسیوں [illegible]
کی طرف پھینکے [illegible] سانپ [illegible]

انہوں نے ان سب سانپوں کو نگل لیا۔

معجزہ اور جادو میں یہ فرق ہے کہ ایک جادو پر دوسرے کا جادو غالب آ سکتا ہے معجزہ پر کسی کا غلبہ نہیں ہو سکتا مسٹر اے بی چارس نے اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ جس زمانہ میں مہاسہ نہار ریل کی پٹڑی پڑ رہی تھی میں بحیثیت انجنیئر کے وہاں متعین تھا ایک افریقی میرا اردلی تھا ایک روز ہم دونوں ایک سڑک سے گزر رہے تھے کہ ایک شخص ایک پنجرہ میں دو تین مردہ پرندے ڈالے ہوئے لوگوں کو تماشا دکھا رہا تھا ایک مردہ پڑیا کو وہ پنجرہ سے نکالتا اس پر کچھ دم کرتا وہ زندہ ہو جاتی پھر اس کا گلا گھونٹ کر پنجرہ میں ڈال لیتا سب لوگ اس تماشا سے حیران تھے۔

میں نے اپنے اردلی سے کہا تم بھی کچھ جانتے ہو اس نے کہا ہاں اگر میں اپنا جادو دکھاؤں تو یہ زندہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس جادوگر نے ایک مری ہوئی چڑیا پنجرہ سے نکالی اور منتر پڑھنا شروع کیا میرے اردلی نے کنکریوں پر کچھ پڑھ کر اس پر پھینکیں نتیجہ یہ ہوا کہ پھر وہ مری ہوئی چڑیا زندہ نہ ہو سکی۔

لیکن معجزہ پر کسی جادوگر کا جادو نہیں چلتا جیسا کہ فرعون کے تمام ساحروں نے اپنے حیلے دکھائے مگر عصائے موسیٰ پر کوئی غالب نہ آسکا۔ دوسرے جادوگروں کو جادو حاصل کرنے کے لئے کچھ شیطانی عمل کرنے پڑتے ہیں لیکن صاحب معجزہ کو کسی عمل کی ضرورت پیش نہیں آتی معجزہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور جادو شیطان کی طرف سے ہے۔

۱۸۲۔ سامری اور اس کے گئوشالہ کا حشر

سورہ طٰہٰ پ ۱۶ ع ۵۔ قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ وَانْظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهُ

ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا (موسیٰ نے کہا چل دور ہو تیرے لئے (اس دنیا کی)
زندگی میں تو یہ سزا ہے کہ تو کہتا پھرے گا کہ مجھے چھونا مت ورنہ بخار چڑھ آئے گا
اور آخرت میں جو تیرے لئے یقیناً عذاب کا وعدہ ہے کہ ہرگز تجھ سے اس کے
خلاف نہ کیا جائے گا اور تو اپنے معبود کو تو دیکھ جس کی عبادت پر تو ڈٹا بیٹھا تھا
ہم اسے یقیناً جلا کر راکھ کر ڈالیں گے پھر ہم نے اسے تتر بتر کر کے ہوا میں اڑا دیں گے)
سامری نے اپنے جادو کے زور سے سونے کے بچھڑے میں آواز پیدا کی اور بنی
اسرائیل سے کہا اس کے اندر تمہارا خدا بول رہا ہے تم اسے سجدہ کرو وہ احمق اس کے
سامنے جھک گئے جب حضرت موسیٰ کوہ طور سے توریت لے کر واپس آئے تو دیکھا اپنا ایمان [illegible]
[illegible]

۱۰۳ آدم کونسی جنت میں تھے

[illegible]

آدم کی جنت سے جدا تھے اور اس میں زندگی کو دوام تھا۔

---

(۱۸۴) آدم کا عصیاں

پ ۱۶ ط ۷ : ـ وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ۔ (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی (توراہ صواب سے) بے راہ ہو گئے۔)

جو لوگ عصمت انبیاء کے قائل نہیں ان کو خواہ مخواہ حضرت انبیاء کو گنہگار قرار دینے میں مزہ آتا ہے حالانکہ عقلاً و نقلاً کسی طرح وہ گنہگار ثابت نہیں ہوتے۔ آیئے ذرا آدم کے عصیان پر غور کریں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ آدم خلیفہ روئے زمین بنائے گئے تھے یعنی ان کی خلافت یا نبوت کا تعلق اس وقت ان سے ہوتا جب کہ وہ زمین پر آجاتے اور اپنی خلافت کا کام شروع کر دیتے اس سے پہلے عالم قدس میں جو کچھ ہوا اس کا بار ان کی خلافت پر نہیں ڈالا جا سکتا یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر ملک کا قانون جداگانہ ہوتا ہے اس دنیا کا قانون یہ ہے کہ خلیفہ خدا کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے۔ یعنی خلیفہ کے لئے جو قانون بنایا گیا ہے وہ اس کے خلاف کوئی عمل نہ کرے اس قانون کو عالم بالا کے قانون پر قیاس نہ کیجئے۔ مثال کے طور پر آپ کا ایک دن چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے لیکن قرآن کہتا ہے خدا کے نزدیک ایک دن تمہارے شمار کے لحاظ سے ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔

اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔

پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ آدم نے جو گیہوں کھایا اس کا کھانا شریعت اسلامی میں حرام نہ تھا اگر حرام ہوتا تو تمام اولاد آدم پر بھی حرام ہوتا کیونکہ جو چیز نبی پر حرام ہوتی ہے اس کی امت پر بھی حرام ہوتی ہے۔ امت کو چھوڑو خود آدم نے روئے زمین پر آ کر جب کھا

باڑی کاڈول ڈالا تو گیہوں کی کاشت بھی کی اور اس گیہوں کو انہوں نے بھی کھایا اور ان کی اولاد نے بھی خدا نے ان کو منع نہیں کیا پس معلوم ہوا کہ گیہوں حرام نہ تھا بلکہ جب آدم جنت میں تھے تو بنا بر مصلحت ان کو روکا گیا تھا جیسے کوئی طبیب اپنے مریض کی حالت دیکھ کر بہت سی حلال غذائیں کھانے سے روک دیئے۔

پس معلوم ہوا کہ جو نہی آدم کو کی گئی تھی وہ تحریمی نہ تھی بلکہ تنزیہی تھی یعنی انہی کی بہتری کے لئے منع کیا گیا تھا انہیں تو جنت سے نکل کر ایک دن زمین پر آنا ہی تھا لیکن اگر گندم نہ کھاتے تو اس صورت سے نہ نکلتے کہ جنت کا لباس آدم و حوا دونوں کے بدن پر سے اتر پڑا اور انہوں نے درختوں کے پتوں سے ستر پوشی کی یا شیطانی اغوا کا الزام ان پر عائد نہ ہوتا۔ شیطانی اغوا کا تعلق بس وہیں تک تھا لیکن جب خلیفۃ الارض بن کر زمین پر آگئے پھر شیطان کا تسلط ختم ہو گیا۔

آدم علیہ السلام سے جو نافرمانی ہوئی وہ باغوائے شیطانی ہوئی چونکہ اس نے خدا کی قسم کھا کر اغوا کیا تھا اور اس وقت تک کسی نے جھوٹی قسم کھائی نہ تھی لہٰذا آدم نے اس قسم کا احترام کرتے ہوئے درخت کا پھل کھا لیا کوتاہی ضرور ہوئی لیکن نیت میں سرکشی و نافرمانی نہ تھی۔

اگر کہا جائے کہ جب گناہ نہ تھا تو جنت سے کیوں نکالے گئے اس کا جواب یہ ہے کہ اس غذا کا اثر ہی یہ تھا کہ جنت میں نہیں رہ سکتے تھے رہا توبہ کا معاملہ تو بارگاہ ایزدی میں مقربانِ خاص کا ترکِ اولیٰ بھی عصیاں میں شمار ہوتا ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیکوں کی نیکیاں مقربین خاص کے لئے گناہ بھی جاتی ہیں)

تاریخ میں ہے کہ نادر شاہ کا ایک مقرب اس کے سامنے ایک روز اس حالت میں آیا کہ اس کی وردی کے دو بٹن اوپر سے کھلے ہوئے تھے اس پر بادشاہ کا عتاب نازل ہوا اور اسے دربار سے نکلوا دیا حالانکہ وہ کوئی گناہ نہ تھا مگر شاہی دربار کے قوانین کی رو سے وہ گنہگار قرار پایا اور اسے معافی مانگنی پڑی۔

اگر آدم کا یہ عمل گناہ میں شامل ہوتا تو پھر خدا ان کا اجتبا نہ کرتا اور اپنا خلیفہ نہ بناتا

چونکہ معمولی فروگذاشت تھی لہٰذا اس کو نظر انداز کر دیا گیا سب سے زیادہ لطیف نکتہ اس سلسلہ میں
یہ ہے کہ گندم کھانے میں آدم و حوا دونوں شریک تھے اگر گناہ تھا تو دونوں کا تھا لیکن عصیان کی نسبت
صرف آدم کے لئے ہے فَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ کہا گیا ہے حوا کا ذکر نہیں اس کے معنی یہی ہیں کہ بلحاظ
تقرب بارگاہ ایزدی - وہ ترک اولیٰ بھی آدم کا گناہ سمجھا گیا حوا سے اس کا تعلق نہ رکھا گیا -
ترک اولیٰ سے آئندہ زندگی میں بچانے کے لئے یہ انتہائی احتیاطی صورت تھی اگر اس وقت
روک ٹوک نہ کی جاتی تو آئندہ ترک اولیٰ پر اور زیادہ جرأت ہوتی ۔

(۱۸۵) اہل ذکر کون ہیں۔

پ۱۷ الانبیاء ع فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو

مفسرین اہل سنت کی یہ عادت ہے کہ جب کسی آیت کو اہل بیت کے متعلق دیکھتے ہیں
تو کوئی ایسی تاویل کرتے ہیں کہ وہ فضیلت ان سے متعلق نہ رہے۔ چنانچہ اہل الذکر کا مصداق
بعض نے تو علمائے اہل کتاب کو قرار دیا ہے کوئی ان سے پوچھے کہ توریت و انجیل کے علما
آیات قرانی کا مطلب کیا سمجھا سکتے ہیں اگر وہ خود سمجھے ہوئے ہوتے تو اسلام میں داخل
کیوں نہ ہو جاتے۔

بعض کہتے ہیں اہل الذکر سے مراد خود قرآن ہے۔ سبحان اللہ - اس عقل و فہم کے صدقے
اگر قرآن اپنے مطالب کو خود سمجھا دیتا تو رسول کی ضرورت ہی نہ رہتی بعض کہتے ہیں کہ اہل الذکر
سے مراد علمائے اسلام ہیں لیکن اگر ایسا ہوتا تو اسلام کے تہتر فرقے ہی کیوں ہوتے
کیونکہ اختلاف تو اس لئے ہوا ہے کہ ہر عالم نے آیات کا مطلب اپنی اپنی رائے کے
مطابق لیا ہے اگر ہر فرقہ کے عالم ایک ہی بات سمجھتے تو اختلاف پیدا ہی کیوں ہوتا
ایسی صورت میں کس کی بات مانی جائے اگر علما ہدایت کے لئے کافی ہوتے تو نہ
تفسیروں میں اختلاف ہوتا نہ ایک دین تہتر فرقوں میں تقسیم ہوتا۔ حقیقت یہ ہے

Marfat.com

کہ اہل الذکر سوائے آئمہ معصومین کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے ہم اہل الذکر ہیں اس کے چند ثبوت :

(۱) اہل الذکر وہی ہو سکتے ہیں جن کے سینوں میں کل قرآن محفوظ ہو اور جو [illegible] علم الکتاب ہوں۔

(۲) اہل الذکر وہی ہو سکتے ہیں جن کو حدیث ثقلین میں رسول اللہ نے قرآن کے ساتھ [illegible] قرآن میں جو اہل رسول کے بہت سے نام ہیں ان میں ایک ذکر بھی ہے [illegible] لہذا آپ کے گھر والے اہل ذکر ہوئے۔

(۳) اہل الذکر وہی ہیں جو ہر مسئلہ کا جواب قرآن سے دے سکتے ہوں۔

(۴) اہل الذکر وہی ہو سکتے ہیں جو ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہوں۔

اگر چند خدا ہوتے تو عالم تباہ ہو جاتا

[illegible] لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا

[illegible]

[illegible]

اگر سب [illegible] عالم کو چلاتے ہیں کے اور ان کے درمیان [illegible] تو [illegible] ہو گا۔

[illegible] ان کے درمیان [illegible] بصورت اختلاف ایک [illegible] نظام [illegible] چاہتے [illegible] دوسرے پر غلبہ ہو [illegible]

...یں برابر ہوں گی اور ان میں تصادم ہو گا تو سورج نہ مشرق سے نکل سکے گا نہ مغرب سے نتیجہ میں نظام زمین و آسمان روز تباہ ہو کر رہ جائیں گے لہٰذا عقل یہی فیصلہ کرتی ہے کہ خدا ایک ہونا چاہیے

(۱۸۰) حضرت ابراہیم کی بت شکنی

پ ۱۷ الانبیاء ع ۵ اِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ۔

جب ابراہیم نے اپنے (منہ بولے) باپ اور اس کی قوم سے کہا یہ مورتیاں جن کو تم گھیرے بیٹھے ہو آخر ہیں کیا بلا) حضرت ابراہیم کو خدا نے بچپن ہی میں عقل کامل عطا فرمائی تھی جیسا کہ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ۔

حضرت ابراہیم کو تین گروہوں پر دشمنان خدا سے مناظرہ کرنا تھا:

۱۔ بت پرست ۲۔ ستارہ پرست ۳۔ شخصیت پرست جو نمرود کو خدا مانتے تھے۔

یہاں ہم بت پرستوں کے ایک مناظرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ دیکھنا جو دلیلیں پیش کی ہیں کس قدر مضبوط ہیں کسی کی طاقت ہے کہ ان کا رد کر سکے نہ اس وقت کوئی ان کی تردید کر سکا نہ تا قیامت کر سکے گا۔

جب دیکھا کہ لوگ بتوں کے آس پاس بیٹھے ان کی پوجا پاٹ کر رہے ہیں تو فرمایا آخر یہ ہیں کیا بتوں جن کو تم گھیرے بیٹھے ہو انہوں نے کہا یہ ہمارے معبود ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے دیکھا ہے لہٰذا ہم بھی ان کی عبادت کر رہے ہیں۔ فرمایا۔ احمقو! یہ تمہارے معبود نہیں بلکہ تمہارا معبود وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے میں اس کی گواہی دیتا ہوں، خدا کی قسم تمہارے یہاں سے چلے جانے کے بعد میں بتوں کی خبر لوں گا۔ چنانچہ جب وہ چلے گئے تو حضرت ابراہیم نے مندر میں جا کر ان کے بتوں کو بڑے اور کلہاڑا مار مار کر سب کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ سب سے بڑا بت جو وہاں تھا صرف

Marfat.com

اس نے باقی رکھا کہ جب وہ لوگ عید گاہ سے واپس آئیں تو اس سے پوچھ گچھ کریں۔
جب ان لوگوں نے واپس آ کر اپنے بتوں کی یہ گت دیکھی کہ ان کی پسلی چور چور پڑی ہے
تو کہنے لگے جس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ گستاخی کی ہے یقیناً وہ بڑا ظالم ہے
کچھ لوگ کہنے لگے کہ ہاں کون وہی ابراہیم کا ہے ہم نے اکثر اپنے بتوں کا ذکر برائی سے کرتے
سنا ہے لوگوں نے کہا اچھا اگر وہ ہے تو اسے گرفتار کر کے سب کے سامنے لے آؤ تاکہ وہ جو
جواب دے وہ سب اس کو سن لیں۔

چنانچہ کچھ لوگ دوڑے گئے اور حضرت ابراہیم کو گرفتار کر کے لے آئے لوگوں نے کہا
کیا تم نے یہ حرکت ہمارے بتوں کے ساتھ کی ہے فرمایا ان بتوں (خداؤں) کے
بڑے (سردار) نے کی ہے اگر یہ بت بول سکتے ہوں تو ان سے پوچھ لو۔ یہ سن کر انہوں نے
سر جھکا لئے اور دل میں سوچنے لگے کہ بیشک ہم ناحق پر ہیں معقول جواب تو کیا دیتے
پر خفیف ہو کر ابراہیم کو کہنے لگے تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ بت بولا نہیں کرتے پھر ان سے
کیا پوچھیں فرمایا بیوقوفو تو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو تمہیں نہ
نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ تمہارا نقصان ہی کر سکتی ہیں تف ہے تم پر اور اس چیز پر جسے تم خدا
کے سوا پوجتے ہو کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے یہ سن کر انہیں غصہ آگیا اور آپس میں کہنے
لگے اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو ابراہیم کو آگ میں جلا دو اپنے خداؤں کی مدد کرو۔ الغرض انہوں نے ابراہیم
علیہ السلام کو آگ کے دہکتے شعلوں میں ڈال دیا مگر خدا نے ان کو بچا لیا اور آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم
پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا۔

ان آیات میں چند باتوں پر غور کیجئے

(۱) بت پرستوں کا یہ سب عمل عقل نہیں بلکہ تقلید ہے انہوں نے جیسا باپ دادا کو کرتے دیکھا ویسا
کرنے لگے جیسا کہ حضرت ابراہیم کو ان پرستوں نے جواب دیا

(۲) مسلمان [illegible]

Marfat.com

کو لئے ہوئے حضرت داؤد کے پاس آئے اور عرض کی کہ اگر فیصلہ دوسرا ہوتا تو اچھا
انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے حضرت سلیمان نے کہا جب تک [illegible] کے کھیت کی حد
کر کے اسی حد تک نہ لے آئے اس کی بکریاں [illegible] کے پاس رہیں اور [illegible]
دودھ اور ان سے فائدہ اٹھائے اس کے بعد جب کھیت [illegible]
ہرا بھرا ہو جاتا تو بکریاں واپس کر دے

یہ فیصلہ حضرت داؤد کو پسند آیا اور اپنا حکم [illegible]

سوال یہ [illegible] ہے [illegible] وقتی حکم [illegible] سے [illegible]
اس سے ثابت ہوا کہ جو لوگ انبیاء کو معصوم نہیں مانتے ان کا [illegible] ہے اس کا جواب
یہ ہے کہ بلحاظ نقصان کی تلافی کے حضرت داؤد کا فیصلہ [illegible] حضرت سلیمان کا
بہتر تھا لہٰذا حضرت داؤد نے اسے مان لیا اور اپنا فیصلہ [illegible]
[illegible]

۱۸۵ حضرت سلیمان کی سلطنت

پ الانبیاء [illegible] وسلیمان [illegible]
بارکنا فیہا وکنا [illegible] عالمین

ہم نے [illegible] سلیمان کا تابع کر دیا [illegible]
پہنچا کرتی تھی [illegible]
مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے
حضرت سلیمان جیسی سلطنت دنیا [illegible]
اور تمام [illegible] سلطنت کی اور آدمی جنات [illegible]

ہر چیز پر آپ کی حکومت تھی۔ آپ نے لکڑیوں پر شیشے کے ایک ہزار عالیشان محل بنوائے تھے آپ کا لشکر سو کوس تک طول میں اور سو کوس تک عرض میں پھیل جاتا تھا۔ آپ نے ایک تخت بنوایا تھا جو بہت لمبا چوڑا تھا اس کے بیچ میں آپ کا منبر ہوتا تھا اور اس کے گرد چھ سو کرسیاں سونے چاندی کی رکھی جاتی تھیں جن پر آپ کے مخصوصین بیٹھتے تھے ان کے پیچھے اور لوگ کھڑے ہوتے تھے ان کے پیچھے جنات ہوتے تھے ان سب پر پرندے صف باندھ کر اپنے پروں کا سایہ کرتے تھے اور ان سب کو ہوا ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچاتی تھی۔ اس پر پہلے زمانہ کے لوگوں کو تعجب ہوتا تھا لیکن اب کہ ہوائی جہاز نکل آیا ہے جو بہت سے آدمیوں کو لے جاتا ہے یہ امر محل تعجب نہیں رہا۔

مولانا نے یہ حوالہ نہیں دیا کہ یہ کس تفسیر یا تاریخ سے نقل فرمایا ہے۔ شیشہ کے ایک ہزار عالیشان محل اور سونے چاندی کی چھ سو کرسیاں ایک نبی کی شان نبوت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ یہ معلوم نہ ہوا کہ ان شیشہ کے ایک ہزار محلوں میں کون لوگ رہتے تھے اور ان کے لئے یہ اہتمام کیوں کیا گیا تھا کہ قرآن میں تو صرف ایک ہی محل کا ذکر ہے جس کا فرش شیشہ کا تھا اور اس کے نیچے پانی بہتا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ قرآن میں انسان و جن و پرندوں کا ذکر ہے جو چوپاؤں کا نہیں۔ مولانا نے لشکر میں چوپائے بھی داخل کئے ہیں۔ مسخر ہونا اور بات ہے اور لشکر جو ساتھ چلتا تھا وہ اور ہے۔

۱۹۰) قیامت کا ایک دن ہزار برس کا ہوگا

پ الحج ع ۲ - اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ -

(بیشک (قیامت کا ایک دن) تمہارے پروردگار کے نزدیک تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار برس کے برابر ہے) اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو ایک ہزار برس تک عرصہ قیامت میں کھڑے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ خود

کر دیہ کیسا سخت دن ہوگا۔ سر پر آفتاب ہوگا اور زمین تانبے کی طرح جلتی ہوگی اور ہر بُنِ مُو سے
پسینہ کی دھاریں نکلتی ہوں گی۔ نامۂ اعمال گلے میں پڑا ہوگا ہر ایک عمل کی جانچ ہے کتنا ہی چھوٹا کیوں
نہ ہو جواب دہی کرنا ہوگی۔ خدا ہر بندہ مومن کو اس دن کی سختی سے بچائے جو لوگ صاحب
ایمان ہوں گے اس کی رحمت ان کے سروں پر سایہ فگن ہوگی ؛

(۱۹۱) مکھی خدا کی خاص صنعت ہے

پ الحج ع ۱۰ : اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ
وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۔

(اے کفار جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ اگرچہ سب کے سب اس کام کے لئے جمع ہو
جائیں تو بھی ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ
اس سے اس کو چھڑا نہیں سکتے عجیب بات ہے مانگنے والا یعنی عابد اور جس سے مانگا
جاتا ہے (بت) دونوں کمزور ہیں)

مروی ہے کہ خانہ کعبہ کے دروازہ کے سامنے تین سو ساٹھ بت تھا اور دائیں جانب تین
اور بائیں جانب تین سو۔ جب کفار اندر جاتے تو پہلے بتوں کے سامنے سجدہ کرتے اس کے بعد ان
بتوں کو سجدہ کرتے پھر تلبیہ (لبیک کہنا) کرتے اور بتوں پر شہد اور مشک ملتے تھے جو
سب چیزیں مکھیاں چاٹ جاتی تھیں ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی جس میں ان کی عاجزی
کا اظہار ہے ۔

مکھی بظاہر خدا کی ایک چھوٹی سی مخلوق ہے لیکن اس کی صنعت کاملہ اور قدرت بالغہ کا
بہترین نمونہ ہے اس کے متعلق چند خصوصیات قابل ذکر ہیں
(۱) یہ زیادہ تر اڑتی ہی رہتی ہے ایک جگہ قیام کرنا نہیں جانتی

(۲) یہ انسان کے جب چہرہ پر یا کسی حصہ بدن پر آکر بیٹھتی ہے تو بار بار اڑائے جاؤ مگر وہ وہیں آکر بیٹھتی ہے آدمی کی طاقت نہیں کہ اسے ... سے دور کرسکے اس لئے اسے مگس بے حیا کہا جاتا ہے۔ ایک بار متوکل عباسی کی ناک پر ... مکھی بار بار آکر بیٹھتی تھی وہ بار بار اسے اڑاتا مگر وہ رکتی نہ تھی اس نے جھنجلا کر امام جعفر ... اور ... سے پوچھا خدا نے اسے کیوں پیدا کیا ہے۔ فرمایا تاکہ بادشاہوں کے غرور و تکبر کی ناک رگڑے۔

(۳) اس کا شامہ اس قدر قوی ہوتا ہے کہ اپنی غذا کو دور سے سونگھ لیتی ہے اور اڑ کر وہیں پہنچ جاتی ہے۔

(۴) اس کی قوت ہاضمہ اس قدر قوی ... تیز ہے کہ جو غذا کھاتی ہے فوراً ہضم ہو جاتی ہے اس لئے وہ بار بار تلاش غذا ... اڑتی رہتی ہے۔

(۵) ... انسان کی یہ طاقت نہیں کہ ... شے پر آنے سے اسے روک سکے یا ... سے پکڑ سکے ... نکلے وغیرہ یا کسی شیرہ جیسی چیز میں پھنس کر۔

(۶) اس کے منہ سے لعاب ... ہے جو بہت زہریلا ہوتا ... یہ اسے اپنے پروں پر ... لیتی ہے ... اس لئے اس چیز سے پرہیز کرنا چاہیے جس میں مکھی گر ... ۔

(۷) اس کے بچے اس کے فضلہ ... سے پیدا ہوتے ہیں۔

(۸) قدرت نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ گندی چیزوں کا زہر چوس لے۔

(۹) ... کہتے ہیں اس کی زندگی ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں ہوتی جو چیز اس کی غذا ہوتی ہے وہی زہر بن کر اس کی موت ... سبب بن جاتی ہے۔

۱۹۲ خلقت انسانی کے چھ درجے

پ۱۸ المومنون ع ... وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ

(۲) ۴۰ دن کے بعد اس نطفہ نے جو منی کی صورت میں سفیدی مائل تھا رفتہ رفتہ علقہ یعنی جمے ہوئے خون کی صورت اختیار کی (۳) ۴۰ دن کے بعد وہ گوشت کا لوتھڑا بن گیا اب اس میں رگیں اور نسیں پیدا ہوگئیں (۴) اب اس کی قدرت نے اس میں ہڈیاں پیدا کیں (۵) پھر ان ہڈیوں پر گوشت لپیٹا اور ایک جسم انسانی کی صورت بنائی (۶) جب جسم تیار ہوگیا تو اس میں جان ڈال کر بشکل انسان ماں کے پیٹ سے نکالا ذرا غور کرو ابتدا کیا تھی اور انتہا پر پہنچ کر کیا سے کیا ہوگیا۔ سعدی نے کہا ہے۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری — کہ کردست برآب صورت گری

اس کی قدرت کاملہ کو دیکھو کہ جسم خاکی کے اندر ایک عالم اکبر کو سمو دیا۔ کیسی کیسی قوتیں کیسی کیسی صلاحیتیں کیسے کیسے ارادے کیسے کیسے عزائم اس کے اندر ودیعت فرمائے کس کی زبان میں طاقت ہے کہ ان میں سے کسی ایک چیز کی تعریف کر سکے۔ عمر ختم ہو جائے گی مگر حق تعریف ادا نہ ہوگا۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر — ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

(۱۰۳) برزخ

پ ۱۸ المومنون ع ۶۔ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔

(اور ان کے مرنے کے بعد عالم برزخ ہے جہاں اس دن تک کہ قبروں سے اٹھائے جائینگے رہنا ہوگا) انسان مرنے کے بعد فنا نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا جسم مادی تو یہاں رہ جاتا ہے اور نفس اور روح عالم برزخ کی طرف چلے جاتے ہیں جہاں قیامت تک ان کو رہنا ہوگا۔ برزخ کہاں ہے یہ امر الٰہی میں ہے وہ بھی اس دنیا جیسی دنیا ہے لیکن وہاں کے اجسام خاکی نہیں بلکہ برزخی مادہ سے بنے ہوئے ہیں برزخی جسم ہمارا ہی سا جسم لیکن وہ ایک مثالی اور لطیف جسم ہوتا ہے۔

آدمی تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے جسم۔ نفس۔ روح۔ جسم جو ارضی مادہ سے بنا ہوا ہوتا مرنے کے بعد یہیں رہ جاتا ہے۔ نفس برزخی مادہ کا ہوتا ہے جس کی شکل بھی بالعموم جسم مادی کی سی ہوتی ہے۔ روح صاحب اعضاء و جوارح نہیں اس کی حالت جسم نفسی سے جداگانہ ہے انسان کو تین ہی عالم سے گزرنا ہے اول یہ کہ مادی دنیا دوسرے برزخی دنیا تیسرے عالم حیات محضہ جہاں انسان ہمیشہ رہے گا۔

ان تینوں جسموں کی غذائیں بھی جدا ہیں امراض بھی جدا ہیں اور ان کے علاج بھی جدا ہیں جسم مادی کی غذا وہ چیزیں ہیں جو زمین سے اگتی ہیں۔ یہ کھانے کے بعد چار چیزیں بنتی ہیں سودا۔ صفرا۔ خون۔ بلغم۔ جب نفس کو تقویٰ کی غذا دی جاتی ہے تو چار چیزیں بنتی ہیں حکمت۔ عفت۔ عدالت۔ شجاعت اور جب روح کو معرفت کی غذا دی جاتی ہے تو یہ چیزیں بنتی ہیں۔ یقین۔ وجدان۔ جذب۔ انسان خواب میں ہم جس چیز کو دیکھتے ہیں وہ برزخی جسم ہوتا ہے۔ عالم برزخ میں لوگ اس جسم مثالی یا برزخی کے سہارے سے رہتے ہیں وہاں کچھ لوگ آرام سے رہتے ہیں اور کچھ لوگ تکلیف سے بسر کرتے ہیں جیسے رہتے ہیں کچھ عقیدہ۔

---

۱۹۴ درود

في النور ۳۰ قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم ذلك أزكى لهم إن الله خبير بما يصنعون وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن إلا لبعولتهن أو آبائهن أو آباء بعولتهن أو أبنائهن أو أبناء بعولتهن أو إخوانهن أو بني إخوانهن أو بني أخواتهن أو نسائهن أو ما ملكت أيمانهن أو التابعين غير أولي الإربة من الرجال أو الطفل الذين

لَمْ يَظْهَرُوا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

اے رسول ایمان والوں سے کہہ دو کہ اپنی نظروں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہی ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے اور جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں۔ خدا اس سے خوب واقف ہے اور مومنات سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے بناؤ سنگھار کے مقاموں کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں (چھپ سکتے ہوں) اس کا گناہ نہیں اور اپنی اوڑھنیوں کو (گھونگٹ مار کے) اپنے گریبانوں (سینوں) پر ڈالے رہیں اور اپنے بناؤ سنگھار کو کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں، باپوں یا اپنے شوہر کے باپ یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں یا بھتیجوں یا بھانجوں یا اپنی قسم کی عورتوں یا اپنی لونڈیوں (گھر کے) وہ نوکر چاکر جو مرد صورت ہیں مگر بوڑھے ہونے کی وجہ سے عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے یا وہ کم سن لڑکے جو عورتوں کے پردہ کی بات سے آگاہ نہیں ان کے سوا کسی اور پر اپنے بناؤ سنگھار کو ظاہر ہونے دیا کریں اور اپنے پیر زمین پر اس طرح نہ رکھیں کہ لوگوں کو ان کے پوشیدہ بناؤ سنگھار (جھنکار وغیرہ) کی خبر ہو جائے اے ایمان والو تم سب اللہ سے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ)

مغربی تہذیب کے سایہ میں پرورش پانے والے مردوں اور عورتوں کے سامنے اب پردہ کرنا ایک ناقابل معافی جرم ہے یا اپنے دقیانوسی پن پر ہنسوانا ہے۔ مولوی ملا کچھ کہتے رہیں ان کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ ع طوطی کی کون سنتا ہے نقار خانہ میں۔

اسلامی حکومت اگر کسی تحریک کی معاون بن جائے تو پھر کس کی طاقت کہ اسے روک سکے۔ بہرحال ہمارا فرض ہے کہ آیات قرانیہ میں جو کچھ کہا گیا اسے وضاحت کے ساتھ ظاہر دار بیان کر دیں کوئی عمل کرے یا نہ کرے ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔

(۱) مردوں کو یہ حکم ہے کہ اپنی آنکھیں نیچی کر کے چلیں تاکہ کسی اجنبی یا نامحرم عورت کے چہرہ پر ان

منظر نہ پڑے۔ دنیا جانتی ہے کہ زن و مرد کی نگاہ میں کیسے سخت فتنہ کا زہر گھلا ہوا ہے نگاہوں کا ملنا ہی تو قیامت برپا کر دیتا ہے اس لئے بطور حفظ ماتقدم کہا گیا ہے کہ نہ آنکھ لڑے گی دل کی دنیا میں انقلاب آئے گا۔ شرمگاہوں کی حفاظت کا یہ نہایت ہی مناسب بندوبست ہے۔

(۲) جو مومنوں سے کہا جا رہا ہے وہی مومنات سے بھی ہے کہ وہ بھی اپنی آنکھیں جھکا کر رکھیں نامحرموں سے آنکھیں نہ لڑائیں ان کی شرمگاہ کی حفاظت اور عصمت کے برقرار رہنے کا یہ بہترین طریقہ ہے کیا اس زمانہ کی خواتین اس پر عامل ہیں آزادانہ رفتار جو اس زمانہ میں پائی جاتی ہے سب کی نظر کے سامنے ہے اغوا کے واقعات جو آئے دن سننے میں [illegible] ات میں اب کوئی مرد کسی عورت کا نامحرم نہیں۔

(۳) اپنی زینت کو جہاں تک ممکن ہو چھپائیں ہاں جس کا چھپانا ممکن ہی نہ ہو جیسے [illegible] ناخنوں کی کترن ہاتھ کی مہندی انگوٹھی [illegible] تو مجبوری ہے ان کو چھپانے کی ضرورت نہیں۔ کیا مسلمان عورتوں کا اس پر عمل ہے۔ آج کل تو قصداً [illegible] بازاروں میں جانے کے لئے عورتیں اپنے کو نمایاں کرتی ہیں اس لئے [illegible] ان کو دیکھ کر مسحور ہو جائیں اور ان کے دلوں میں گدگدیاں پیدا ہوں کیا یہ حکم الٰہی کی کھلی خلاف ورزی نہیں

(۴) [illegible]

[illegible]

نے تو سب ہی کو محرم بنا دیا ہے بس اللہ ہم پر رحم کرے۔

(۶) اگر عورت کے پیر میں زیور ہو تو آہستہ پیر زمین پر رکھے تاکہ اس کی جھنکار نامحرم کے
کان تک نہ پہنچے۔ یہ سب بندشیں صرف اس لئے ہیں کہ بدکاری کا رواج امت رسول
نہ ہو۔ اس احتیاط کو ترک کر کے جو نتائج سامنے آ رہے ہیں اور لو میرج E MARRIAGE
کا جو سسٹم چل پڑا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی داغ بیل انہی احتیاطوں کے ت
سے پڑتی ہے۔

(۷) اگر سوسائٹی کے اخلاق پر بھروسہ کر کے یہ آزادی دی جاتی ہے تو یہ اعتماد مالی معاملات
کیوں نہیں ہوتا۔ ہمیں تو کوئی ایک شخص بھی اس دنیا میں ایسا نظر نہیں آتا جو اپنا مال اپنے گھر
کھلا ہوا رکھ دے۔ نوٹوں کی گڈیاں اور زیورات میز پر ڈال دے اس خیال سے کہ ا
رشتہ داروں اور آنے جانے والوں کے اخلاق پر پورا بھروسہ ہے۔ افسوس ہے کہ مال چوری
ہو کر دوبارہ پھر جمع ہو سکتا ہے اور چور کے پکڑے جانے پر مل سکتا ہے اس کے
تو کسی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن عصمت جو لٹ کر اور آبرو جا کر کبھی واپس نہیں آ
ہر شخص پر بھروسہ کر لیا جاتا ہے اور آپس میں ملنے جلنے سے کسی خطرہ کا خیال بھی دل
نہیں آتا کیسی عجیب بات ہے۔

گھر میں دروازہ اسی لئے تو لگایا جاتا ہے کہ بد باطن لوگوں چوروں اور اچکوں
درازی سے محفوظ رہیں اگر سب پر اعتماد ہے تو پھر دروازہ کی ضرورت ہی کیا ہے اگر
کے ہوتے ہوئے بھی چوری کا امکان ہے مگر کم۔ ہاں اگر دروازہ کھلا رہے یا
لگایا ہی نہ جائے تو ہر عقلمند آدمی صاحب مکان کی بے عقلی پر افسوس کرے گا اور
یہاں چوری ہو گی تو ہر شخص یہی کہے گا "کردی خویش آمدنی پیش"

مختصراً جو کچھ لکھا گیا اس امید پر نہیں کہ اس زمانہ کے آزاد خیال مرد و عورت
گے بلکہ صرف اس خیال سے کہ احکام الٰہیہ کا ذکر کر کے اپنا فرض ادا کر دیں۔ ہم یہ

۔ آزادی کی آگ جو ہر گھر میں لگی ہوئی ہے اب مواعظ و نصائح کی چھینٹوں سے بجھنے والی نہیں
۔ اب تو جب زمانہ خود ہی سمجھائے گا تب سمجھیں گے اللہ و رسول کے کہنے سے تو سمجھنے والے نہیں۔

---

(۱۹۵) نکاح کرنا حکم خدا و سنت رسول ہے

وَ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَ اِمَائِکُمْ
اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔

اپنی قوم کی بے نکاح عورتوں اور نیک بخت غلاموں اور لونڈیوں کا بھی نکاح کر دو اگر وہ تنگ دست ہوں گے تو خدا اپنے فضل و کرم سے مالدار بنا دے گا اور اللہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

نکاح اس لئے ضروری ہے تاکہ پوشیدہ طور پر زنا کاری سے مرد و عورت محفوظ رہیں۔ قدرت کا قانون ہے جب کسی جوان کے سر پر سوار ہوتا ہے تو اگر نکاح نہ ہو تو ناجائز طریقوں سے وہ اپنی خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے اور اس طرح زانی اور زانیہ دونوں خدا کی نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو اولاد اس طریقے سے پیدا ہوتی ہے وہ حرامی کہلاتی ہے اور ان وراثت سے محروم ہو جاتی ہے ... ماں باپ کی اپنے باپ سے ... عورت بھی اس ... سے محروم ہو جاتی ہے ... نہ ملتا۔

اگر زن و مرد کے تعلقات کی اصل شرعی طریقے سے ہو ... خاندان محفوظ رہتا ہے اور خانہ داری میں اطمینان حاصل ہو جاتی ہے زن و مرد اور ان کی اولاد اپنے ... سکون و اطمینان سے اپنی زندگی ... ہم مسلمانوں میں یہ تعلقات احکام شرعی کی خلاف ورزی ...

نہایت بے شرمی و بیباکی سے قائم کئے جا رہے ہیں جو ہمارے اسلامی معاشرے میں گندگی پھیلا رہے ہیں اور ان کے مضر جراثیم نئی نسلوں کے لئے زہر ثابت ہو رہے ہیں۔

(۱) مثلاً فاحشہ عورتوں کو گھر میں ڈال لینا یا فاحشہ عورتوں کے اڈے قائم کرنا۔ یا غیر مسلم اقوام کی عورتوں سے بصورت معاشقہ ازدواجی تعلقات پیدا کرنا اور پھر ان کی معاشرتی بے احتیاطیوں سے مردوں کا اکتا جانا اور بعد میں سر پکڑ کے رونا اور گلو خلاصی کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آنا۔

(۲) اپنی ہم مذہب اور ہم قوم لڑکیوں کو نظر انداز کر کے دوسری قوم کے سفید چمڑے اور آزادانہ کر پر فریفتہ ہو جانا ان پر ایک نہ ایک دن عذاب لائے بغیر نہیں رہتا۔

(۳) نکاح میں بڑے بڑے وزنی مہروں پر ناکح کا راضی ہو جانا اور پھر کبھی بھول کر بھی اس فرض کے ادا کرنے کا قصد نہ کرنا بلکہ ایک رسمی بات سمجھ کر منظور کر لینا شرع محمدی کا گویا مذاق اڑانا

(۴) چند سال جوانی کے مزہ لے کر عورت کو طلاق دیدینا اور اس کا مہر ادا نہ کرنا کھلا ہوا ظلم ہے جس کی پرسش روز حشر ہونا ضروری ہے رسول اللہ نے فرمایا ہے:۔ اَبْغَضُ الْاَشْیَاءِ عِنْدَ الطَّلَاقِ۔ (میرے نزدیک سب سے بُری چیز طلاق ہے) کسی عورت کو صرف اس بنا پر طلاق دینا کہ وہ اپنی جوانی کا جوبن کھو بیٹھی ہے اور مرد اپنی ہوس کا شکار کسی دوسری جوان عورت کو بنانا چاہتا ہے اور اپنی بی بی کی زندگی کو تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے اس کا سارا مظلمہ مرد کی گردن پر ہوگا اگرچہ طلاق کی اجازت دی گئی ہے مگر نہ اس بھونڈے طریقے سے جو انسانیت کے لئے شرم

(۵) شادی کرنے کے بعد عورت کے حقوق کا لحاظ نہ رکھنا یا عورت کا مرد کے حقوق بجا لانا اور اس کی نافرمانی پر کمر باندھنا فریقین کے اوپر انتہائی ظلم ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی نگہداشت کرنا انسانی فریضہ ہے جس کا ترک اسلام کے دامن پر دھبہ ہے کیونکہ ایسا نہ کرنے والے درجہ انسانیت سے گر جاتے ہیں اور معاشرہ میں ایک نہایت مذموم مثال پیش کرتے ہیں۔

(۶) نکاح سے اسلام کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ نسل بڑھے اور دنیا میں مسلمانوں

ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے ۔ تناکحوا تناسلوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ ولو بالسقط ۔ نکاح کرو اپنی نسل بڑھاؤ کثرت میں ہو جاؤ میں روز قیامت ایک ساقط شدہ بچہ پر بھی فخر کروں گا ۔ حضرت رسول خدا کا یہ بڑا عظیم ارشاد ہے کیونکہ ہر قوم اپنی اکثریت کی بنا پر ہر زمانہ میں اپنی برتری کا جھنڈا بلند کرتی رہی ہے اور اقلیت پر اس کی حکومت قائم رہی ہے پس رسول چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی کثرت ہو تاکہ وہ کسی قوم سے مغلوب نہ ہوں ۔

لیکن انتہائی بدبختی ہے کہ مسلمان نسل کی روک تھام کے لئے ایسے مسموم حربے بنا رہے ہیں جن سے توالد و تناسل کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے اور اس کی ضرورت یوں ظاہر کی جاتی ہے کہ رزق کم ہے تعداد بڑھ جانے سے ان کے کھانے کے لئے سامان ت[illegible] دیا جائے لیکن خدا نے اس قول کو رد فرما دیا ہے ۔ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا ۔ روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں جس کا رزق خدا کے ذمہ نہ ہو ۔ وہ تو ہر جاندار کے پیدا کرنے سے پہلے اس کے رزق کا بندوبست کرتا ہے [illegible] ان کا یہ علاج ہے کہ [illegible] کر دیا جائے اور زراعت پیشہ [illegible] بنایا جائے ۔ جو کچھ ملک میں پیدا ہو وہ مشینوں کے ذریعے [illegible] محفوظ کیا جائے [illegible] وہ موجود نہیں [illegible]

---

۱۵۲ ۔ خدا کے نور کی مثل

[illegible] اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ [illegible]

فِی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ o فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ o رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ o لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۔

(اللہ تمام آسمان و زمین کا روشن کرنے والا ہے اس کے نور کی مثل ایسی ہے جیسے ایک طاق (سینہ رسول) ہو جس میں ایک روشن چراغ (علم نبوت) ہو اور وہ چراغ ایک شیشہ میں ہو اور شیشہ اپنی چمک میں روشن ستارہ کی مانند ہو اور وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جائے جو نہ تو رب کی طرف ہو نہ پچھم کی طرف (بیچوں بیچ میدان میں) اس کا تیل ایسا شفاف ہو کر اگرچہ آگ اسے چھوئے بھی نہیں تاہم ایسا معلوم ہو کہ آپ ہی آپ روشن ہو جائے گا (غرض ایک نور نہیں بلکہ) نور علیٰ نور ہے (نور پر نور کی جوت پڑ رہی ہے) خدا اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے خدا لوگوں کو سمجھانے کے لئے ایسی مثالیں بیان کیا کرتا ہے اور خدا تو ہر چیز سے خوب واقف ہے یہ قندیل ان گھروں میں روشن ہے جن کی نسبت خدا نے حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں اس کا نام لیا جائے۔ صبح و شام وہ لوگ اس کی تسبیح کیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جن کو خدا کا ذکر کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہ تو تجارت ہی غافل کر سکتی ہے نہ خرید و فروخت وہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں خوف کے مارے دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی (اس لئے خدا کی عبادت کرتے ہیں) تاکہ خدا انہیں ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے کچھ اور زیادہ بھی دے اور خدا تو جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے)

مذکورہ بالا آیات بہت غور طلب ہیں مفسرین نے ان کا مفہوم بیان کرنے میں بہت سی کروٹیں بدلی ہیں لیکن اصلی مفہوم ان کے پلے نہیں پڑا۔

یہ تمام آیات اہلبیت علیہم السلام کے بہترین فضائل کے بیان میں ہیں جن کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) اللہ آسمان و زمین کا نور نہیں کیونکہ وہ مکان و مکانیات سے مبرا ہے اس لئے اس کے معنی ہوں گے "منور السموات والارض" یعنی آسمان و زمین کا روشن کرنے والا ہے

(۲) مَثَل کہا ہے مِثل نہیں کہا کیونکہ لیس کمثلہ شیء (اس کا مثل کوئی شے نہیں) مِثل میں شرکت فی الذات ہوتی ہے اور مَثَل میں فی الصفات۔ چنانچہ اس نے خود فرمایا ہے: لہ المثل الاعلیٰ (اس کے لئے مثل اعلیٰ ہے) یعنی کچھ لوگ ایسے ہیں جو مظہر صفات باری تعالیٰ ہیں یعنی ان میں صفات باری تعالیٰ کی جھلک ہے

(۳) مشکوٰۃ سے مراد سینہ مبارک رسول ہے اور [illegible]

(۴) مصباح سے مراد نور نبوت ہے جو قلب آدم کے اندر روشن ہے

(۵) یہ چراغ ایک شیشہ کے اندر ہے [illegible] حفاظت کرے یعنی نبی اور نبوت کی حفاظت کرنے والا [illegible] شیشہ سے وصی مراد ہیں۔

(۶) اور شیشہ ایسا چمکدار ہے جیسے روشن ستارہ [illegible] گناہ کا چھوٹا یا بڑا داغ نہیں ہے

(۷) اس چراغ میں تیل [illegible] ہوتا ہے اس سے [illegible]

(۸) یہ درخت [illegible]

(۹) اس [illegible]

لئے ہوئے ہیں یعنی بالواسطہ مسلمان نہیں بلکہ حضرت ابراہیم کی طرح بلا واسطہ مسلمان ہیں۔

(۱۰) روشنی کا یہ عالم ہے کہ نور پر نور چڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس چراغ کی حفاظت کرنے والے بارہ شیشے ہیں شیشے چراغ کی روشنی کو دو بالا کر دیتا ہے پس جس چراغ کے بارہ تابندہ شیشے ہوں اس کی روشنی دامن قیامت تک کیوں نہ پہنچے گی۔

(۱۱) یہ چراغ ایسے گھروں میں روشن ہیں یعنی نبوت و امامت ان گھروں میں ہے جن کا مرتبہ خدا نے بلند کیا ہے اور ان میں خدا کے نام کی تسبیح بکثرت ہوتی ہے۔ سوائے اہل بیت علیہم السلام کوئی گھر ایسا نہ ملے گا جس میں شب و روز تسبیح الہی ہوا کرتی ہو۔

(۱۲) اب اس مثال کی وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو ذکر خدا کرنے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارتی کاروبار روک سکتے ہیں نہ دنیوی کام کاج۔ رسول کے بعض اصحاب ایسے لوگ بھی تھے کہ جب نماز پڑھتے ہوتے اور رکوع میں جاتے اور تاجروں کی آمد کا نقارہ بجتا تو نماز کو چھوڑ بھاگ جاتے تھے تاکہ سودا چکائیں۔ سورہ جمعہ میں ہے۔ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا جب تاجروں کی آمد کی خبر سنتے یا کوئی کھیل تماشہ ہوتا تو اے رسول نماز میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوتے۔

(۱۹۶) لا شے کیا ہے

پ۱۸ النور ع ۵:۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔـا۔

(کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے چٹیل میدان کا چمکتا ہوا ریت جسے پیاسا پانی خیال کرتا ہے لیکن جب اس کے پاس جاتا ہے تو لاشے پاتا ہے)

جب معاویہ نے امیر المومنین علیہ السلام سے بغاوت کر کے اپنے کو خود مختار خلیفہ بنا لیا تو بادشاہ روم کو لکھا کہ جو خراج آپ مدینہ بھیجا کرتے تھے وہ اب دمشق بھیجئے کیونکہ آنحضرت کا جانشین

خلیفہ میں ہوں۔ ایسا ہی ایک خط کوفہ سے امیر المومنین علیہ السلام نے لکھا کہ اب خراج کوفہ بھیجو۔
بادشاہ روم حیران ہوا کہ کہاں بھیجے۔ اپنے وزیر سے مشورہ کیا اس نے کہا کوئی علمی مسئلہ لکھ کر دمشق
کے خلیفہ کے پاس بھیجو اور قرآن سے اس کا جواب مانگو۔ اگر صحیح جواب دیدے تو سمجھ لو کہ رسول اللہ کا
جانشین ہے۔ چنانچہ وزیر نے بتایا کہ یہ دریافت کیجئے کہ ۱۰۰ شے کیا ہے۔ بادشاہ روم کا [illegible]
جب دمشق پہنچا اور یہ سوال سامنے رکھا تو امیر صاحب چکرا گئے۔ [illegible]
آتی کہاں تھی کہ یہ مسئلہ حل کرتے۔ اپنے وزیر عمرو عاص سے کہنے لگے بتاؤ اب کیا ہو۔ وزیر صاحب
بڑے چالاک تھے کہنے لگے آج کل جنگ صفین کے سلسلے میں گھوڑوں کی تلاش ہے۔ آپ اپنے
آدمی [illegible] کا ایک اچھا قیمتی گھوڑا کسی کے ساتھ عراق بھیجئے۔ علی گھوڑے [illegible]
اسے فروخت کرنا [illegible] جب اس سے قیمت پوچھیں تو [illegible]
بس جو جواب وہ دیں وہی لکھ کر بادشاہ روم کے پاس بھیج دیجئے۔ [illegible]
واپس آنے [illegible] بادشاہ کو یہ ہدایت [illegible]
جب قاصد کوفہ پہنچا تو امیر المومنین نے امام حسن [illegible]
آپ نے امام حسن سے فرمایا ان سے پوچھو کیا [illegible] امام حسن [illegible]
قریب جا کر پوچھا امام حسن نے ان کے قریب جا [illegible]
[illegible] امام حسن ان نے کہا [illegible]
[illegible] امام حسن [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] امام حسن [illegible]
[illegible]
[illegible]

فرمایا جس نے تجھے بھیجا ہے اس سے کہنا ارلائیے یہی ہے اس نے کہا قرآن سے ثبوت دیجئے آپ نے مذکورہ بالا آیت لکھ کر اسے دے دی۔ جب وہ دمشق پہنچا تو ان نے امیر صاحب کے سامنے اپنا دامن جھاڑ دیا انہوں نے غصہ ہو کر کہا تیرے منہ پر خاک یہ کیا گستاخی ہے۔ وہ بولا حضور میں کیا کروں انہوں نے یہی چیز دی ہے اور ثبوت میں یہ آیت لکھ دی ہے۔

عمرو عاص نے کہا بس یہی چیز ہمیں چاہئے تھی۔ روم کے قاصد کو بلا کر کہا۔ جواب تو ہم اسی وقت دیدیتے لیکن تاخیر اس لئے کی کہ تم دمشق کی خوب سیر کر لو۔ یہ خاک لے جاؤ اور یہ آیت سنا دینا۔ جب قاصد روم پہنچا تو بادشاہ نے کہا تو نے اتنی دیر کیوں لگائی اس نے کہا حضور یہ جواب عراق سے اونٹ پر لد کر آیا ہے وزیر نے کہا معلوم ہو گیا کہ یہ جواب علی کا بتایا ہوا ہے لہذا خراج کی بجائے دمشق علی کے پاس جانا چاہئے۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

(۱۹۸) ہر شے تسبیح خدا کرتی ہے

پ۱۸ النور ع ۶ ۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيْحَهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۔

(کیا تو نے اتنا بھی نہیں دیکھا کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہے اور پرندے پر پھیلائے ہوئے یہ سب اسی کی تسبیح کیا کرتے ہیں سب کے سب اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا طریقہ خوب جانتے ہیں اور جو کچھ یہ کیا کرتے ہیں خدا اس سے خوب واقف ہے)

خدا کی تمام مخلوق سماوی ہو یا ارضی خدا کی حمد کی تسبیح کرنا جانتی ہے اور نماز بھی پڑھتے ہیں ہر ایک کی زبان جداگانہ ہے جس کو ہم سمجھ نہیں سکتے ان کی نماز بھی ہم سے الگ ہے کیونکہ وہ ہماری طرح کسی شریعت کے تحت نماز نہیں پڑھتے۔ فرشتے بھی رکوع وسجود کرتے ہیں ان کی عبادت

کا طریقہ اور ہے چوندوں، پرندوں اور درندوں کی عبادت کا طریقہ اور ہے غرض یہ ہے کہ سب اپنے خالق کو پہچانتے ہیں اور اس کی تسبیح کرتے ہیں نماز کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہوں بالہام ربانی جو طریقہ ان کو بتایا گیا ہے وہ اس کے پابند ہیں

اس آیت میں قابل غور بات یہ ہے کہ پرندوں کا ذکر علیحدہ کیوں کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سے پرندے ایسے ہیں کہ ان کی آواز سے صاف ذکر خدا کا پتہ چلتا ہے تیتر کی آواز ہے سبحان ربی کبوتر کہتا ہے یا غفور۔ طوطے کو کہا جاتا ہے تو وہ صاف ان الفاظ کو ادا کرنے لگتا ہے اسی طرح مینا ہے وغیرہ وغیرہ ۔

(۱۹۹) ہر شے کی خلقت پانی سے

پ النور ع ۲۔ واللہ خلق کل دابۃ من ماء فمنھم من یمشی علی بطنہ ومنھم من یمشی علی رجلین ومنھم من یمشی علی اربع یخلق اللہ ما یشاء ان اللہ علی کل شئ قدیر۔

خدا ہی نے تمام روئے زمین پر چلنے والے جانداروں کو پانی سے پیدا کیا ہے ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں [illegible]

[illegible]

کوئی جانور نطفہ سے پیدا ہو یا بغیر نطفہ سے اگر پانی نہ ہو تو کوئی چیز پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔
کیسے پیدا کرتا ہے اس کو بس وہی جانتا ہے۔

۲۰۰ اللہ کا وعدہ استخلاف

پ۱۸ النور ع ۷۔ وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔

(جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو (ایک نہ ایک دن) روئے زمین پر ضرور اپنا خلیفہ مقرر کرے گا جس طرح ان لوگوں کو اپنا خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے اور جس دین کو اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے (اسلام) اس پر انہیں ضرور بالضرور پوری قدرت دے گا ان کے خائف ہونے کے بعد (ان کے ہراس کو) امن سے بدل دے گا کہ وہ (اطمینان سے) میری عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہ بنائیں گے اور جو کوئی اس کے بعد بھی ناشکری کرے گا تو ایسے لوگ بدکار ہیں)

اس آیت میں بہت سی باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) خدا کا وعدہ ایمان والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں سے ہے اس صورت میں یہ وعدہ صرف انہی ایمان والوں سے متعلق ہو گا جنہوں نے ایک آن واحد کے لئے بھی کفر نہ کیا ہو اور اعمال صالحہ سے کوئی عمل ایسا نہ رہا جسے وہ بجا نہ لائے ہوں۔ جو لوگ کفر کے بعد اسلام میں داخل ہوئے ان سے یہ وعدہ متعلق نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کا بہت سا زمانہ ایمان و عمل صالحہ سے خالی رہا ہے بس جو ان سے بالاتر ہیں وہی اس وعدہ کے اہل ہوں گے نہ کہ کمتر طبقہ۔

(٢) ان کو خلیفہ اسی معین طریقہ سے بنایا جائے گا جیسے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا گیا تھا ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء کے جانشین خدا کے تعین کئے ہوئے تھے نہ کہ امت کے بنائے ہوئے۔ پس سقیفہ میں بنائے ہوئے خلیفہ یا ان کے بعد ان کے جانشینوں سے یہ وعدہ متعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خلافت کا یہ طریقہ سنت الٰہیہ اور سنت انبیاء کے خلاف ہے۔

(٣) جن کو اللہ تعالیٰ اپنے معینہ قاعدہ کے مطابق خلیفہ بنائے گا ان کو دین اسلام پر پوری قدرت دے گا۔ آنحضرت کے بعد جو خلفاء ہوئے ان کو کسی وقت بھی دین اسلام پر پوری پوری قدرت حاصل نہیں ہوئی کیونکہ ان کے زمانوں میں اسلام کے خلاف اور بھی دین موجود رہے۔ ایسے [illegible] سے یہ وعدہ متعلق نہیں ہو سکتا۔ پورا تمکن تو اس وقت ہو گا جب دین اسلام کے سوا کوئی اور دین دنیا میں باقی ہی نہ رہے اور یہ ہو گا اس وقت جب کہ حضرت حجت امام مہدی آخر الزمان ظہور فرمائیں گے۔

(٤) خوف کے بعد امن سے بدل دے گا۔ اہلبیت علیہم السلام کو ہر زمانہ میں دشمنوں سے خوف رہا اور امن وامان سے کسی وقت وہ اپنی حق خلافت کا زمانہ دیکھ نہ سکے لیکن ظہور امام آخر الزمان کے وقت ہر قسم کا خوف ان سے دور ہو جائے گا اور وہ اطمینان و سکون کے ساتھ سلطنت کریں گے ان کے تمام دشمن تہ تیغ کر دئے جائیں گے۔

(٥) اس وقت اور پورے اطمینان سے خدا کی عبادت کریں گے اور خدا کا شریک کسی کو نہ بنائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اسلام لانے کے بعد بھی خدا کا [illegible] [illegible] [illegible] متعلق نہیں ہو سکتا ہے۔

[illegible] اوقات خلوت

[illegible]

[illegible]

قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔

(اے ایمان والو تمہارے لونڈی غلام اور وہ لڑکے جو ابھی بالغ نہیں ہوئے ان کو چاہیے کہ دن رات میں تین مرتبہ تمہارے پاس آنے کی اجازت لے لیا کریں (تب آئیں) صبح سے پہلے اور جب تم (گرمی سے) دوپہر کو سونے کے لیے معمول کے کپڑے اتار دیا کرتے ہو تیسرے نماز عشا کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں ان اوقات کے علاوہ (بے اذن آنے میں) نہ تم پر کوئی الزام نہ ان پر کیونکہ مذکورہ اوقات کے علاوہ (باضرورت یا بے ضرورت) لوگ ایک دوسرے کے پاس آیا جایا ہی کرتے ہیں۔ خدا اپنے احکام سے یوں صاف صاف آگاہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو بڑا واقف کار حکیم ہے)

صبح دوپہر اور رات تین وقت ایسے ہیں کہ انسان ایسے کپڑے پہنے ہوتا ہے جس سے تمام بدن کی پوشش نہیں ہوتی بلکہ ادھورا لباس پہن لیتا ہے کیونکہ وہ وقت کسی سے ملنے جلنے کا نہیں ہوتا دوسرے اکثر ایسے اوقات میں لوگ مشغول مباشرت ہوتے ہیں تیسرے یہ وقت آرام کے ہوتے ہیں اس میں مداخلت انسان کے لئے باعث تکلیف ہو جاتی ہے لہٰذا قدرت نے ان اوقات میں لوگوں کو آنے سے بغیر اذن کے روک دیا ہے۔

(۲۰۲) جب گھروں میں داخل ہو تو سلام کرو

پ النور ع ۹۔ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۔ (جب تم گھروں میں داخل ہو تو خود اپنے اوپر (اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو) سلام کر لیا کرو جو خدا کی طرف سے ایک مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے)

اگر گھر میں لوگ موجود ہوں تو ان پر سلام کرو یہ اسلامی تہذیب ہے جو رفتہ رفتہ ختم ہو

جاری ہے اور اس کی جگہ ہلو ہلو آرہا ہے ۔ سلام علیکم یا السلام علیکم کہنا لوگوں کو پسند نہیں ۔

(۲۰۳) حضرت ابراہیم کا آزر کے لئے استغفار

پ۱۹ الشعراء ع ۵ ۔ واغفر لابی انہ کان من الضالین ۔

(اور میرے (منہ بولے) باپ آزر کو بخش دے کیونکہ وہ گمراہوں میں سے ہے)

لوگ حضرت ابراہیم پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مشرک کے لئے دعائے مغفرت کیوں کی یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ آزر نے آپ سے بت پرستی ترک کرنے کا وعدہ کیا تھا تب آپ نے یہ دعا مانگی تھی لیکن جب پتہ چلا کہ اس نے وعدہ خلافی کی ہے تو آپ نے اس سے بیزاری اختیار کی ۔

(۲۰۴) لسان صدق کون ہے

پ۱۹ الشعراء ع ۵ ۔ واجعل لی لسان صدق فی الآخرین ۔ (میرے لئے آخر زمانہ میں سچی زبان عطا فرما)

حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد خاص (نسل اسماعیل سے) کے لئے بہت سی دعائیں کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے ۔ فی الآخرین سے حضرت رسول خدا کا زمانہ ہی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ آپ ہی خاتم النبیین ہیں لہٰذا حضرت کے زمانہ میں حضرت علی سے زیادہ سچی زبان والا کون ہو سکتا ہے کیونکہ پیدائش کے دن سے آخر تک آپ نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں اور جو لوگ کافر سے مسلمان ہوئے وہ برسوں بتوں کی خدائی کی جھوٹی گواہی دیتے رہے ۔ علاوہ ازیں [illegible] نے روایت کی ہے کہ لسان صدق سے مراد حضرت علی ہیں سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ خدا نے تمام امت محمدی کو حکم دیا ہے کہ کونوا مع الصادقین سچوں کے ساتھ ہو جاؤ پس امت رسول کے دو گروہ ہوئے ایک ساتھ ہونے والوں کا دوسرے ملحقین کے ساتھ ہونے کا حکم ہے ۔ پوری امت کے ساتھ ہونے کا حکم تو ہو نہیں

سکتا لامحالہ ایک گروہ صادقین کا ماننا پڑے گا اور ان میں سب سے اول علی علیہ السلام ہیں انہوں نے ہی برسرِ منبر فرمایا تھا: اِنَا الصِّدِّیقُ الْاَکْبَرُ لَا یَقُوْلُہَا بَعْدِیْ اِلَّا کَاذِبٌ مُفْتَرٍ۔ (میں سب سے بڑا صدیق ہوں میرے بعد کوئی اپنے لیے یہ لفظ نہ کہے گا مگر جھوٹا مفتری)

(۲۰۵) نزول قرآن قلب رسول پر ہوا

پ۱۹ الشعراء ع ۱۰۔ اِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ۝ ۔

(یہ قرآن ساری خدائی کے پالنے والے خدا کا اتارا ہوا ہے جسے روح الامین (جبریل) صاف عربی زبان میں لے کر تمہارے دل پر نازل ہوئے تاکہ تم اور پیغمبروں کی طرح لوگوں کو عذاب سے ڈراؤ)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم تھوڑا تھوڑا رسول پر اترتا رہا یہ ایک نورانی کتاب تھی جس کو قلب رسول پر لکھا گیا اصلی کتاب اللہ یہی ہے پس رسول نے جو پڑھ کر سنایا وہ قرآن مقروء (یعنی پڑھا ہوا) کہلایا یہ اورجنل (ORIGINAL) کاپی سینوں سے سینوں میں چلی اور انہیں کو ملی جن کو خدا کی طرف سے علم ملا جیسا کہ فرماتا ہے:۔ بَلْ ھُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ۔ (یہ روشن آیات ان لوگوں کے سینوں ہی میں جس کو علم دیا گیا ہے

(۲۰۶) دعوت ذوالعشیرہ

پ۱۹ الشعراء ع ۱۱۔ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ (اے رسول تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ) صاحب معالم التنزیل نے اس آیت کی شان نزول میں یہ روایت ابن عباس سے ذکر کی ہے کہ مجھ سے حضرت علی نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت نے مجھ سے فرمایا

دا کا ایسا حکم ہے چونکہ میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں (خاندان رسول) کو یہ حکم سنانے سے
نج کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا لہٰذا میں ساکت رہا جب دوبارہ یہ حکم تاکید سے آیا ہے
اب تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں لہٰذا تم تھوڑی روٹیوں بکرے کی ایک ران اور تھوڑے
سے دودھ کا سامان کر رکھو۔ جب شام ہوئی تو آپ نے قریش میں عباس۔ حمزہ۔ ابولہب
طالب جیسے چالیس آدمیوں کو بلایا اور وہ کھانا ان کے سامنے رکھا گیا آپ نے اس
مانے پر پہلا اپنا ہاتھ لگایا اس کے بعد ان لوگوں سے کھانے کو کہا وہ سب کھا کر سیر ہو گئے
حالانکہ وہ کھانا بلحاظ ہر ایک آدمی سے زیادہ کی شکم سیری کے قابل نہ تھا۔ کھلانے کے
مد آپ نے چاہا کہ کچھ بات کریں کہ ابولہب مردود نے بات کاٹ کر کہا کہ لوگو تمہارے صاحب
آنحضرتؐ) نے بڑا سخت جادو کیا ہے یہ سنتے ہی سب کے سب چل دیئے دوسرے
روز آنحضرتؐ نے حضرت علی کو پھر ویسے ہی سامان کا حکم دیا۔ کھانے کے بعد فرمایا
ے خدا نے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی طرف بلاؤں پس تم میں سے کون ایسا ہے جو میرا وصی اور
یرا خلیفہ تمہارے درمیان ہو۔ یہ سن کر کسی نے جواب نہ دیا مگر حضرت علی کھڑے ہو گئے
ور عرض کی میں یا رسول اللہ۔ اس طرح آنحضرتؐ نے تین بار فرمایا اور بجز حضرت علی
کے کسی نے جواب نہ دیا تب آپ نے فرمایا، اے علی تو میرا وزیر، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے۔
(تفسیر در منثور۔ مسند احمد بن حنبل۔ ریاض النضرۃ وغیرہ)

اس روایت کے متعلق چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) رسول اللہ کی بعثت کا آغاز جس سے ہوتا ہے۔ تبلیغ اپنا عمل فرض نہیں سے
انجام دیتی ہے لوگ کہتے ہیں حضور نے اپنا جانشین کسی کو بنایا ہی نہیں انہیں آنکھیں کھول
کر یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے ابھی رسالت کا فروغ پذیر ہونا بہت دور ہے
لیکن خلافت کی داغ بیل ابھی سے ڈالی جا رہی ہے۔

بعض مفسرین و مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت علی نے یہ فرمایا تھا یا رسول اللہ میں

آپ کا خلیفہ بنوں گا اور جو آپ کا دشمن ہو گا اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔ اس کا سر پھوڑ دوں گا اس کا سینہ چاک کر دوں گا۔ حالانکہ یہ موقع بہت دور تھا مگر علی نے نصرت رسول کا جیسا وعدہ کیا تھا اسے آگے چل کر پورا کیا گویا بالہام ربانی آپ جانتے تھے کہ ایسا ہونے والا ہے اور حضرت کو ایک وزیر کی ضرورت ہو گی۔ بظاہر کوئی ایسا کاروبار نہ تھا جس کے لئے وزیر کی ضرورت ہو مگر حضرت بعلم نبوّت اور علی بعلم امامت جانتے تھے کہ ایسا ہونے والا ہے

(۲) حضرت نے قولاً و فعلاً دونوطرح حضرت علی کی خلافت کا اعلان کیا یہاں قولاً تھا اور غدیر خم میں جو رسالت کا آخری دور تھا فعلاً ظاہر کیا اس کے بعد بھی اگر کوئی نہ مانے تو وہ یا تو عقل کا اندھا ہے یا تعصّب سے بھرپور۔

(۳) دعوت ذوالعشیرہ ایک معجزانہ طور پر کی گئی تھی ورنہ ایک مُد (تین پاؤ) آٹے کی روٹی اور بکرے کی ایک ران اور ایک پیالہ دودھ چالیس آدمیوں کے لئے کیسے کافی ہو سکتا تھا۔ غور طلب بات کم ہے کہ آنحضرت نے اس دعوت کے اہتمام کے لئے کسی اور کو منتخب نہ کیا جن کے فضائل مسلمان بڑھ چڑھ کر بیان کیا کرتے ہیں۔ تقریباً پچاس آدمی بعثت سے پہلے خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے انہی میں حضرت ابوبکر بھی تھے جو سن میں حضرت علی سے بہت زیادہ بڑے تھے ان میں سے کوئی رسول کی نظر انتخاب میں نہ آیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ معجزانہ دعوت سوائے معصوم کے کسی اور کے ہاتھ سے انجام پا ہی نہیں سکتی۔ یہاں ایک ایسے کامل الایمان کی ضرورت تھی جو پیدائشی مسلمان ہو نہ ایسے لوگوں کی جو کفر و شرک کی حدود توڑ کر دائرہ اسلام میں آتے ہوں اور جن کے بدن اور لباس سے ابھی تک کفر کی بو آ رہی ہو۔

(۴) کیا راز تھا کہ سب سے پہلے آنحضرت نے اپنے خاندان والوں کو دعوت اسلام دی جواب یہ ہے کہ کسی تحریک کا آغاز اگر گھر والوں سے کیا جائے اور اس میں کامیابی ہو جائے تو دوسروں پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے کیونکہ گھر والے محرک کی نیّت کا حال اور اس کے کردار

بآسانی معلوم کر سکتے ہیں اس لئے کہ ان سے ملنا جلنا زیادہ رہتا ہے۔ خاندان والے اگرچہ اس وقت مشرف با اسلام نہ ہوئے لیکن اسلام کی صداقت آنحضرتؐ کے اخلاق و عادات اور کردار کی بلندی ان پر اثر ڈالے بغیر نہ رہی۔ سب سے پہلا اقرار رسالت کرنے والا وہی شخص تھا جس کی پرورش خانہ رسالت میں ہوئی تھی اور جو سایہ کی طرح ہر وقت آنحضرت کے ساتھ رہا تھا۔

(۲۰۷) آنحضرتؐ کو بازو جھکانے کا حکم

پ۱۹ شعراء ع ۱۱۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۔

(اور جو مومنین تم سے تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان میں سے بعض کے سامنے اپنا بازو جھکاؤ)

یہ آیت ۲۰۶ والی آیت کے نیچے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم خاص طور سے اس کے لئے ہے جس نے سب سے پہلے آنحضرت کے اتباع کا اعلان کیا۔ یہاں تواضع سے مراد لینا مجازی معنی ہوں گے ورنہ حقیقتاً بازو جھکانا ایک ایسے رسول کے لئے جو خاتم النبیین ہو عام لوگوں کے لئے درست نہ ہوگا۔ رسول جس کے لئے اپنا بازو جھکائے اس کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہے تمام مسلمانوں میں صرف ایک ہی شخص ایسا نظر آتا ہے جس کے لئے رسول نے اپنا بازو جھکایا تھا وہ علی علیہ السلام ہیں جنہوں نے شانہ رسول پر چڑھ کر کعبہ کے بتوں کو توڑا تھا۔

(۲۰۸) شعرا کی مذمت

پ۱۹ الشعراء ع ۱۱۔ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۔ (شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ جنگل جنگل سرگرداں مارے مارے پھرتے ہیں اور یہ لوگ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کبھی کرتے نہیں)

جن شاعروں کی یہ مذمت ہے وہ وہ شاعر ہیں جو مخرب اخلاق باتیں نظم کرتے ہیں جن سے بُرے خیالات لوگوں میں پھیلتے ہیں ورنہ خدا کی حمد اور رسول اور آئمہ کی لغت میں اشعار لکھنا یا ایسے اشعار نظم کرنا جو انسانی اخلاق وعادات کی اصلاح کرنے والے ہوں جس سے نیکیاں حاصل کرنے میں مدد ملتی ہو نہایت ممدوح ہیں۔ ہمارے تمام آئمہ نے اشعار کہے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام کا تو پورا دیوان ہے۔ ہمارے علماء نے بھی مثنویاں اور قصیدے لکھے ہیں اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں شعراء کا کلام مخرب اخلاق مضامین سے پُر ہوتا تھا جو سات قصیدے خانہ کعبہ پر لٹکائے گئے تھے وہ سب اسی قسم کے تھے۔ سب سے پہلا قصیدہ امرالقیس کا ہے جس کو حضرت رسول خدا نے ملک الضلیل (گمراہوں کا بادشاہ) خطاب دیا تھا لہٰذا ایسے شعراء کی اس آیت میں مذمت کی گئی ہے۔

---

(۲۰۹) حضرت موسیٰ کا نبوّت پانا

پ ۱۹ النمل ع ۱۱۔ اذ قال موسیٰ لاھلہ انی آنست نارا سآتیکم منھا بخبر او آتیکم بشھاب قبس لعلکم تصطلون ○ فلما جاءھا نودی ان بورک من فی النار ومن حولھا وسبحان اللہ رب العالمین ○ یموسی انہ انا اللہ العزیز الحکیم ○ والق عصاک فلما رأھا تھتز کانھا جان ولی مدبرا ولم یعقب یموسی لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون ۔

(موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا میں نے اپنی بائیں طرف آگ دیکھی ہے میں وہاں سے کچھ راستہ کی خبر لاؤں اور ایک سلگتا ہوا انگارہ لاؤں کہ تم تاپو۔ غرض موسیٰ جب اس آگ کے پاس آئے تو ان کو آواز آئی مبارک ہے جو آگ میں (تجلی دکھاتا) ہے اور جو اس کے گرد ہیں وہ خدا سارے جہاں کا پالنے والا ہے ہر عیب سے پاک ہے۔ اے موسیٰ اس میں

شک نہیں میں زبردست حکمت والا ہوں اور دہاں) اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دو تو جب موسیٰ نے اس کو دیکھا کہ اس طرح لہرا رہا ہے گویا وہ زندہ اژدھا ہے تو پچھلے پاؤں بھاگ چلے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (تو ہم نے کہا) اے موسیٰ ڈرو نہیں ہمارے تو پیغمبر ڈرا نہیں کرتے (مطمئن ہو جاتے ہیں)

حضرت موسیٰ کے لیے یہ بہت خوفناک وقت تھا کیونکہ پہلی بار ان کے کانوں میں یہ صدا آئی تھی کہ میں خدا بول رہا ہوں پھر لاٹھی کو اژدھے کی صورت میں دیکھا تو گھبرا گئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے دوسرا ہوتا تو کلیجہ پھٹ جاتا مگر انبیاء و مرسلین قوی القلب یعنی مضبوط دل کے ہوتے ہیں تاہم موسیٰ اس طرح ڈر کر بھاگے کہ پیچھا پھر کر بھی نہ دیکھا موسیٰ کا یہ عصا کبھی تو بقدرت خدا سانپ بن جاتا تھا اور دوڑنے لگتا تھا اور کبھی اژدھے کی شکل اختیار کر لیتا تھا تاکہ جیسا موقع ہو وہی صورت اختیار کرے کتنا فرق ہے موسیٰ اور حضرت علی میں۔ موسیٰ جوانی میں اژدھے کو دیکھ کر ڈر گئے اور علی نے گہوارہ میں کالے اژدر کو چیر دیا اور حیدر یعنی سانپ کا چیرنے والا لقب پایا۔

(۲۱۰) حضرت سلیمان کا لشکر

پ ۱۹ النمل ع ۲: وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ۔

(سلیمان کے سامنے ان کے لشکر کے جن انسان اور پرندے سب جمع کیے جاتے تھے)

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے:

آپ کا لشکر سو کوس میں رہتا تھا ۲۵ کوس میں آدمی ۲۵ کوس میں جنات ۲۵ کوس میں پرند اور ۲۵ کوس میں چوپائے۔ آیت میں چوپایوں کا ذکر نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہاں سے لکھ دیے۔ یہ لشکر آپ کے معائنہ کے لیے روزانہ پیش کیا جاتا تھا آپ ایک نظر میں سب کو دیکھ لیتے تھے کسی بادشاہ کو حضرت سلیمان سے بڑی سلطنت نہیں دی گئی۔

(۲۱۱) حضرت سلیمان اور وادی نمل

پ ۱۹ النمل ع ۲:۔ حَتّٰی اِذَا اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ
لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا
وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ
اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ۔

(جب ایک دن چیونٹیوں کے میدان میں آ نکلے تو ایک چیونٹی بولی اے چیونٹیو اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالے اور انہیں اس کی خبر نہ ہو سلیمان اس کی بات سن کر مسکرا کر ہنس پڑے اور عرض کی پروردگار مجھے توفیق عطا فرما کہ جیسی جیسی نعمتیں تو نے عطا کی ہیں ان کا شکریہ ادا کروں اور میں ایسے کام کروں کہ جنہیں تو پسند فرمائے اور تو اپنی خاص مہربانی سے مجھے اپنے نکوکار بندوں میں داخل کر لے)

جناب سلیمان پرندوں کی زبان سمجھتے تھے جیسا کہ فرماتا ہے:۔ وَعُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ۔ مگر یا تو یہ کہیئے کہ چیونٹی کے بھی پر نکل آئے ہیں اس لئے اس کا شمار بھی پرندوں میں ہو گا یا یہ کہیئے کہ ہر جاندار کی زبان سمجھتے تھے مگر چونکہ پرندے حاضر دربار رہتے تھے اس لئے خاص طور سے ان کا ذکر کیا گیا۔

ایک روز جناب سلیمان گھوڑے پر سوار چیونٹیوں کے میدان سے گزرے تو ایک چیونٹی کو یہ کہتے سنا کہ وہ اپنی قوم سے کہہ رہی ہے کہ اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند ڈالیں۔

غور کیجیے انبیاء کی قوت سماعت پر اول چیونٹی کا جثہ دیکھیے پھر اس کی آواز کیا۔ پھر کھلا میدان۔ لیکن سلیمان نے ان سب باتوں کے باوجود اس کی آواز سن کر گھوڑے سے اترے

اور اسی چیونٹی کو جا پکڑا کیا یہ کچھ کم تعجب خیز بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کی شکل وصورت میں کوئی امتیاز بظاہر نہیں رکھا جو انسان کی ملکیت میں نہیں آتے مثلاً ٹڈی، چیونٹی، چڑیاں وغیرہ اور جن کو انسان پالتا ہے ان میں امتیاز قائم کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کی ملکیت پر قابض نہ ہو۔ چیونٹیاں اس وادی میں سب ایک سی تھیں مگر یہ نبی کی آنکھ تھی اور فہم کہ اسی کو جا پکڑا جو بولی تھی اور اس طرح اس کمک پہنچے کہ کوئی چیونٹی روندی نہ گئی۔ یہ کمالات انبیاء کے سوا دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتے اس چیونٹی کو اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اور پوچھا تو نے کیسے جانا کہ ہم تیری قوم کو کچل ڈالیں گے اس نے کہا یا نبی اللہ اس تمام لشکر میں معصوم تو صرف آپ ہی ہیں اور غیر معصوم سے ہر گناہ ممکن ہے فرمایا یہ بتا تیری پوزیشن اس قوم میں کیا ہے۔ اس نے کہا یا نبی اللہ اس قوم میں جو کچھ بھی ہوں، لیکن اس وقت اپنی پوزیشن آپ سے بہتر پا رہی ہوں۔ پوچھا یہ کیسے۔ اس نے کہا آپ کا مرکب گھوڑا ہے جو ایک جانور ہے اور میرا مرکب اس وقت ایک نبی کا ہاتھ ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت سلیمان حیرت میں آ گئے۔

---

۲۱۲) حضرت سلیمان اور ہُدہُد

پ ۱۹ النمل ۲۰۔ وتفقد الطیر فقال مالی لا اری الہدہد ام کان من الغائبین
لاعذبنہ عذابا شدیدا اولا اذبحنہ اولیاتینی بسلطان مبین فمکث
غیر بعید فقال احطت بما لم تحط بہ وجئتک من سبا بنبا ۰

سلیمان نے اپنے پرندوں کے لشکر کی سلامی لی تو کہنے لگے یہ کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو اس کی جگہ پر نہیں دیکھتا یا واقعی وہ کہیں غائب ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں اس کو سخت سزا دوں گا یا نہیں تو اسے ذبح کر ڈالوں گا یا وہ اپنی بیگناہی پر کوئی روشن دلیل میرے سامنے پیش کرے۔ حضرت سلیمان نے تھوڑی دیر توقف کیا تھا کہ ہُدہُد آ گیا اس نے عرض کی مجھے وہ بات معلوم ہوئی ہے جو حضور کو

اب تک معلوم نہیں اور میں آپ کے پاس شہر سبا سے ایک تحقیقی خبر لے کر آیا ہوں)

حضرت سلیمان جب بساط پر سفر کرتے تھے تو پرندے ان کے سر پر سایہ کر لیتے تھے ایک خالی جگہ سے دھوپ آئی تو نظر اٹھا کر دیکھا ہُدہُد جو پانی کی تلاش میں گیا ہوا تھا غائب نظر آیا جناب سلیمان نے فرمایا میں اسے سخت سزا دوں گا بلکہ اسے ذبح کر ڈالوں گا اگر اس نے اپنے غائب ہونے کی کوئی معقول دلیل نہ پیش کی۔

سوال یہ ہے کہ بساط کے اوپر سے غائب ہونا کوئی ایسا جرم نہ تھا کہ حضرت سلیمان ذبح کرنے تک کا ارادہ ظاہر کرنے لگے۔ کوئی میدان جنگ تو نہ تھا جہاں سے وہ بھاگ گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اپنی جگہ نہیں چھوڑ سکتا۔ کیونکہ یہ کفر ہے۔ چنانچہ جب جنگ احد میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے تو آنحضرت نے حضرت علی سے کہا تم کیوں نہ بھاگے۔ فرمایا "اکفرت بعد الایمان (کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا) یعنی آپ کی بے اجازت میدان جنگ سے بھاگنا کھلا کفر ہے۔ چونکہ ہُدہُد بغیر حضرت سلیمان سے اجازت لیے چلا گیا تھا لہٰذا یہ سزا اس کے لیے تجویز ہوئی۔

تعجب ہے ہُدہُد کی گستاخی پر کہ اس نے ایک نبی کے علم پر اپنے علم کی زیادتی ثابت کی اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں وہ بات جانتا ہوں جس کا علم آپ کو نہیں۔ معلوم ہوا جناب سلیمان کے علم میں کچھ کمی تھی ورنہ وہ کہتے تو کیا جانے میں سب کچھ جانتا ہوں پوچھ لے جو کچھ پوچھنا ہے یہ کہنا تو حضرت علی کے لیے سزاوار تھا جنہوں نے بر سر منبر فرمایا: سلونی قبل ان تفقدونی

ہُدہُد سلیمان کتنا صاحب فہم و ادراک تھا کہ جو خبر لے کر آیا تھا وہ یقینی تھی جس میں شک کی گنجائش نہ تھی ایک ذرا سا جانور اور مفصل حال کا بیان خدا کی قدرت کا بہترین کرشمہ ہے۔

(۲۱۳) ہُدہُد کا بیان

پ ۱۹ النمل ع ۱۲۔ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا

عَرْشٌ عَظِيْمٌ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ
اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ
وَمَا تُعْلِنُوْنَ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔

میں نے ایک ایسی عورت کو وہاں پایا جو ان پر حکومت کرتی ہے اور اسے دنیا کی ہر چیز حاصل ہے اس کا بہت بڑا تخت ہے اور اس کی قوم اللہ کو چھوڑ کر سورج کی پرستش کرتی ہے۔ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں زینت دی ہے اور ان کو راہ راست سے روک دیا ہے پس وہ ہدایت پانے والے نہیں یہ لوگ اس اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمان و زمین کی پوشیدہ باتوں کو ظاہر کر دیتا ہے اور جن باتوں کو تم چھپاتے ہیں یا ظاہر کرتے ہو ان سب کو جانتا ہے کوئی معبود اللہ کے سوا نہیں جو عرش عظیم کا مالک ہے)

ہماری اصطلاحات میں ہد ہد کو بیوقوف جانور سمجھا جاتا ہے اور بیوقوف کے لئے اس کو مثال میں پیش کرتے ہیں لیکن قرآن مجید دیکھیں یہ چڑیا کیسی باتیں سنا رہا ہے اور کس قدر حکمت صداقت سے بھری ہوئی باتیں کر رہا ہے ذرا سی دیر میں کیا کیا باتیں معلوم کر کے آ گیا۔

(۱) عورت حکومت کرتی ہے (۲) بڑا ساز و سامان ان کے پاس ہے (۳) اس کا تخت بڑا عظیم الشان ہے (۴) وہ اور اس کی قوم آفتاب پرست ہیں (۵) شیطان کا ان پر غلبہ ہے (۶) ان کو اللہ کی عبادت کرنی چاہئے (۷) اللہ تعالیٰ چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے (۸) خدا کے سوا کوئی معبود نہیں

اس سے زیادہ کسی سیاح نے حالات کے متعلق اور کیا تحقیق کی جا سکتی ہے۔

(۲۱۴) تختِ بلقیس

پ ۱۹ النمل ع ۲ :۔ ولھا عرش عظیم۔ (اس کا بہت بڑا تخت ہے)

مولانا فرمان علی صاحب نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے :۔
یہ تخت طول و عرض و بلندی میں تیس تیس گز تھا اور چاندی اور سونے سے بنا ہوا تھا اس میں جا بجا قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے اس کے اوپر کے حصہ میں سات خانہ تھے جن میں بڑے بڑے موتیوں کی جھالر لٹکی تھی اس کے چاروں پائے یاقوت زرد۔ زمرد۔ پکھراج اور موتی کے تھے۔

(۲۱۵) سلیمان کا خط بلقیسؑ کے نام اور اس کا جواب

پ ۱۹ النمل ع ۲ :۔ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ۔

(سلیمان نے فرمایا ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ) تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے اچھا ہمارا یہ خط لیجا اور اس کو ان لوگوں کے سامنے ڈال دینا اور ان کے پاس سے ہٹ جانا پھر دیکھتے رہنا کہ آخر وہ لوگ کیا جواب دیتے ہیں)

ہدہد نے یہ خط پہنچا دیا بلقیس نے یہ خط پڑھ کر اپنے درباریوں سے کہا :۔
قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۔ (میرے درباریو ایک واجب الاحترام خط میری طرف ڈال دیا گیا ہے یہ سلیمان کی طرف سے ہے (اور اس کا سرنامہ ہے) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (مضمون یہ ہے) مجھ سے سرکشی نہ کرو اور میرے سامنے فرمانبردار بن کر

حاضر ہو جاؤ۔ ہُد ہُد کے ذریعہ خط ملنے پر حضرت سلیمان کا احترام بلقیس کے دل میں پیدا ہو گیا تھا اور وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ کوئی بڑی شخصیت ہے کہ پرندے اس کے تابع فرمان ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے سرنامہ کا آغاز اس کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر کام کا آغاز بسم اللہ سے کرتے تھے۔ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے:

کُلُّ اَمرٍ ذِی بَالٍ لَم یُبدَء بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ فَھُوَ اَقطَعُ وَ اَبتَرُ۔

(جس امر اہم کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نہ ہوگی تو وہ ٹھیک سر نہ ہوگی)

بلقیس نے درباریوں سے کہا اے میرے سردارو تم اس معاملے میں مجھے رائے دو کیونکہ میرا یہ قاعدہ ہے کہ جب تک تم سے مشورہ نہ کر لوں کسی معاملہ میں قطعی فیصلہ نہیں کیا کرتی۔ ان لوگوں نے کہا ہم بڑے زور آور اور بڑے لڑنے والے ہیں۔ آئندہ ہر امر میں آپ کو پورا پورا اختیار ہے بس جو آپ حکم دیں اس پر اچھی طرح غور کر لیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ بلقیس بڑی ہوشیار اور سمجھ والی عورت تھی اس نے کہا لڑائی مناسب نہیں کیونکہ بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ جب فتح کے لئے کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ میں ان کی طرف کچھ قیمتی تحفے بھیج کر دیکھتی ہوں کہ ایلچی کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ بلقیس کی یہ نہایت عقلمندانہ کارروائی تھی وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ سلیمان واقعی ہم کو فرمانبردار بنانا چاہتے ہیں یا ان پر طمع و لالچ غالب ہے۔ مال حاصل کرنے کے لئے یہ ہم کو دھمکیاں دے رہے ہیں اگر تحفے منظور کر لئے تو ان کو کچھ اور دے دلا کر اپنا پیچھا چھڑا لیں گے۔

جب قاصد حضرت سلیمان کے پاس پہنچے اور وہ تحفے پیش کئے تو آپ نے فرمایا کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو جو مال کہ مجھے اللہ نے دے رکھا ہے وہ تمہارے ان تحفوں سے کہیں بہتر ہے تم اپنے یہ تحائف واپس لے جاؤ اور ان سے کہہ دینا ہم

عنقریب ایک ایسے لشکر سے چڑھائی کریں گے جس کا تم مقابلہ نہ کرسکو گے اور وہ تم کو ضرور ذلیل و خوار کرکے وہاں سے باہر نکال کریں گے۔

---

(۲۱۶) حضرت سلیمان کا اہل دربار سے خطاب

پ ۱۹ النمل ع ۳ : ۔ قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ

قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ۔ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۔ الآیہ

(سلیمان نے کہا اے میرے درباریو تم میں کون ایسا ہے کہ اس کا تخت میرے پاس اٹھالائے قبل اس کے فرمانبردار بن کر یہاں آئیں۔ ایک دیو نے کہا (یہ کونسی بڑی بات ہے) میں آپ کا اجلاس برخاست ہونے سے پہلے آپ کے پاس لے آؤں گا اور میں اس پر قابو رکھتا ہوں اور ذمہ دار ہوں۔ (ابھی سلیمان کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ) وہ شخص (آصف برخیا) جس کے پاس کتاب خدا کا تھوڑا سا علم تھا کہنے لگے کہ میں پلک جھپکنے سے پہلے اسے آپ کے سامنے لاکر رکھے دیتا ہوں۔ حضرت سلیمان نے جب تخت کو اپنے سامنے موجود پایا تو فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری)

ان آیات میں چند باتیں قابل غور ہیں :

(۱) حضرت سلیمان نے اتنی جلدی کیوں کی جواب یہ ہے کہ وہ جانتے تھے کہ جب ایلچی واپس جائیں گے تو اس پر ان لوگوں کو غصہ آئے گا اور وہ مجھ پر چڑھ دوڑیں گے لہٰذا

دشمن کو اتنا موقع ہی نہ دیا جائے کہ وہ حملہ کرے۔

مگذار کہ زہ کند کماں را   دشمن کہ زتیر میتواں دوخت

(۲) دیو نے جو کچھ کہا اپنی قوت کا اندازہ کر کے کہا تھا۔ حضرت سلیمان ابھی کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ اس سے زیادہ طاقت رکھنے والے وزیر سلیمان آصف برخیا نے کہا میں پلک جھپکتے لائے دیتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ آصف برخیا نبی نہ تھے صرف ایک نبی کے وزیر تھے یہ طاقت ان میں کیسے پیدا ہوئی کہ چشم زدن میں بلقیس کو مع تخت اٹھا لانے۔ جواب یہ ہے کہ توریت کا کچھ علم ان کے پاس تھا کسی آسمانی کتاب کو پڑھنے والے اور اس کا سطحی علم رکھنے والے تو بیشمار لوگ ہوتے ہیں یہ طاقت ان میں پیدا نہیں ہوتی کیونکہ اول تو ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کاملہ نہیں ہوتی۔ دوسرے حقیقی مفہوم سے وہ ناواقف ہوتے ہیں حقیقی علم نبی یا اوصیائے انبیاء کے پاس ہوتا ہے اور ان کو اسم اعظم الٰہی بھی معلوم ہوتا ہے۔

من الکتاب میں من تبعیضیہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کتاب کا علم جس کے پاس بعض کتاب کا علم تھا اس کی تو یہ طاقت تھی اور جس کے پاس کل کتاب کا علم ہو تو اس کی طاقت کا کون اندازہ کر سکتا ہے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھیے: قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۔ (اے رسول کہہ دیجئے میرے اور تمہارے درمیان گواہی کو اللہ کافی ہے اور وہ جس کے پاس کل کتاب کا علم ہے)

سوائے متعصب مفسرین کے سب نے بالاتفاق لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے اب اس کے ساتھ ہی قرآن کی طاقت و قوت کا اندازہ کرو

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى

(اگر کوئی کتاب ایسی ہوتی کہ اس سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں

زمین کی دوری طے کی جا سکے اور مردے بول اٹھیں تو وہ یہی کتاب ہے)

پس جس کے پاس اس کتاب کا پورا پورا علم ہو اس کی طاقت کا اندازہ کون کر سکتا ہے

تمام کائنات کا علم اس کے سینہ میں ہوتا ہے۔ ہر شے اس کے حکم کی تابع ہوتی ہے وہ ہاتھ بڑھا کر جنت کے میوے لا سکتا ہے۔ چشم زدن میں مدینہ سے مدائن جا سکتا ہے ۔ ہوا کے دوش پر سوار ہو کر اصحاب کہف سے ملاقات کو جا سکتا ہے زمین میں زلزلہ آئے تو اس پر ہاتھ رکھ کر روک سکتا ہے زمین اس سے باتیں کرتی ہے۔

(۲۱۷) بلقیسؑ کی عقل کا امتحان

پ ۱۹ النمل ع ۲۔ قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهٰكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ۔

(سلیمان نے درباریوں سے کہا کہ اس کے تخت میں تبدیلی کر دو تاکہ ہم دیکھیں کہ پھر بھی وہ سمجھ سکتی ہے (کہ یہ اس کا تخت ہے) یا ان لوگوں میں سے ہے جو سمجھ نہیں رکھتے پس جب سلیمان کے پاس آئی تو اس سے پوچھا گیا کہ تمہارا تخت بھی ایسا ہی ہے اس نے کہا گویا یہ وہی ہے پھر کہنے لگی ہم کو تو پہلے ہی آپ کی نبوت کا علم ہو گیا تھا اور ہم تو آپ کے فرمانبردار تھے اور (پہلے) وہ خدا کے سوا جس کسی کو پوجتی تھی سلیمان نے اس سے روک دیا کیونکہ وہ کافر قوم سے تھی)

اس امتحان کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جنات نے اس خیال سے کہ اگر سلیمان بلقیس سے شادی کر لی تو وہ ہم پر حکومت کرے گی از راہ حسد یہ مشہور کر دیا کہ بلقیس میں دو عیب ہیں اول تو وہ عقل کی کوتاہ ہے دوسرے اس کی پنڈلیوں پر ریچھ کے سے بال ہیں ان دونو باتوں کا امتحان ضرور ہوا عقل کا امتحان تو تخت میں تھوڑی سی تبدیلی کرا کے لیا اور دوسرا ایک محل میں شیشہ کا فرش بنوایا گیا اور اس کے نیچے پانی رکھا گیا جس میں مچھلیاں تھیں

تھیں۔ بلقیس سے کہا گیا اس محل میں جائیے جب اس نے بہتا پانی سب کے نیچے دیکھا تو اپنے دونوں پائنچے اوپر کو اٹھائے جس سے اس کی دونوں پنڈلیاں کھل گئیں۔ حضرت سلیمان نے کہا ڈرو نہیں یہ پانی نہیں ہے بلکہ محل ہے جو شیشوں سے منڈھا ہوا ہے اس نے بارگاہ باری میں عرض کی خداوندا میں نے آفتاب کو پوج کر یقیناً اپنے اوپر ظلم کیا اب میں سلیمان کے ساتھ رب العالمین پر ایمان لائی۔

یہ اس کی پنڈلیاں دیکھنے کا ایک نہایت شائستہ طریقہ تھا اس کے بعد حضرت سلیمان نے اس سے عقد کیا اور اسی کا ملک اس کو بخش دیا مہینہ میں ایک بار اس کے پاس جایا کرتے تھے اس سے تین اولادیں بھی ہیں یعنی لڑکیاں۔

(۲۱۸) مادر موسیٰ کو وحی

پ القصص ع ۱ واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ
فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین

(ہم نے مادر موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ تم اس کو اپنے دودھ سے پالو اگر اس کی نسبت تم کو کوئی خوف ہو تو اسے ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو اور اس پر کچھ نا اندیشہ نہ کرنا اور نہ غمگین رہنا ہم اس کو پھر تمہارے پاس پہنچا دیں گے اور اس کو اپنا رسول بنا دیں گے)

جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو اندیشہ ہوا کہ اگر کسی نے فرعون کو خبر دے دی تو مجھے اور اس بچہ کو ہلاک کرا دے گا ۔۔ اس ڈر سے کہ اگر شاید خدا کی مرضی کو دریا میں ڈال دیں تو ڈوب جانے کا لیکن وحی الٰہی سے ان کے دل کو تسلی ہوئی اور انہوں نے ایک بڑھئی سے جو ان کا پڑوسی تھا ایک صندوق بنوایا اور دریائے نیل

تھا۔ ایک صندوق بنوالیا جو پانچ بالشت لمبا اور چھ بالشت چوڑا تھا۔

حزقیل کے اصرار پر اس صندوق کو بنوانے کی غرض بھی بیان کر دی اس نے صندوق کو بنوا دیا لیکن اس کے بعد فرعون کو خبر دینے کے لئے چلا۔ خدا کی شان دیکھو جب فرعون کے سامنے آیا تو اس کی زبان بند کر دی گئی اور ایک لفظ نہ بول سکا۔ ناکام اپنی دکان پر واپس آیا۔ یہاں زبان کھل گئی دوبارہ پھر بھاگا ہوا گیا کہ خبر کر دے۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار اس نے عہد کیا کہ اب ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ چنانچہ پھر زبان کھل گئی تب وہ حضرت موسیٰ پر ایمان لے آیا اور حضرت موسیٰ کی ماں سے یہ قصہ بیان کیا۔ اسی لئے اس کا نام قرآن میں مومن آل فرعون ہے۔

---

(۲۱۹) موسیٰ کا محلِّ فرعون میں پہنچنا

پ القصص ع ۱: ۔ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ الخ۔ (ہم نے موسیٰ پر پہلے ہی دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا)

جب موسیٰ کا صندوق فرعون والے دریا سے نکال کر محل میں لے گئے اور اس کو دیا کھولا گیا تو موسیٰ کو دیکھ کر آسیہ زنِ فرعون بہت خوش ہوئیں اور کہا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں۔ فرعون بھی راضی ہو گیا اور موسیٰ کو دودھ پلوانے کے لئے دائیوں کو بلوایا گیا حضرت موسیٰ کی بہن بھی دائیوں کے ساتھ محلِ فرعون میں داخل ہو گئیں۔ جب موسیٰ نے کسی دائی کی چھاتی کو منہ نہ لگایا تو فرعون اور آسیہ بہت پریشان ہوئے۔ موسیٰ کی بہن نے کہا اگر آپ کہیں تو میں ایک ایسے شریف گھرانے کی عورت کو جا کر لے آؤں جس کا دودھ یہ لڑکا پی لے اور بڑی شفقت سے وہ اس کو پالے گی آسیہ نے کہا ابھی جا کر لے آؤ وہ دوڑی ہوئی ماں کے پاس آئیں اور انکو ساتھ لے گئیں۔ موسیٰ نے آغوشِ مادر میں آتے ہی غٹ غٹ

Marfat.com

ان کا دودھ پینا شروع کر دیا اس کے بعد وہ روز محل فرعون میں جا کر دودھ پلا آتیں
اس قصہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ خدا نے چاہا کہ اس کا نبی و رسول کسی کافرہ کے
دودھ سے پرورش پائے یا کسی کافرہ کی تربیت میں رہے چنانچہ تربیت کے لئے آسیہ
جو مومنہ تھیں اور فرعون کی زوجیت میں آئی ہوئی تھیں وہاں موجود تھیں۔ کس قدر احمق ہیں
وہ لوگ جو کہتے ہیں حلیمہ اور ثوبیہ (کنیز ابولہب) کافرہ تھیں ان دونوں کا دودھ حضرت نے پیا
تھا اور ابوطالب کافر تھے جن کی تربیت میں آنحضرت رہے کیسی عجیب بات ہے موسیٰ
کے لئے تو یہ بندوبست مانتے ہیں لیکن افضل الانبیاء و مرسلین کے لئے نہیں مانتے
حقیقت یہ ہے کہ نہ حلیمہ مشرکہ تھیں نہ ثوبیہ دونوں ملت ابراہیمی پر تھیں ورنہ کیسے ممکن
تھا کہ آنحضرت کافرہ کی چھاتی کو منہ لگاتے اور اس کا دودھ پیتے یہ سوچنے کی بات ہے

۲۲۰۔ موسیٰ کا ایک قبطی کو قتل کرنا

پ۲۰ القصص ع ۲۔ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ
يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِن شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِن شِيعَتِهِ
عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ
عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

اتفاقاً ایک دن موسیٰ شہر میں ایسے وقت آئے کہ لوگ نیند کی غفلت میں
پڑے ہوئے تھے انہوں نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں
ایک تو ان کی قوم بنی اسرائیل کا ہے [illegible] دوسرا ان کے دشمن قوم [illegible] کا ہے
جو شخص ان کی قوم [illegible]
[illegible]

کہ اس کا کام تمام ہو گیا پھر دخیال کر کے کہنے لگے یہ شیطان کا کام تھا اس میں شک نہیں کہ وہ کھلم کھلا دشمن اور گمراہ کرنے والا ہے ۔ پھر بارگاہ باری میں عرض کی پروردگار بیشک میں نے اپنے اوپر ظلم کیا (کہ اس شہر میں آیا) تو مجھے دشمنوں سے پوشیدہ رکھ تو خدا نے انہیں پوشیدہ رکھا ۔ بیشک وہ بڑا پوشیدہ رکھنے والا مہربان ہے ۔

ان آیات میں چند باتیں قابل غور ہیں ۔

(۱) حضرت موسیٰ محل فرعون میں رہ کر جوان ہوئے فرعون نہیں چاہتا تھا کہ وہ عام لوگوں کی طرح ان سے شہر میں گھوما کریں وہ ان کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا ایک روز جب کہ سوتے تھے موسیٰ محل فرعون سے نکل کر جو شہر سے دور تھا شہر میں آ گئے ۔

(۲) ان کے تابع کا نام قرآن میں شیعہ آیا ہے ۔ یہ لفظ حضرت ابراہیم کے لئے بھی آیا ہے ان من شیعتہ لابراھیم (بیشک ابراہیم نوح کے شیعوں میں سے ہیں) پس معلوم ہوا کہ اس لفظ پر قدرت کی رحمت کا ہاتھ ہے برخلاف اس کے مسلمانوں میں کوئی فرقہ ایسا نہیں جس کو اس برکت کی سعادت حاصل ہوئی ہو ۔ یعنی زبان قدرت پر کسی فرقہ کا نام آیا ہی نہیں

(۳) کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے سر پر ایک بیگناہ کے قتل کا الزام ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو موسیٰ نے بخشش کی دعا کیوں کرتے اور گناہ نہ ہوتا تو خدا نے بخشا کیا ۔ جواب یہ ہے کہ مغفرت کے ظاہری معنی بخشنے کے ہیں مگر لغت عرب میں پوشیدہ رکھنے کے معنی بھی ہیں ۔ یہ ظاہر ہے کہ موسیٰ کا ایک گھونسہ مارنا اور وہ بھی ایک مومن کی حمایت میں اور مارنا بھی ایک کافر کو ہرگز گناہ نہیں ہو سکتا تاکہ اس کے بخشنے کی ضرورت ہو کیونکہ ایک گھونسہ سے آدمی مرا نہیں کرتا اور نہ اس قصد سے مارا تھا کہ وہ ہلاک ہو جاتے لہٰذا وہ قتل عمد نہ ہوا بلکہ ایک جھگڑے سے بچانے اور ایک مظلوم کی مدد کرنے کے لئے تھا تاکہ قبطی مغلوب ہو کر اس اسرائیلی کا پیچھا چھوڑ دے رہا اس کا مرجانا وہ ایک اتفاقی امر تھا ۔

(۴) کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر گناہ نہ تھا تو حضرت موسیٰ نے ظلم کی نسبت اپنی طرف کیوں

جواب یہ ہے کہ اپنے نفس کی طرف ظلم کی نسبت دینا اس خیال سے تھا کہ جب ان کو خبر ہوگی تو میرے دشمن ہو جائیں گے اور قتل کا بدلہ لینے پر آمادہ ہوں گے۔ پس یہاں اپنے نفس پر ظلم کرنے کے یہ معنی ہیں کہ میں نے اپنے اوپر ایک مصیبت کا دروازہ کھول دیا۔

(۲۲۱) مومن آلِ فرعون

پ۲۰ القصص ع۳ — وجاء رجلٌ من اقصى المدينة يسعى قال يا موسى ان الملأ يأتمرون بك ليقتلوك فاخرج انی لك من الناصحين

ایک شخص شہر کے اس کنارہ سے دوڑتا ہوا آیا اور موسیٰ سے کہنے لگا موسیٰ [illegible] ہے کہ شہر کے بڑے بڑے لوگ تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ تم کو قتل کر ڈالیں پس تم اس شہر سے نکل جاؤ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

فرعون نے موسیٰ کے قتل کی خبر سنتے ہی حکم دیا کہ حضرت موسیٰ کی تلاش کی جائے [illegible] یہ خبر مومن آلِ فرعون کو لگ گئی تھی [illegible] دوڑا ہوا آیا [illegible] اطلاع دے دی۔

مولانا [illegible] نے [illegible] صدیق تین ہیں ایک مومن آلِ فرعون [illegible] دوسرے حبیب النجار جس نے حضرت عیسیٰ کے بھیجے ہوئے [illegible] تیسرے علی بن ابی طالب جنہوں نے [illegible] حضرت رسول خدا [illegible]

(۲۲۲) موسیٰ کا مدائن پہنچنا

پ۲۰ القصص ع۳ — ولما توجه تلقاء مدين قال عسى ربی ان يهدينی سواء السبيل ولما ورد ماء مدين وجد عليه امة من الناس يسقون [illegible]

موسیٰ وہاں سے امید و بیم کی حالت میں [illegible]

کی پروردگارا مجھے ظالموں سے نجات دے جب مدین کی طرف رخ کیا (تو راستہ
معلوم نہ تھا) تو آپ ہی آپ بولے مجھے امید ہے میرا پروردگار مجھے سیدھا
راستہ دکھا دے گا) اگلی آیات کا ترجمہ یہ ہے۔

جب شہر مدین کے کنوئیں پر جو شہر سے باہر تھا پہنچے تو کنوئیں پر لوگوں کی بھیڑ دیکھی کہ وہ اپنے
چوپاؤں کو پانی پلا رہے ہیں اور سب کے پیچھے دو عورتیں (حضرت شعیب کی بیٹیوں) کو دیکھا کہ وہ
اپنی بکریوں کو روکے کھڑی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا تمہارا کیا مقصد ہے وہ بولیں جب تک
سب چرواہے اپنے اپنے جانوروں کو خوب پانی پلا کر چلے نہ جائیں گے ہم اپنے جانوروں
کو نہیں پلا سکتے ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں (ان کے سوا گھر میں کوئی مرد نہیں) جب موسیٰ
نے ان کی بکریوں کو پانی کنوئیں سے کھینچ کر پلا دیا تو وہاں سے ہٹ کر ایک درخت کی چھاؤں
میں جا بیٹھے (چونکہ بہت بھوک لگ رہی تھی) لہٰذا بارگاہ باری میں عرض کی پالنے والے اس
وقت کوئی نعمت میرے لئے بھیج دے کہ میں اس کا سخت حاجت مند ہوں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ میں اہل حاجت کی ضرورت کو پورا کرنے
کا جذبہ کتنا قوی تھا اول تو سفر کی صعوبتیں جھیل کر آئے تھے دوسرے بھوکے بھی تھے مگر باوجود
سخت احتیاج و مجبوری کے خدا کے سوا کسی سے درخواست نہ کی۔ یہ پیغمبروں کی خصوصیات
سے ہے۔ اس سفر میں حضرت موسیٰ کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ درخت کی پتیاں کھاتے کھاتے
بدن کا تمام گوشت گل گیا تھا اور صرف پوست اور استخوان رہ گئے تھے۔ کھال ایسی پتلی
پڑ گئی تھی کہ اس میں پتیوں کی سبزی دکھائی دیتی تھی باوجود اس کے کہ کسی کے آگے دست سوال
دراز نہ کیا۔ نبی یا رسول کے سوا کوئی دوسرا ایسا نہیں کر سکتا

جناب شعیب کی بیٹیوں نے گھر جا کر اپنے باپ سے حضرت موسیٰ کی ہمدردی کا حال
بیان کیا اور کہا ان کو بلا کر اپنی بکریاں چرانے کے لیے اجرت پر رکھ لیجئے آدمی ایماندار

صاحب ہمت ہے۔ فرمایا اچھا تم میں سے ایک جاکر بلا لائے۔ چنانچہ ایک لڑکی شرم
سے گردن جھکائے حضرت موسیٰ کے پاس آئی اور کہا آپ کو ہمارے باباجان بلاتے ہیں
موسیٰ تو یہ چاہتے ہی تھے کہ اس عالم غربت میں کوئی ہمدرد ملے۔ فوراً چلنے پر تیار ہو
گئے۔ وہ لڑکی آگے چلنے لگی فرمایا نہیں تم میرے پیچھے چلو۔ اس میں مصلحت یہی ہو گی
کہ آگے چلنے میں حضرت موسیٰ کی نظر اس کے اعضا پر پڑتی۔ ایک اجنبی نامحرم کے لیے
یہ جائز نہ تھا۔ یہ ہے انبیا کی احتیاط جب وہاں پہنچے تو حضرت شعیب سے اپنی پریشانی
کا حال بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا تم خوف نہ کرو یہاں تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔
بہرحال حضرت شعیب کی بکریاں چرانے پر وہ مامور ہو گئے۔ ایک دن حضرت شعیب
نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ایک بیٹی کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں بشرطیکہ
تم آٹھ برس میری بکریاں چراؤ اور اگر دس برس پورے کر دو تو کیا کہنا۔ موسیٰ راضی ہو گئے
اور شعیب نے اپنی ایک بیٹی ان کی زوجیت میں دے دی۔

اس قصے میں دو باتیں قابل غور ہیں:

(۱) بیٹی کا باپ اگر اپنی طرف سے رشتہ کی بات کرے تو خلاف تہذیب و مراسم
نہیں۔ ہمارے یہاں ایسا کرنا بہت معیوب سمجھا جاتا ہے اور لڑکی والے اپنی توہین سمجھتے ہیں
اس صورت کا مہر نقد روپیہ پیسہ ہی نہیں ہوتا بلکہ خدمت کا تعین ہو جانے سے بھی ہو
سکتا ہے۔ (۲) دوسرے مہر ادا کرنا ایسا ضروری ہے کہ جناب موسیٰ اپنے آٹھ سال پورے
کئے بغیر وہاں سے نہیں نکلے۔ ہمارے یہاں بدقسمتی سے مہر کو ایک رسمی بات سمجھ کر اڑا
دیا جاتا ہے اور بیٹی کا حق مہر ہضم ہو جاتا ہے۔

جب حضرت موسیٰ کے پاس بکریاں کافی ہو گئیں تو انہوں نے حضرت شعیب سے کہا مجھے
ایک لاٹھی دیجئے کہ اس سے بکریوں کو ہنکانے، درختوں کے پتے جھاڑنے اور موذی
جانوروں کو دفع کرنے میں مدد ملے۔ حضرت شعیب نے اپنی بیٹیوں سے کہا جاؤ فلاں عصا

اٹھالاؤ وہ ایک عصا اٹھالائیں - فرمایا یہ نہیں دوسرا وہ پلٹ گئیں اور پھر وہی لے آئیں یہ نہیں دوسرا لاؤ - جب کئی مرتبہ ایسا ہی ہوا تو بولیں میں کیا کروں - جب دوسرا اٹھانا چاہتی ہوں تو ہر بار یہی ہاتھ میں آجاتا ہے اور دوسرا ہٹ جاتا ہے فرمایا اچھا دے دو اس کے مستحق موسیٰ ہی ہیں یہی عصا تھا جو سانپ بن جاتا تھا مورخین لکھتے ہیں یہ عصا بادام تلخ کا تھا بعض نے لکھا ہے زیتون کا تھا -

ایک خسر نے اپنے داماد کو عصا دیا جس نے جادوگروں کے سانپوں کو ہڑپ کیا اور ایک خسر نے اپنے داماد کو ذوالفقار عطا فرمائی جس نے بیشمار کفار ومشرکین کی گردنیں کاٹیں -

(۲۲۳) حضرت ابوطالب مومن تھے

پ ۲۰ القصص ع ۹ ، اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ -

(اے رسول تم جسے چاہو منزل تک نہیں پہنچا سکتے اور اللہ جسے چاہے منزل مقصود تک پہنچا دے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں سے خوب واقف ہے)

مفسرین اہل سنت نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے - حضرت رسول خدا چاہتے تھے کہ ابوطالب ایمان لے آئیں مگر وہ نہ لائے یہ تفسیر بالکل غلط اور تعصب کے ماتھے پر پسینہ ہے کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول خدا کی مرضی کے خلاف کسی امر کو چاہیں جب کہ یہ آیت موجود ہے - وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (تم نہیں چاہتے مگر وہی جسے اللہ چاہتا ہے) دوسرے کیا وجہ کہ خدا کسی کی ہدایت کو نہ چاہے وہ تو یہی چاہتا ہے کہ ہر شخص ہدایت یافتہ بن جائے - رسولوں کو بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے تیسرے ابوطالب نے حضرت رسول خدا کے کسی عمل کی مخالفت بھی نہیں کی جس سے معلوم ہوتا کہ یہ ایمان لانے والے نہیں کتب اہل سنت سے حضرت ابوطالب کا ایمان لانا ثابت ہے

جامع الاصول میں ہے کہ وہ مسلمان تھے اور مسلمان مرے۔ محدث دہلوی شاہ عبدالعزیز بھی اسی کے قائل ہیں آپ کا نقش نگین یہ تھا: رضیت باللہ ربا وبالنبی محمد نبیا [illegible]

(آپ کے اشعار بھی ان کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ باایمان تھے) لغت عرب میں ہدایت دو معنی میں آیا ہے (۱) ارائۃ الطریق یعنی کسی کو راستہ دکھانا (۲) ایصال الی المطلوب یعنی کسی کو مقصد و مطلوب تک پہنچا دینا۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ اے رسول تم اگر کسی کو محبوب رکھتے ہو تو اسے راستہ دکھا سکتے ہو۔ ایصال الی المطلوب نہیں کر سکتے یہ کام ہمارا ہے۔ رسول کا کام ابوطالب کو راستہ دکھانا تھا سو دکھا دیا اور وہ ایمان لے آئے۔

---

(۲۲۴) اُمّ کے معنی

پ القصص ع ۶ وما کان ربک مہلک القری حتی یبعث فی امہا رسولا یتلوا علیہم آیاتنا وما کنا مہلکی القری الا واہلہا ظالمون

اور تمہارا رب جب تک ان گاؤں کے صدر مقام پر اپنا پیغمبر نہ بھیج لے اور ان کے سامنے ہماری آیات کو پڑھ نہ لے اس وقت تک بستیوں کو تباہ نہیں کیا کرتا اور ہم بستیوں کو تباہ و برباد کرتے ہی نہیں جب تک وہاں کے باشندے ظالم نہ ہوں۔

ام کے معنی لغت عرب میں تین چیزوں کے ہیں۔

(۱) ہر ایک چیز کی جڑ یا اصل یا مقصد جیسے [illegible] ام [illegible]

[illegible] کو ام [illegible] کہتے ہیں

(۲) سب بستیوں سے بڑی بستی کو ام القری کہتے ہیں جیسے مکہ [illegible]

ہوئی بستیاں [illegible]

والے کے ہوئے لہٰذا لقب رسول جو اُمّی ہے تو اس کے معنی معاذاللہ یہ نہیں کہ وہ جاہل تھے بلکہ یہ ہیں کہ وہ مکہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت ابراہیم کی دعا تھی :۔ وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (اور انہی میں سے ایک رسول کو ان میں بھیج) خدا نے یہ دعا قبول کی اور فرمایا :۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (اللہ وہ ہے جس نے مکہ والوں میں ایک رسول کو انہی میں سے بھیجا) سنت الٰہیہ یہ رہی ہے کہ ہر قوم کا ہادی اس قوم کے ایک فرد کو بنا کر بھیجا گیا ہے

---

(۲۲۵) انتخاب انبیاء وخلفا خدا کرتا ہے

پ۲۰ القصص ع ۷ :۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۔

(تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ہادیان برحق کا انتخاب خدا کے ہاتھ میں ہے بندوں کو اس میں کوئی دخل نہیں آدم سے لے کر خاتم الانبیاء تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نبی کا جانشین امت نے باختیار خود بنا لیا ہو۔ یہ نئی بات تو امت محمدیہ نے کی کہ خدائے کریم کے اختیار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا نتیجہ یہ ہوا کہ گمراہی پھیل گئی

---

(۲۲۶) قارون کا قصہ

پ۲۰ القصص ع ۸ :۔ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَا اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ

مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ۔

موسیٰ کی قوم سے ایک شخص قارون تھا اس نے ان پر سرکشی شروع کی اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے عطا کئے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک سکت دار جماعت کو اٹھانا دوبھر ہو جاتا تھا اس کی قوم نے اس سے کہا اپنی دولت پر اترا مت کیونکہ خدا اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو کچھ خدا نے تجھے دے رکھا ہے اس میں آخرت کے گھر کی جستجو بھی کر اور دنیا میں جس قدر تیرا حصہ ہے اسے فراموش مت کر اور جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی ان کے ساتھ احسان کر اور روئے زمین پر فساد کا خواہاں نہ ہو اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا کہنے لگا یہ مال و دولت تو مجھے اپنے علم و ہنر کی وجہ سے حاصل ہوا ہے ۔

علم کیمیا قارون کو کس سے حاصل ہوا [illegible] روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علم کیمیا جانتے تھے انہوں نے بعض حصہ یوشع کو بعض کالب بن یوحنا کو اور بعض قارون کو سکھا دیئے تھے قارون پہلے حضرت موسیٰ پر ایمان رکھتا تھا اس نے یوشع اور کالب سے بھی کسی طرح جو ان کو تعلیم کیا گیا تھا حاصل کر لیا جب یہ علم اس کے پاس آ گیا تب اس نے [illegible] سونا بنانا شروع کر دیا رات دن اس کا یہی شغل تھا [illegible] [illegible] طمع دنیا اس پر غالب آ گئی وہ کافر ہو گیا ۔

[illegible] باوجود کثرت دولت کے مالک ہونے کے وہ [illegible] [illegible] نہیں دیتا تھا جب لوگ اسے سمجھاتے کہ آخرت [illegible] [illegible] نے مجھے نہیں دی بلکہ میں نے اپنے [illegible] سے حاصل کی [illegible]

[illegible]

(۳) ایک روز وہ شہر میں اس شان سے نکلا کہ ایک قیمتی گھوڑے پر سوار تھا جس کی زین طلائی تھی اور بکثرت لونڈی غلام اس کے ساتھ تھے۔ جب لوگوں نے اس کی یہ آن بان دیکھی تو ان کی دولت پر رشک کرنے لگے اور آپس میں کہنے لگے موسیٰ کے ساتھ رہنے میں ہمیں کیا ملتا ہے کیوں نہ قارون کے پیرو بن جائیں۔ کاش ہمارے پاس بھی قارون کی سی دولت ہوتی تو مزے اڑاتے بیشک قارون بڑا خوش نصیب آدمی ہے موسیٰ سے ہمیں کچھ بھی نہ ملا نہ خود عیش کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔

(۴) قارون اپنی دولت کے گھمنڈ میں حضرت موسیٰ سے گستاخانہ کلام کیا کرتا تھا ایک دن حضرت موسیٰ نے اس سے کہا تو اتنی بڑی دولت کا مالک ہے زکوٰۃ کیوں نہیں دیتا اس نے کہا تمہارے حساب سے تو زکوٰۃ کی بڑی رقم ہوتی ہے میں اتنی رقم نہیں دے سکتا۔ انہوں نے کہا اچھا کچھ کم کر دے اس نے کہا آپ تو مجھے فقیر بنانا چاہتے ہیں۔ میں آپ کے کہنے پر عمل نہیں کر سکتا حضرت موسیٰ نے کہا دیکھ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا تو عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جائے گا اس نے ہنس کر کہا مجھے اس کی پرواہ نہیں جو کچھ آپ کے خدا کو کرنا ہے وہ کرلے

(۵) اس روز سے وہ حضرت موسیٰ کے درپے آزار ہوا اور چاہا کہ کسی تدبیر سے انہیں بدنام کرے تاکہ قوم پر سے ان کا اثر جاتا رہے اس نے ایک ناحنۃ عورت کو اشرفیوں کی دو تھیلیاں دے کر اس پر آمادہ کیا کہ مجمع عام میں وہ حضرت موسےٰ پر زنا کی تہمت لگائے دوسرے دن جب کہ حضرت موسیٰ وعظ کر رہے تھے اور زنا کی مذمت پر آئے تو وہ اٹھ کر کہنے لگا یہ آپ کو بھی لوگ ایسا ہی جانتے ہیں اور اس عورت کو گواہی میں پیش کیا مگر خدا کی شان دیکھو وہ عورت جھوٹ کہتے ڈری اور جو اصلی واقعہ تھا سب کے سامنے بیان کر دیا اور قارون کی دی ہوئی دونوں تھیلیاں بھرے مجمع کے سامنے رکھ دیں۔ قارون بہت ذلیل ہوا اور لوگوں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ بہت کچھ لعن طعن کی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر نوک دُم بھاگا۔

جب وہ کسی طرح نہ مانا تو ایک دن حضرت موسیٰ اس کے پاس آخری حجت تمام کرنے گئے تو آپ کی نصیحت سن کر نہایت گستاخانہ لہجہ میں کہنے لگا میں آپ کی کوئی بات سننی نہیں چاہتا اس پر حضرت موسیٰ کو غصہ آیا۔ آپ نے زمین پر ہاتھ مار کر کہا اس چھوٹے کو نگل جا۔ بس پھر کیا تھا وہ مع اپنے تمام خزانوں کے گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ اب پتہ چلا کہ خدا کا عذاب ایسا ہوتا ہے تو بہ تلا کرنے لگا۔ امان کا طالب ہوا۔ حضرت موسیٰ نے خدا سے دعا کی وہ باہر نکل آیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا بول اب کیا ارادہ ہے اس نے کہا میں تو کچھ نہ دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے پھر بددعا کی وہ پھر دوبارہ دھنسنے لگا اور ایسا دھنسا کہ نکلا ہی نہیں

قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت

نوشیرواں نمرد کہ نام نکو گذاشت

[illegible]

[illegible]

(۲۲۷) اطاعتِ والدین

پ۲۰ العنکبوت ع ۱۔ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا وَاِنْ جَاھَدَاکَ لِتُشْرِکَ
بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا۔

ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر تجھے تیرے ماں باپ اس بات پر مجبور کریں کہ کسی چیز کو میرا شریک بنا جس کے شریک ہونے کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔

مروی ہے کہ سعد بن وقاص کا بیان ہے کہ میں اپنی ماں کی بہت خدمت کرتا تھا۔ جب میں مسلمان ہوا تو میری ماں نے کہا یہ کونسا دین ہے جو تو نے اختیار کیا ہے اسے چھوڑ دے ورنہ میں کھانا پینا ترک کر دوں گی یہاں تک کہ مر جاؤنگی لوگ تجھے ملامت کریں گے کہ ماں کا قاتل ہے۔ میں نے کہا یہ ممکن نہیں کہ میں اس دین کو ترک کر دوں۔ آخر اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا جب دو وقت گزر گئے تو میں نے کہا اے ماں اگر تیری سو جانیں ہوں اور ایک ایک تجھ سے جدا ہو اور میں دیکھتا رہوں تو بھی اپنا دین ترک نہیں کر سکتا تو کھائے ورنہ تجھے اختیار ہے تب اس نے کھایا پیا اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

ماں باپ کے اولاد پر بڑے حقوق ہیں۔ حکم خدا تو یہ ہے کہ ان کے مقابل اف نہ کہو سخت آواز میں ان سے نہ بولو ان کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو۔ نہایت تواضع اور انکسار کے ساتھ ان سے پیش آؤ۔ جب بوڑھے ہو جائیں تو اچھی طرح ان کی خدمت کرو مگر افسوس ہے کہ اولاد اس طرف توجہ نہیں کرتی اور بوڑھے ماں باپ کی جلد از جلد موت کی خواہشمند ہو جاتی ہے اور بدتمیزی سے پیش آتی ہے اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نافرمان اولاد کو خداوند عالم عاق قرار دے دیتا ہے اور پھر اس کا کوئی عمل بارگاہ ایزدی میں قبول نہیں ہوتا۔

(۲۲۸) رسولؐ قرأت و کتابت کیوں نہ کرتے تھے

پ ۲۱ عنکبوت ع ۵۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ

(اے رسول قرآن سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے
تم لکھا ہی کرتے تھے اگر ایسا ہوتا تو یہ جھوٹے ضرور تمہاری نبوت میں شک کرتے)

اس آیت سے بعض مفسرین نے یہ مطلب نکالا ہے کہ حضور لکھنا پڑھنا جانتے ہی نہ تھے یہ بالکل غلط ہے ایک نبی جو سید المرسلین ہو اگر لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو تو اس سے وہ معمولی آدمی بہتر ہوگا جو لکھنا پڑھنا جانتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اے رسول تم سب کے سامنے لکھتے پڑھتے ہوتے تو ان کافروں کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ انہوں نے سابقہ آسمانی کتابوں کو پڑھ کر قرآن بنایا ہے اور اس طرح اگر لکھتے ہوتے تو کہہ دیتے کہ فلاں شخص ان کو بتا جاتا ہے اور یہ لکھتے جاتے ہیں لہٰذا اس شک کے دونوں دروازے بند کرنے کے لئے خدا نے لکھنے پڑھنے کی ممانعت کر دی ہے اب اس قسم کے اعتراضات کفار نہیں اٹھا سکتے تھے سعدی کہتے ہیں ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست — کتب خانۂ چند ملت بشست

---

(۲۲۹) مکڑی کا گھر

پ ۲۱ عنکبوت ع ۴ ۔ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ ... لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

[illegible]

[illegible]

گھر مکڑی کا ہوتا ہے اگر یہ لوگ اتنا بھی جانتے ہوں)

مکڑی کے گھر کو اللہ تعالیٰ نے سب سے کمزور گھر بیان فرمایا ہے۔ حقیقتاً وہ گھر ہی کیا ہے نہ در نہ دیوار ایک جالا ہے جسے وہ اپنے پیٹ کا لعاب نکال نکال کر بناتی رہتی ہے اور بیچارے اس گھر میں دفن ہو جاتی ہے اسے نکلنے کا راستہ ہی نہیں ملتا۔ دو جانور ایسے ہیں جو اپنے ہی بنائے ہوئے گھر میں دفن ہو جاتے ہیں ایک ریشم کا کیڑا دوسرے مکڑی۔

مکڑی کا گھر کمزور اتنا ہے کہ ذرا سا ہاتھ لگانے سے اپنی جگہ چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے لیکن اس جالے میں ایک خصوصیت بھی ہے جتنے کپڑے تانے بانے سے بنے جاتے ہیں ان سب میں سے پانی ٹپک جاتا ہے چاہے کتنے ہی باریک ہوں مگر مکڑی کے جالے سے پانی نہیں ٹپکتا مکڑی کا جالا بہت سے امراض کے علاج میں کام بھی آتا ہے۔

ایک خصوصیت اس مکڑی کی یہ ہے کہ اپنے جالے کے اندر ہی انڈے دیتی ہے خود تو مر جاتی ہے لیکن انڈوں سے جو بچے پرورش پاتے ہیں وہ جالے کو توڑ کر نکل آتے ہیں اور اس طرح اس کی نسل کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

مکڑی دو قسم کی ہوتی ہے ایک چھوٹی دوسری بڑی جسے مکڑا کہتے ہیں۔ چھوٹی مکڑی کا ذکر تو اوپر ہوا بڑی مکڑی جو جالا تنتی ہے وہ شکاریوں کا سا جال ہوتا ہے یہ اس کے اندر چپ چاپ بیٹھی رہتی ہے جب کوئی مکھی اس میں پھنستی ہے تو فوراً اسے پکڑ کر چٹ کر جاتی ہے اس کے جال میں کچھ ایسی پکڑ ہوتی ہے کہ مکھی اس سے بچ کر جا نہیں سکتی اس جالے کے قریب سے گزر جانا اس کی موت کا آجانا ہے۔

(۲۳۰) قرآن کا علم کچھ لوگوں کے سینوں میں ہے

پ ۲۱ عنکبوت ع ۵:- بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ۔ جن لوگوں کو خدا نے علم دیا ہے ان کے دل میں یہ قرآن کی واضح او

روشن آیتیں ہیں اور سرکشوں کے سوا ہماری آیتوں سے کوئی انکار نہیں کرتا)

مفسرین اس آیت کا مصداق بنانے میں گول مول کر گئے ہیں اور بعض نے صاف کہہ دیا کہ اس سے مراد علمائے اسلام ہیں لیکن یہ چاند پر خاک ڈالنا ہے اگر علمائے اسلام مراد ہوتے تو اوتوا العلم نہ فرمایا ہوتا۔ قرآن میں جہاں کہیں "اوتوا" بصیغہ ماضی مجہول آیا ہے وہاں وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو خدا کے یہاں سے علم حاصل کر کے آتے ہیں۔ قرآن جب رسول پر نازل ہوا اور وہاں سے سینہ بسینہ چلتے آئمہ طاہرین تک پہنچا ان ہی کے سینوں میں یہ آیات بینات ہیں یعنی روشن ہیں کہیں تاریکی کا نام نہیں۔ یہ تعلیم جو سینہ بسینہ ہوتی رہی باطنی تعلیم تھی ظاہری تعلیم سے اس کا کوئی تعلق نہیں اگر ظاہری تعلیم جو دنیا کے مکاتب و مدارس میں ہوتی ہے کافی ہوتی اور زمانہ والوں کے دل و دماغ میں بعینہ مقاصد قرآن ہوتے تو پھر اسلام بہتر فرقوں میں تقسیم نہ ہوتا

(۲۳۱) معجزہ کا ظہور خدا کے ہاتھ میں ہے

آیۃ عنکبوت ۵۰ قل انما الآیات عند اللہ و انما انا نذیر مبین۔

[illegible]

[illegible] ایمان [illegible] لایا [illegible]

[illegible]

[illegible] ایمان [illegible]

مقبول نہ ہوگا کیونکہ تم اپنے فائدے کی غرض سے اظہار ایمان کرو گے :

۲۳۲) مضبوط اور سیدھا دین کیا ہے

پ الروم ع ۴: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ـ

(خدا کی سچے دل سے عبادت کرنا یہی خدا کی بناوٹ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی مضبوط اور بالکل سیدھا دین ہے)

اللہ نے انسانی فطرت میں یہ بات داخل کر دی ہے کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں اپنے خالق کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حالی کہتے ہیں

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا — آتش پہ مغوں نے راگ گایا تیرا

دہری نے کیا دہر سے تجھ کو تعبیر — انکار کسی سے بھی بن نہ آیا تیرا

ان لوگوں کا ذکر تو نہیں جو تلاش حق میں اپنی عقل و فہم کو معطل کر بیٹھے ہیں ورنہ فطرت انسانی پر غور کرنے والے اس کا اقرار کئے بغیر نہیں رہتے کہ ان کا کوئی خالق ہے بلکہ اتنا ہی نہیں وہ توحید کا اقرار بھی کرتے ہیں انسان چاہے کسی حال میں ہو یا کسی مقام پر ہو۔ اگر صرف اپنے بدن کی ساخت پر غور کرے تو وہ توحید پرست بن جائے گا اس کے بدن میں صرف ایک ہی دل ہے جو مدبر و منتظم بدن ہے یہی اس کی فطرت ہے اگر دو دل ہوتے تو کیا وہ زندہ رہ سکتا تھا ہرگز نہیں کیونکہ تمام خون کا خزانہ دل ہے اس سے سیلان خون تمام رگوں میں ہوتا ہے اگر دو دل ہوتے تو دوسرا دل جب خون اس کے پاس گردش کرتا ہوا آتا تو آگے جانے سے روک لیتا تو بتاؤ جسم انسان کا کیا بنتا یقیناً ہلاکت میں پڑ جاتا اسی طرح ایک ہی روح سارے بدن میں کارفرما ہے اگر دو روحیں ہوتیں تو بدن انسان اپنی زندگی کی منزلیں طے نہیں کر سکتا تھا۔ ہر سلطنت میں اقتدار اعلیٰ ایک ہی

شخص کا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کو کچھ ایسا بنایا ہے کہ جب انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اس کا دل کسی ایسی صاحبِ اقتدار ذات کی طرف رجوع کرتا ہے جو اس کی جان بچا لے پس اس کا نام خدا ہے چاہے نام اس کا کچھ رکھ لیا جائے۔

رسول اللہ نے فرمایا ہے۔ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ وَیُنَصِّرَانِہٖ وَیُمَجِّسَانِہٖ۔ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر (خدا پرست) پیدا ہوتا ہے لیکن بعد میں ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں اگر یہ اوپری تعلیم اسے گمراہ نہ کرے تو یقیناً وہ خدا پرست اور توحید پرست بن کر رہے گا۔

خدا نے جو احکام اپنے بندوں کے لیے رکھے ہیں وہ اس کی فطرت کے مطابق رکھے ہیں اور کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جیسا کہ فرماتا ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا پس اگر کسی دین میں ایسے احکام پائے جاتے ہیں جو فطرتِ صحیح انسانی پر بار ہوں تو سمجھو کہ یہ اللہ کی طرف سے آئے ہوئے نہیں بلکہ خود غرض اور کج فہموں نے اپنی طرف سے تجویز کر کے داخل کر لئے ہیں۔ اسلام نے رہبانیت کو اس لئے اپنے دائرہ عمل سے نکال دیا کہ وہ فطرت انسانی پر ظلم ہے اور عیش اور ہوس رانی کا داخلہ بھی بند کیا کہ انسانی معاشرہ پر اس کا برا اثر پڑتا ہے اور ایک شخص کی خود غرضی مت سے لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کر دیتی ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک ایسا راستہ بنایا ہے جو فطرت کے مطابق ہے اور تم اپنا دنیا کا حصہ نہ بھولو ولا تنس نصیبک من الدنیا اس آیت میں بیان ہے۔

۲۳۳۔ قرابتداران رسول کے حق ادا کرنیکا حکم

پ ۱۵ ع ۳۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ۔

اے رسول اپنے قرابتداروں مسکین کا ان کا حق ادا [illegible]

مروی ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو حضرت نے جناب امیر کو فدک والے یہودیوں کے پاس بھیجا۔ یہودیوں سے اس بات پر صلح ہوئی کہ باغات کل کے کل حضرت رسولِ خدا کی ملکیت قرار پائیں اور زمین کا نصف حصہ ان کا اور نصف حضرت کی ملکیت میں رہے اس نصف زمین کی قیمت باغات کے علاوہ خلیفہ دوم کے زمانہ میں جب یہودی جلا وطن ہوئے تھے بیت المال سے پانچ ہزار درہم دی گئی تھی۔ الغرض جب صلح مکمل ہو گئی تو جبرئیل امین نازل ہوئے اور یہ آیت رسول اللہ کو سنائی۔ آپ نے پوچھا۔ قرابت دار سے کون مراد ہیں اور ان کا حق کیا ہے جبرئیل نے کہا حکم خدا یہ ہے کہ فدک اور باغات اور جو چیزیں خدا اور رسول کی ملک میں فوراً فاطمہ کو بلا کر دیدی جائیں۔ چنانچہ اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور حضرت نے اس کے متعلق ایک دستاویز حضرت فاطمہ کو لکھ کر دیدی یہ وہی وثیقہ تھا جو حضرت فاطمہ نے رسول اللہ کی وفات کے بعد ابوبکر کے سامنے پیش کیا تھا اور فرمایا تھا یہ رسول اللہ کا نوشتہ ہے مہر شدہ جو حضرت نے میرے اور حسن و حسین کے لئے لکھ کر دیا ہے (دیکھو تاریخ روضۃ الصفا) حضرت ابوبکر نے تو منظور کر لیا اور ایک تحریر لکھ دی لیکن عمر اس پر راضی نہ ہوئے اور انہوں نے حضرت فاطمہ کے ہاتھ سے وہ تحریر چھین کر پھاڑ ڈالی۔

(۱) غور اس بات پر کرنا ہے کہ جب بعقیدہ اہل سنت خلیفہ وقت کی اطاعت مثل اطاعت و رسول فرض ہے تو حضرت عمر نے خلیفہ وقت کے حکم کی اطاعت کیوں نہ کی حضرت عمر خود حاکم نہ تھے ان کو اس تحریر کے چاک کر دینے کا حق کہاں سے حاصل ہوا

(۲) خدا نے جناب فاطمہ کا یہ حق کیوں مقرر کیا یہ تو ظاہر ہے کہ جب مال بے جنگ پیکار ہاتھ آتا تھا وہ خالصتہ رسول قرار پاتا تھا فوج میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا ... نے کے بعد جو مال غنیمت ملتا تھا وہ سپاہیوں اور سرداروں کا حق ہوتا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کا شروع سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ مال غنیمت ...

وہ سب راہِ خدا میں دے ڈالتے تھے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ پیٹ پر پتھر باندھنا پڑتا جیسے اور لوگوں نے کثیر دولت جمع کر لی تھی یہ بھی کر لیتے خدا جانتا تھا کہ رسول کے بعد یہ لوگ مالِ غنیمت سے کچھ نہ لیں گے اور ان کے لئے کوئی ایسا سبب نہ رہے گا کہ اپنا پیٹ بھر سکیں اور لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو کر نہ رہیں لہذا خدا کو منظور نہ ہوا کہ رسول زادی رسول کے مرنے کے بعد لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور لوگ اسے حقارت کی نظر سے دیکھیں ان کے لئے یہ انتظام پہلے سے کیا گیا تھا اور رسول کو حکم دیا گیا تھا کہ فدک کا علاقہ جو تم کو بغیر جنگ کے طور پر ملا ہے اپنی زندگی میں اپنی بیٹی کو ہبہ کر دو [illegible]

یہ ملک [illegible] کہ فدک [illegible] خاندان کا احترام باقی رکھنے [illegible] ان کو مالی احتیاج سے مستغنی کر [illegible] لوگوں کی [illegible] کی ضرورت پیش آئے اور [illegible] بادشاہ [illegible] کی بیٹی کا [illegible] رسول کو [illegible]

فاطمہ [illegible] [illegible] رسول کے [illegible] [illegible] ان کے ساتھ [illegible]

۲۳۴۔ شرک کیوں ظلمِ عظیم ہے

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ [illegible]

ظلم اپنی نقصان [illegible] [illegible] ظلم [illegible] سلسلہ [illegible] قیامت تک [illegible] ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کو [illegible] [illegible]

بنا دیا جائے۔ کس قدر غضب کی بات ہے کہ جن بتوں کو انسان اپنے ہاتھوں سے بناتا ہے اسے خدا سمجھتا ہے۔ یعنی جب مخلوق کی مخلوق شریک خالق بے نیاز قرار دی جائے تو اس سے زیادہ بے عقلی کیا ہوگی اور وہ عقل جو سب سے بڑی نعمت الٰہی ہے اُسے یوں معطل کر کے رکھ دیا جائے تو اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔ جب مخلوق کو خدا کا شریک بنا دیا جائے گا تو خدا نے اپنے جو احکام انبیاء و مرسلین کے ذریعہ سے بھیجے ہیں وہ نافذ العمل نہ ہو سکیں گے اور ان احکام کی خلاف ورزیاں نظام عالم میں باعث فتنہ و فساد ہو کر امن عامہ کو تباہ کریں گی اور ایسی حالت میں انسانیت اپنی حدود سے خارج ہو کر حیوانیت سے پست درجہ میں جا گرے گی اس سے زیادہ بڑا ظلم کیا ہوگا۔

آج نہیں ہمیشہ جو اس دنیا میں انسانوں کے گلے انسانوں کے ہاتھوں سے کٹتے رہے ہیں اور ان کے املاک لوٹے جاتے رہے ہیں ان کے ناموس کی عصمت کو لوٹا جاتا رہا ہے۔ جنگ و پیکار کے میدان گرم ہوتے رہے ہیں اس کا سبب یہی ہے کہ قوموں کا خدائے واحد کی ذات پر ایمان نہیں اور اس کی طرف سے آئے ہوئے انبیاء و مرسلین کے بتائے ہوئے احکام واجب العمل نہیں سمجھے گئے۔ شرک کی وبا پھیلانے والا شیطان ہے وہ نہیں چاہتا کہ انسان کی کوئی نسل خدائے واحد و یکتا پر ایمان لائے وہ چاہتا ہے جیسے میں نافرمانی کی بدولت نکالا گیا ہوں پوری ہی نسل آدم بھی خدا کے منکروں کی جماعت میں داخل ہوتی رہے اس کے بہکانے کا اور دام شرک میں پھانسنے کا سب سے بڑا ذریعہ بت پرستی ہے خواہ وہ کسی شان سے ہو۔

غور کیجئے ایک طرف تو بت خاموش ان کی پجاریوں کو کوئی حکم نہیں ملتا۔ لہٰذا اس طرف سے تو ہدایت کا دروازہ یوں بند ہوا اور خدائی احکام ان سے یوں رکے کہ وہ خدا کو خدا ہی نہیں مانتے لہٰذا جو ہدایت انبیاء و مرسلین کے ذریعہ سے ہوتی وہ یوں رکی غرض جب ہدایت کے دروازے ہر طرف سے بند ہو گئے تو شیطان کا مقصد

حاصل ہوگیا وہ یہی تو چاہتا ہے کہ نسل آدم ہمیشہ گمراہی میں مبتلا رہے وہ تو اس دعوے کے ساتھ محفل قدس سے نکلا تھا کہ میں سب کو بہکاؤں گا سوائے چند خدا کے مخلص بندوں کے جس قدر دنیا میں شرک زیادہ پھیلے اس قدر اس کی کامیابی ہے۔

---

(۲۳۵) خدا کی نعمتیں کوئی شمار نہیں کر سکتا

پ۲۱ لقمان ع ۳ ولو ان ما فی الارض من شجرة اقلام والبحر یمده من بعده سبعة ابحر ما نفدت کلمات الله ان الله عزیز حکیم۔

جتنے درخت روئے زمین پر ہیں اگر قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی اور اس کے بعد سات سمندر اور مل جائیں تو خدا کی باتیں نعمتیں ختم نہ ہوں گی [illegible] کلمات اللہ اللہ کی مخلوق ہے اور اس کی ہر مخلوق ایک نعمت ہے [illegible] ہے اس کا فائدہ واسطہ یا بلاواسطہ انسان تک پہنچتا ہے خیال کیجئے [illegible] درختوں کے کتنے قلم بنیں گے اور سات سمندروں کی کتنی سیاہی ہوگی لیکن پھر بھی [illegible] نہیں کر اس کی نعمتوں کو شمار کرسکے خود فرماتا ہے وان تعدوا نعمة الله [illegible] اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو [illegible] شمار نہ کرسکو گے۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں الحمد لله الذی لا یبلغ مدحته القائلون ولا یحصی نعماءه العادون ولا یؤدی حقه المجتهدون۔

حمد ہے اس خدا کی [illegible] کرنے والے [illegible] کرنے والے اس کی نعمتوں کو شمار نہیں [illegible] کرنے والے [illegible] کیوں نہ کریں اس کا حق ادا نہیں کرسکتے۔

[illegible] ایک نعمت [illegible]

مثلاً ایک درخت کو لیجئے اس کا سایہ نعمت ہے کتنی بڑی نعمت جو ہزاروں کاموں میں آتی ہے جیسا کہ ہماروں کی دوا ہے۔ اس کی چھال میں اس کے پتوں میں اس کے پھولوں میں اس کے پھلوں میں اس قدر فوائد ہیں کہ انسان شمار نہیں کر سکتا۔ امراض کے علاج میں، صنعتوں میں دستکاریوں میں ہزارہا دوائیں بنتی ہیں۔ رنگ بنتے ہیں کیمیائی اجزا تیار ہوتے ہیں۔ پھر پھلوں پر غور کیجئے رس بھی نعمت اس سے تیل بھی نعمت اس کی گٹھلی بھی نعمت۔ ترکھائیے تو اور فائدہ خشک کھائیے تو اور فائدہ معجون بنائیے تو اور فائدہ مفرد کھائیے تو اور فائدہ اس کے بیج کا اور فائدہ غرض ہر ایک پھل ہے ایک نعمت ہے لیکن اس کے اندر معلوم کتنی نعمتیں چھپی ہوئی ہیں پھر لاکھوں قسم کے درخت ہیں اور لاکھوں قسم کے پھل پھول ہیں اور ان سب کے ذائقے جداگانہ ہیں۔ ہمارے پاس الفاظ ہی نہیں کہ تعریف کر سکیں۔ ہزارہا قسم کے میٹھے پھل ہر ایک کی مٹھاس جداگانہ ہمارے پاس تعریف کے لئے صرف ایک لفظ "میٹھا" ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

آم میٹھا ہے۔ انگور میٹھا ہے۔ خربوزہ میٹھا ہے۔ شریفہ میٹھا ہے۔ جامن میٹھی ہے۔ لیچی میٹھی ہے۔ گنا میٹھا ہے شکر میٹھی ہے۔ غرض ہزارہا میٹھے پھل ہیں ہر ایک کی مٹھاس جداگانہ ہے۔ جس کا احساس ہماری زبان تو کر لیتی ہے مگر ان کے درمیان امتیازی خط کھینچنا ناممکن ہے پھر ایک درختوں ہی پر کیا موقوف ہے۔ قسم قسم کے جانور ہیں۔ حشرات الارض ہیں۔ جمادات ہے۔ دریا ہیں۔ پہاڑ ہیں۔ جواہرات غرض کہاں تک کوئی بیان کرے ان کے درمیان ایسے لطیف فرق ہیں کہ عقل ان کے بیان میں حیران و سرگردان ہے۔

لاکھوں قسم کے اجناس ہر جنس میں لاکھوں قسم کے انواع ہر نوع میں لاکھوں قسم کے افراد ہر فرد کا قد و قامت جدا، رنگ و روغن جدا۔ انداز کلام جدا، مزاج جدا غرضیکہ:۔ دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ـــ ما ہمچناں در اول وصفے تو ماندہ ایم

Marfat.com

(۳۳۶) حضرت رسول خدا تمام مومنوں کی جانوں پر حاکم تھے

پ۲۱ الاحزاب [illegible] اولیٰ بالمومنین من انفسہم و ازواجہ امہاتہم

نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ اختیار رکھتے ہیں اور ان کی بیویاں [illegible]

[illegible] امت کی مائیں ہیں۔

حضرت کی تمام امت پر حکومت مطلقہ تھی جہاں بھیجتے چلا جاتا [illegible]

تھا جہاں کہتے مر جاؤ وہاں مر جانا چاہیے تھا۔ [illegible] آپ [illegible]

کوئی کام کرتے اگر کوئی حالت نماز میں بھی ہوتا اور حضرت [illegible]

تھا امت کو حکم تھا کہ آپ کی آواز سے اپنی آواز [illegible]

[illegible] ضبط ہو جائیں گے پیچھے [illegible] آپ سے آگے [illegible]

[illegible] آپ کی ازواج کو اپنی مائیں سمجھیں [illegible] امت پر آپ [illegible]

سے حق [illegible]۔

اسی اولویت کی بنا پر آپ نے [illegible]

کے مجمع [illegible] فرمایا تھا۔ من کنت مولاہ فعلی [illegible]

یعنی اولیٰ بالتصرف یا حاکم ہوں اس پر علی بھی [illegible] اس اولویت

کا مفہوم ہی بدل دیا۔ بدل تو دیا مگر [illegible]

---

(۳۳۷) ازواج [illegible]

پ [illegible] م [illegible] یاایہا النبی قل لازواجک [illegible]

[illegible] فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا [illegible]

اللہ ورسولہ، والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجراً عظیماً۔

(اے رسول تم اپنی بیبیوں سے کہہ دو اگر تم فقط دنیوی زندگی اور اس کی آسائش و زیبائش کی خواہاں ہو تو ادھر آؤ میں تم کو کچھ ساز و سامان دے دوں اور بعنوان شائستہ رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کی خواہاں ہو تو اچھی طرح خیال رکھو کہ تم میں سے نکوکار عورتوں کے لئے خدا نے یقیناً بڑا اجر و ثواب مہیا کر رکھا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ ازواج رسول میں دو گروہ تھے ایک گروہ چاہتا تھا کہ اچھا کھانے اور پہننے کو ملے ان سے کہا گیا کہ ایسی صورت میں رسول تم کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے اور کچھ دے دلا کر تم کو رخصت کر دیں گے دوسرا گروہ ان مقدس خواتین کا تھا جو اللہ اور رسول کی خوشنودی کی خواہاں تھیں اور آرائش و زیبائش کو پسند نہ کرتی تھیں ان سے کہا گیا تمھارے لئے اجر عظیم ہے آگے ارشاد ہوتا ہے۔

یانساء النبی من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لھا العذاب ضعفین وکان ذالک علی اللہ یسیراً ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحاً نؤتھا اجرھا مرتین واعتدنا لھا رزقاً کریماً۔

(اے نبی کی بیبیو تم میں سے جو کوئی کسی صریحی ناشائستہ حرکت کی مرتکب ہو گی تو یاد رہے کہ) اس کا عذاب بھی دوگنا کر دیا جائے گا اور یہ خدا کے واسطے آسان ہے اور جو بی بی خدا اور اس کے رسول کی تابعداری اور اچھے اچھے کام کرے گی تو ہم اس کا ثواب دوہرا کر دیں گے ہم نے اس کے لئے (جنت میں) عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج میں کچھ مخدرات ایسی تھیں کہ ان کو تنبیہ ضرورت پیش آئی ورنہ حرم رسول میں تنبیہ کا کہاں گزر پھر تنبیہ بھی ایسی کردی

عذاب کی خبر دی گئی گناہ کے لحاظ ہی سے تو سزا ہوتی ہے دوسرے گروہ کے لیے دو گنے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے بے وجہ تو کسی کو نہیں ٹوکا جاتا آخر کچھ تو تھا جس کی وجہ سے غیرت الٰہیہ کے ابرو پر بل پڑے اور جو کچھ کہا گیا ہے اس کا لب و لہجہ بتا رہا ہے کہ ناپسندیدگی کا اظہار کیا جا رہا ہے ایسی حالت میں یہ سمجھا جائے کہ ازواج رسول ہر طرح سے تنبیہ کے پہلو برتے گئے۔

کاش اتنے ہی پر تنبیہ ختم ہو جاتی مگر نہیں اس کا سلسلہ تو سورۃ احزاب میں دور تک چلا گیا ہے۔ جو باقی ہے وہ بھی سن لیجئے:۔

یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولا معروفا وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولی واقمن الصلوة واتین الزکوة واطعن الله ورسوله انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من ایت الله والحکمة ان الله کان لطیفا خبیرا۔

اے نبی کی بیویو تم معمولی عورتوں [illegible] تو اجنبی آدمی سے بات کرنے میں نرم [illegible] بات [illegible] والا میں شہوت زنا کا مرض ہو وہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں اور عقل کی باتیں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو بیشک خدا بڑا باریک بین واقف کار ہے)

ان آیات میں ازواج رسول کو جن باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اگر حرم رسول میں ان کا امکان نہ ہوتا تو خواہ مخواہ ان کو ذکر کرنے اور تنبیہ کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ روکا تو کرنے والے ہی کو جاتا ہے نہ کہ نہ کرنے والے کو۔

(۱) اسکو چھوڑنی باتیں نہ کریں جیسے عام عورتیں کیا کرتی ہیں۔

(۲) صاف صاف بات کیا کریں تاکہ کوئی دھوکہ میں نہ رہے اور بدگمانی راہ نہ پائے

(۳) گھروں میں خاموشی سے بیٹھے رہنے کی ہدایت کی گئی تاکہ عام عورتوں کی طرح ادھر ادھر نہ پھریں میدان جنگ میں جانے کا تو ذکر ہی کیا۔

(۴) دور جاہلیت کی عورتوں کی طرح اپنا بناؤ سنگھار اجنبی عورتوں کو نہ دکھائیں۔

(۵) پابندی سے نماز پڑھیں۔

(۶) پابندی سے زکوٰۃ دیں۔

(۷) اللہ و رسول کی اطاعت کرتی رہیں۔ نافرمانی سے بچیں۔

(۸) اپنے گھروں میں آیات الٰہی کی تلاوت کریں اور علم و حکمت کی باتیں سیکھیں۔

ان آیات کے درمیان ایک ... آیت حضرت جامع القرآن نے رکھ دی ہے یعنی آیت تطہیر۔ اول و آخر آیات میں ازواج رسول کو تنبیہ کی جا رہی ہے برائیوں سے روکا جا رہا ہے درمیان میں ان کی طہارت اور پاکیزگی نفس کا ذکر چھڑ گیا۔ یہ کیا بات ہوئی۔ عبارت بھی ... اور تحریف بھی ... درجہ کی۔

آیہ تطہیر کے متعلق اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت علی و فاطمہ اور حسن و حسین کے بارے میں ہے لیکن بعض مفسرین اہلسنت کا خیال ہے کہ اس میں ازواج بھی شامل ہیں لیکن یہ رائے چند وجوہ سے باطل ہے۔

Marfat.com

(۱) اگر ازواج داخل ہوتیں تو [illegible] کے ماقبل و مابعد مع مؤنث حاضر کی ضمیریں لائی گئی ہیں اسی طرح آیہ تطہیر میں بھی لائی جاتیں۔

(۲) اگر آیۂ تطہیر کو بیچ میں سے نکال لیا جاتا ہے اور ماقبل و مابعد کو ملا کر پڑھا جاتا ہے تو سلسلہ قائم رہتا ہے اور ربط میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔

(۳) اگر ازواج شامل ہوتیں تو ان کی تعداد نو ہوتی اور اہل بیت کی چار ان میں بھی صنف نازک عورت تھیں پس عورتوں کی تعداد دس ہو جاتی ہے اور مرد تین رہ جاتے ہیں اس صورت میں بقاعدہ تغلیب آیت تطہیر میں ساری ضمیریں مؤنث کی لائی جاتیں نہ کہ مذکر کی۔

(۴) زید بن ارقم صحابی کا قول ہے کہ ازواج اہلبیت نہیں ہو سکتیں یہ تو [illegible] طلاق دیدی تو الگ ہو گئیں جبکہ اہل بیت سے مراد وہ ہیں جن پر اللہ نے صدقہ حرام کیا ہے

(۵) اگر ازواج بھی شامل ہوتیں تو جس وقت ام سلمہ کے گھر میں یہ آیت نازل ہوئی تھی اور انہوں نے ردا کے [illegible] داخل ہونا چاہا [illegible]

[illegible]

اہل بیت کا ان کے خصائل و عادات جدا جدا تھے ان کے درمیان کوئی ربط نہ تھا اگر ازواج آیت تطہیر کا مصداق ہوتیں تو مباہلہ میں آنحضرت ضرور ان کو اپنے ساتھ لے جاتے۔

(۲۳۸) رسول کے حکم کے بعد کسی کو کچھ کہنے کا حق نہیں

پ ۲۲ الاحزاب ع ۵۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۔

(کسی ایماندار مرد یا عورت کو یہ مناسب نہیں کہ خدا اور اس کے رسول جس امر میں حکم دیں تو ان کو اس کام (کے کرنے یا نہ کرنے) کا اختیار ہو جس نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا)

جب روز غدیر خم بحکم خدا رسول نے حضرت علی کی خلافت کا اعلان کر دیا تو اب یہ کسی کو یہ حق نہیں کہ اس فیصلہ کو رد کر دے یا اس میں اپنی رائے سے تبدل و تغیر کر دے جن لوگوں نے اس حکم کو نہ مانا وہ گمراہی میں رہے۔

(۲۳۹) لے پالک کی زوجہ مطلقہ سے عقد ہو سکتا ہے

پ ۲۲ الاحزاب ع ۵۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا

غرض جب زید اپنی حاجت پوری کر چکا (طلاق دیدی) تو ہم نے (حکم دے کر) اس عورت (زینب بنت حجش) کا نکاح تم سے کر دیا تاکہ عام مومنین کو اپنے

لے پالک لڑکوں کی بیبیوں سے نکاح کرنے میں جب وہ اپنا مطلب ان عورتوں سے پورا کر چکیں (طلاق دیدیں) کسی طرح کی تنگی نہ رہے اور خدا کا حکم تو کیا کرایا ہوا ہوتا ہے)

زید بن حارثہ رسول اللہ کا غلام تھا آپ نے اسے لے پالک بنایا تھا آپ نے خلاف دستور عرب اپنی پھوپھی زاد بہن زینب سے اس کا نکاح کردیا۔ زینب کو ایک غلام سے شادی ہونا پسند نہ آیا۔ رات دن زن و شوہر میں جھگڑا رہنے لگا۔ آخر زید نے طلاق دیدی چونکہ زینب نے محض حکم رسول کی بنا پر شادی کرلی تھی اس لیے بہت شکستہ دل ہوگئیں حکم خدا طلاق کے بعد رسول اللہ نے ان کو اپنی زوجیت کا شرف بخشا اس شادی سے رسول نے عرب کی ایک بڑی بدرسم کو توڑا۔ وہ یہ تھی کہ لوگ لے پالک کو مثل اپنی صلبی اولاد کے سمجھتے تھے اسے میراث میں شریک کرتے تھے اس کی مطلقہ سے قریبی رشتہ دار شادی نہیں کرتے تھے رسول اللہ نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ خدا کے نزدیک لے پالک پر صلبی اولاد کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

---

(۲۴۰) محمدؐ کسی امتی کے باپ نہ تھے

پ۲۲ الاحزاب ع ۵ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

(محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے بلکہ اللہ کے رسول ہیں اور رسولوں کی مہر یعنی نبوت ختم کرنے والے ہیں)

[illegible]

اور لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ لے پالک اصلی بیٹا نہیں ہوتا یہی وجہ تھی کہ جب زید نے اپنی بی بی زینب کو طلاق دیدی وہ خاندان رسول سے تھیں تو حضرت نے ان کے ساتھ عقد کر لیا

تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں نہ کوئی شریعت۔ آپ ہی کی شریعت قیامت تک چلے گی۔ حضرت کے بعد جو کوئی دعویٰ نبوت کرے خواہ ظلی نبی ہو یا بروزی وہ کافر ہے

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ حضور اپنی امت میں کسی لڑکے کے باپ نہیں لیکن اپنے نواسوں کے باپ ہیں چنانچہ حسن وحسین فرزندان رسول کہلاتے ہیں مباہلہ کی آیت جب نازل ہوئی تو ابناءنا کی تعمیل میں آپ حسن وحسین ہی کو ساتھ لے کر نکلے تھے اگر وہ فرزندان رسول نہ قرار دیئے جائیں تو پھر بتایا جائے کہ رسول اللہ نے آیہ مباہلہ میں جو ابناءنا ہے اس کی تعمیل کس طرح کی۔

حضورؐ نے فرمایا ہے:۔ اِنَّ اللہَ جَعَلَ ذُرِّیَّۃَ کُلِّ نَبِیٍّ فِیْ صُلْبِہٖ وَجَعَلَ ذُرِّیَّتِیْ فِیْ صُلْبِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ (اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد اس کے صلب سے پیدا کی ہے اور میری اولاد صلب علی سے ہے) بار بار حضور نے مسلمانوں کے بھرے مجمع میں اعلان فرمایا کہ حسن وحسین میرے فرزند ہیں اور فرمایا: ھُمَا اِبْنَایَ اِمَامَانِ قَامَا اَوْ قَعَدَا (وہ دونوں میرے فرزند ہیں اور امام ہیں کھڑے ہوں یا بیٹھے)

۲۴۱ رسول اللہ کو ایک خاص نکاح کی اجازت

۲۲ الاحزاب ۵۰۔ وَامْرَاَۃً مُّؤْمِنَۃً اِنْ وَّھَبَتْ نَفْسَھَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَھَا خَالِصَۃً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

(اور وہ ایماندار عورت بھی حلال کر دی جو اپنے کو بغیر مہر کے نبی کو دیدے اور

نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہتے ہوں (اے رسول) یہ حکم صرف تمہارے
ہی لئے ہے مومنین کے لئے نہیں)

یعنی آنحضرت کے لئے حلال عورتوں کی جو تعداد اللہ تعالیٰ نے معین کی ہے ان کے علاوہ ایک صورت نکاح ہبہ کی ایسی ہے جو حضرت کے سوا اور کسی کے لئے حلال نہیں اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ ماہ رمضان ۸ھ میں قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت جس کا نام ام شریک تھا نفیس لباس پہنے اور سولہ سنگھار کئے حضرت کی خدمت میں آئی جب کہ آپ حفصہ کے گھر میں تھے اور کہنے لگی میں کنواری عورت ہوں مجھے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا اگر آپ مجھے قبول کریں تو میں اپنا نفس آپ کو بخشتی ہوں۔ حضرت نے اسے دعا دی اور فرمایا اے انصار کی بہن خدا تجھے جزائے خیر دے تمہارے مردوں نے میری نصرت کی اور عورتوں نے میری طرف رغبت کی میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا جو خدا کا حکم ہوگا وہ تمہارے پاس پہنچے گا

حفصہ نے کہا اے عورت کس قدر بے حیا اور دلیر ہے کہ مردوں پر گری پڑتی ہے حضرت نے حفصہ سے فرمایا چپ رہو یہ تجھ سے بہتر ہے کہ اس نے خدا کے رسول کی طرف رغبت کی اور تو اس سے بدتر ہے کہ اسے ملامت کرتی ہے اور اس عورت سے [illegible] خدا نے اس رغبت کی وجہ سے بہشت کو تجھ پر واجب کردیا۔ غرض اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے اسے قبول فرمالیا وہ بیچاری چند روز زندہ رہ کر راہی جنت ہوئی

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد عائشہ بولیں خدا آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی کرتا ہے فرمایا اگر تم بھی خدا کی [illegible] تو تمہاری خواہش بھی جلد پوری [illegible]

(۲۴۲) بے اذن رسول کے گھر میں داخل ہونے کی ممانعت

پ۲۲ احزاب ع ۷ ۔ یا ایها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن

لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ۔

(اے ایمان والو پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر جب تم کو کھانے کے واسطے اندر آنے کی اجازت دی جائے (ٹھیک وقت پر) پھر جب کھا چکو تو (فوراً اپنی اپنی جگہ) چلے جایا کرو اور باتوں میں نہ لگ جایا کرو کیونکہ اس سے پیغمبر کو اذیت ہوتی ہے اور وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں (منع نہیں کرتے) اور خدا تو ٹھیک ٹھیک کہنے میں جھجکتا نہیں اور پیغمبر کی بیبیوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو یہی تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے بہت صفائی کی بات ہے تمہارے واسطے یہ جائز نہیں کہ رسول خدا کو کسی طرح اذیت دو اور نہ تمہارے لئے یہ جائز ہے کہ تم اس کے بعد کبھی اس کی بیبیوں سے نکاح کرو بیشک یہ خدا کے نزدیک بڑا گناہ ہے)

ان آیات کی شان نزول یہ ہے :-

زینب سے نکاح کے بعد حضور نے بہت سے لوگوں کو دعوت ولیمہ میں بلایا۔ سب لوگ کھا کر چلے گئے مگر تین آدمی آپس میں باتیں کرنے لگے اور حضور اس انتظار میں رہے کہ یہ لوگ اٹھ کر جائیں تو گھر خالی ہو مگر تہذیب نے حضرت کو صاف کہنے سے روکے رکھا۔ جب بہت دیر ہو گئی تو آپ اٹھ کر ازواج کے حجروں کی طرف چلے گئے تھوڑی دیر بعد واپس آئے تو پھر ان کو گپ شپ کرتے دیکھا۔ غرض خدا خدا کر کے ان لوگوں نے جگہ خالی کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

Marfat.com

ایک بار آپ حضرت عائشہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عمر آ گئے آپ نے تواضع کی تو بیٹھ گئے اتفاقاً کھانے میں حضرت عمر کی انگلی حضرت عائشہ کی انگلی سے لگ گئی تو آپ کو ناگوار گزرا اور اسی وقت یہ آیت حجاب نازل ہوئی۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ آیہ حجاب نازل ہونے کے بعد ایک دفعہ طلحہ نے کہا اب خدا نے مضیر ہے کہ ہم لوگ اپنی چچازادیوں (پیغمبر کی بیبیوں) سے بھی پردہ سے باہر بات کریں۔ اگر رسول مرے تو میں عائشہ سے ضرور نکاح کروں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ عام لوگوں پر پیغمبر کی ازواج حرام کر دی گئیں۔

اسلام لانے کے بعد بھی جاہلیت کے طور طریق مسلمانوں کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہے ہوئے تھے وہ یہ سمجھے ہی نہ تھے کہ خدا کے رسول کا کیا مرتبہ ہے کچھ جان کے خوف سے کہ بحالت کفر مار ڈالے جائیں گے کچھ مال غنیمت کے طمع سے مسلمان تو ہو گئے تھے لیکن اسلامی تہذیب کا ان پر کوئی اثر نہ تھا ایسے اعمال کرتے تھے جن سے رسول کو تکلیف ہوتی تھی لہٰذا ان آیات میں حسب ذیل احکام نازل ہوئے۔

(۱) نبی کے گھروں میں بے اجازت داخل نہ ہوا کریں۔

(۲) ان کے گھروں کو عام لوگوں کی طرح نہ سمجھیں۔

(۳) جب حضور لوگوں کو کھانے کے لئے گھر بلائیں تو تا کا جھانکی نہ کریں اور یہ نہ دیکھیں کہ حضور کے گھر میں کیا کیا برتن ہیں۔ کیا کیا سامان ہے۔ بتایا گیا کہ تم کھانے کے لئے آتے ہو نہ کہ سامان کی جانچ پڑتال کے لئے۔

(۴) کھانے کے بعد فوراً وہاں سے نکل جانا چاہیئے مثلاً [illegible] ہے ... ان کو ذہنی خلفشار ہو...

(۵) رسول کے گھر میں کھانے کے بعد گپ شپ نہ کرو کیونکہ میزبان کو اس سے تکلیف ہوتا ہے۔

(۶) جب کوئی چیز مانگنی ہو تو اجازت کے بغیر رسول کے گھر میں داخل نہ ہوا کرو

(۷) جو چیز تم کو مانگنی ہو دروازہ کے پردہ کے پیچھے کھڑے ہو کر مانگو۔ رسول کے پاس یا کسی کے گھر میں بے محابا نہ گھسو۔ کیونکہ اس گستاخانہ روّیہ سے بہت خطرات کا سامنا ہو سکتا ہے مردوں اور عورتوں کو برائی سے بچانے کا یہی بہترین طریقہ ہے

(۸) نبی کے مرنے کے بعد ہرگز ان کی کسی بی بی سے نکاح کا ارادہ نہ کرو کیونکہ ازواج نبی امہات المؤمنین ہیں ان سے نکاح کرنا تم پر ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا ہے۔

یہ سب کچھ ان صحابہ کرام کی تہذیب کے متعلق کہا گیا ہے جو اسلام کی جان کہلاتے ہیں حضرت طلحہ عشرہ مبشرہ میں شمار کیے جاتے ہیں ان کے ارادے کا حال اوپر لکھا جا چکا ہے۔

---

(۲۴۳) صلوات میں آل محمدؐ داخل ہیں

پ ۲۲ الاحزاب ع ۷ : - اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۔

(بیشک اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر (اور ان کی آل پر) درود بھیجتے ہیں - اے ایمان والو تم بھی درود بھیجو اور برابر سلام کرتے رہو)

صلوات کے معنی تین صورتوں میں مذکور ہیں اللہ کا درود نزول رحمت ہے ملائکہ کا درود طلب مغفرت ہے اور مومنین کا درود طلب رحمت ہے۔

آیت میں بظاہر صرف نبی پر درود بھیجنے کا ذکر ہے مگر ہم آل کو بھی شامل کرتے ہیں حضرات اہل سنت صرف نبی پر درود بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں آل کو اس میں کیوں داخل کیا جائے جب کہ خدا نے ذکر نہیں کیا ہم کہتے ہیں داخل تو اس کو کیا جاتا ہے جو خارج ہو۔ محمد و آل محمد ایک ہی نور سے ہیں۔ ایک جان اور چند قالب ہیں ان کو علیحدہ رکھنا کیا معنی۔

امام رازی نے اسرار التنزیل میں اور اپنی تفسیر میں یہ اقرار کیا ہے کہ حضرت کے اہلبیت

پانچ چیزوں میں برابر کے شریک ہیں منجملہ ان کے تشہد میں درود بھیجنا ہے۔ سنن ابوداؤد میں ابن شیبہ سے روایت ہے اور اس کی تصحیح ترمذی۔ حاکم ابوالقاسم۔ ابن خزیمہ۔ ابن مسعود نے کی ہے کہ لوگوں نے حضرت رسول خدا سے پوچھا کہ آپ کو سلام کرنا تو ہم جانتے ہیں مگر آپ پر درود کیسے بھیجیں (فرمایا) یوں کہو:۔ اللھم صل علی محمد وال محمد کما صلیت علی ابراھیم وال ابراھیم

صواعق محرقہ میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:۔ لاتصلوا علی الصلوۃ البتراء (مجھ پر ناقص صلوات نہ بھیجا کرو) لوگوں نے پوچھا ناقص درود کیا ہے فرمایا: صل علی محمد کہہ کر رہ جاؤ یہ ناقص درود ہے بلکہ یوں کہو:۔ اللھم صل علی محمد وال محمد۔ علامہ بیہقی نے اپنی سنن میں لکھا ہے: من لم یصل علی محمد وآل محمد فلیعد صلاتہ (جو شخص نماز میں آل محمد پر درود نہیں بھیجتا اسے چاہیے اپنی نماز کا اعادہ کرے)

ان سب سے قطع نظر خود قرآن میں سلام علی آل یاسین موجود ہے اور یس پیغمبر کا نام ہے پس جیسے سلام ویسے درود اگر کہا جائے کہ یہ لفظ ال یاسین ہے آل یاسین نہیں تو کس قدر تعجب کی بات ہے کہ مسلمان الیاس کی اولاد پر تو سلام بھیجنا پسند کرتے ہیں مگر اولاد رسول پر نہیں کیا اولاد رسول کا مرتبہ اولاد الیاس سے بھی کم ہے۔

اس کے علاوہ بقول علامہ زمخشری قرآن میں جب عام مومنین پر صلوات کا حکم ہے تو آل رسول تو بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہیں۔ آیت یہ ہے:۔

وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ۔

(بشارت دو ان صبر کرنے والوں کو جن پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اللہ ہی کی طرف جانا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی صلوات ہے)

کس قدر دشمنی ہے آل رسول سے کہ عام مومنین پر تو درود بھیجنا گوارا کیا جائے اور نہ تو آل رسول پر گویا وہ عام مومنین سے بھی پست درجے کے لوگ ہیں

امام شافعی فرماتے ہیں :۔

یَا اَھْلَ بَیْتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ حُبُّکُمْ — فَرَضٌ مِنَ اللّٰہِ وَفِی الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَہٗ

کَفَاکُمْ بِعَظِیْمِ الْقَدْرِ اَنَّکُمْ — مَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَیْکُمْ لَا صَلٰوۃَ لَہٗ

(اے اہلبیت رسول قرآن میں اللہ نے تمھاری محبت کو فرض کیا ہے تمھاری عظمت قدر کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جو تم پر درود نہ بھیجے اس کی نماز قبول نہ ہوگی)

رسول نے فرمایا ہے :۔ اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ شَجَرَۃٍ وَّاحِدَۃٍ (میں اور علی ایک درخت سے ہیں) پس کون احمق درختوں کو شاخوں سے جدا کردے گا نیز یہ بھی فرمایا ہے :۔ یا علی اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ اے علی تمھاری نسبت مجھ سے وہی ہے جو سر کی نسبت جسم سے ہے) کوئی ہمیں بتائے کہ کیا سر جسم سے جدا ہوتا ہے یہ بھی فرمایا ہے :۔ یا علی نفسک نفسی (اے علی تمھارا نفس میرا نفس ہے) مباہلہ میں عملاً بھی اس کو دکھا دیا اس پر بھی اگر کوئی نہ مانے تو اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہے۔

(۳۴۳) نواسیاں داخل اولاد ہیں

پ۲۲ احزاب ع ۸ :۔ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ۔

(اے نبی اپنی بیبیوں اور بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دو کہ باہر نکلتے وقت اپنے (چہروں اور گردنوں) پر اپنی چادروں کا گھونگٹ ڈال لیا کریں)

یہاں بنات میں نواسیاں اور پوتیاں سب شامل ہیں ورنہ ان کے لئے علیحدہ سے حکم دیا جاتا اسی دلیل سے ہم حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی بیٹیوں کو بنات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں اور اسی دلیل سے ہم حسنین علیہما السلام کو ابنائے رسول کہتے ہیں ۔

۳۴۵) حضرت داؤد کے لئے لوہا نرم ہو جاتا تھا

پ۲۲ سبا ع ۲۔ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ (ہم نے داؤد کے لئے لوہا نرم کر دیا)

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو نبوت، علم و حکمت، زبور کے علاوہ خوش الحانی بھی عطا فرمائی تھی۔ زرہ بنانے کی ایجاد آپ ہی نے کی آپ کے ہاتھ میں آتے ہی لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا اور آپ زرہ [illegible] کے چھوٹے چھوٹے حلقے بنا کر زرہ تیار کرتے تھے جب تیار ہو جاتی تو اسے فروخت کر کے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے نفقہ فراہم کرتے اور ضرورت سے جو بچتا اسے غریبوں اور محتاجوں کو دے دیتے۔

---

۳۴۶) حضرت سلیمان کے لئے ہوا اور جنات کا مسخر کرنا

پ۲۲ سبا ع ۲۔ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ وَاَسَلْنَا لَهٗ
عَيْنَ الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَمَنْ يَّزِغْ
مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ
مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ۔

(اور ہم نے ہوا کو سلیمان کا تابعدار بنا دیا تھا کہ اس کی صبح کی رفتار ایک مہینہ کی مسافت اور شام کی رفتار ایک مہینہ کی تھی اور ہم نے اس کے لئے تانبے کو پگھلا کر چشمہ جاری کر دیا تھا اور جنات کو اس کے تابع کر دیا تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ حکم پروردگار سے ان کے سامنے کام کاج کرتے تھے اور جس نے ہمارے حکم سے انحراف کیا اسے ہم قیامت میں جہنم کا مزہ چکھائیں گے غرض سلیمان جو چاہتے منظور ہوتا جنات ان کے لئے بناتے تھے جیسے بڑے بڑے محل، قلعے اور مجسموں اور [illegible]

کی تصویریں اور حوضوں کے برابر پیالے اور (ایک جگہ) گڑی ہوئی (بڑی بڑی) دیگیں (کہ ایک ہزار آدمی کھانا کھا سکیں)

ہم نے یہ ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے ترجمہ قرآن سے لیا ہے۔
ان آیات میں چند باتیں تفسیر طلب ہیں ۔

(۱) بساط سلیمان کیا تھا ۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ ایک تخت تھا اتنا بڑا جس پر آپ کے وزراء وارکان سلطنت کے علاوہ آپ کا لشکر بھی سوار ہوتا تھا ہوا اس کو اس تیزی سے اڑا کر لے جاتی تھی کہ صبح کو مرتہ سے چلتے جو شام میں تھا تو دوپہر کو شیراز میں تھوڑی دیر آرام کرتے اور شب کو کابل میں رہتے کبھی صبح صادق کو عراق سے چلتے اور مرو میں ہوتے اور ظہر کی نماز بلخ میں پڑھتے اور پھر ترکستان میں آتے اور وہاں سے چلتے کرماں و فارس ہوتے ہوئے دوسری صبح کو مرتہ میں پہنچتے (حاشیہ مولانا فرمان علی صاحب) اس بیان میں کسی امام کا قول نقل نہیں ایک ایسی روایت ہے جس کے اسناد مفقود ہیں ۔ مولانا صاحب مرحوم نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے جس کو ہم پہلے نقل کر آئے ہیں کہ حضرت سلیمان کا لشکر سو کوس میں پھیلتا تھا جس تخت پر یہ سو کوس میں پھیلنے والا لشکر بیٹھتا ہوگا اس کی وسعت کا اندازہ کیجیئے کیونکہ تحریر فرماتے ہیں کہ لشکر کے علاوہ ارکان سلطنت بھی بیٹھتے تھے جن کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ ایک ہزار چاندی سونے کی کرسی ان کے لئے بچھتی تھی تو آپ تصور کیجیئے یہ تخت کتنا بڑا ہوگا ۔ پھر حضرت سلیمان کی سیر کی منازل جس تفصیل سے بیان فرمائی ہیں ان کا ذکر توریت میں نہ قرآن میں ۔ تاریخ اسلام اس وقت تک مدون ہی نہ ہوئی تھی پھر یہ منازل نام بنام کہاں سے نقل ہوئیں ۔ قصص الانبیاء والوں نے تو ایسے قصے بہت سے لکھے ہیں لیکن ان کی سند کچھ بھی نہیں قیاس آرائیاں ہیں یا اپنی تاریخوں کو دلچسپ بنانے کے لئے ایسا کیا گیا ہے روضۃ الصفا والے تو جابجا ایسی لایعنی روائتیں حالات انبیاء کے سلسلے میں بیان کر دی ہیں ۔

(۲) مفسرین نے اس کی توضیح نہیں کی کہ تانبے کا جو چشمہ بہایا گیا تھا عہد سلیمانی

ہیں اس کا مصرف کیا تھا جب قرآن مجید میں ہے تو ضرور کسی غرض سے ایسا عمل میں آیا ہوگا

(۱۳) سر سید احمد خاں صاحب جنات کو کوئی عجیب و غریب آتشیں مخلوق جو انسان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں نہیں مانتے بلکہ ان کے نزدیک جن اس مخلوق کو کہتے ہیں جو نہایت قوی الجثہ - بدمزاج اور سرکش ہو - قد و قامت کے لحاظ سے عام انسانوں میں اور ان میں بہت فرق ہو - لیکن سید صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ اگر وہ کوئی جداگانہ مخلوق نہ ہوتے تو قرآن میں ان کا ذکر علیحدہ سے نہ کیا جاتا اور یا معشر الجن والانس نہ کہا جاتا - فبای آلاء ربکما تکذبان - میں ان کو انسانوں سے جدا نہ کیا جاتا -

اگر جن ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں تو حضرت سلیمان نے ان کو زنجیروں سے کیسے جکڑا تھا اور ان کی پس پشت کیسے کھڑے ہوئے تھے جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان کو ایک ایسا علم خاص دیا گیا تھا کہ وہ جنات کو ایک مادی صورت میں اپنے سامنے حاضر کر لیتے تھے -

(۱۵) جو چیزیں حضرت سلیمان نے جنوں سے بنوائی تھیں ان میں تماثیل کا بھی لفظ ہے مولانا فرمان علی صاحب نے اس کا ترجمہ تصاویر کیا ہے لیکن یہ غلط ہے حضرت ابراہیم کا یہ قول قرآن میں موجود ہے - ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون - یہ کیا مورتیاں ہیں جن کو تم لیے بیٹھے ہو - یہاں تصاویر مراد نہیں کیونکہ وہ تصویروں کی پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ مورتیوں کی کرتے تھے لیکن یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اسلام میں تو بت بنانا جائز نہیں پھر جناب سلیمان ایسا کیوں کرتے تھے جواب یہ ہے کہ یہ مجسمے شیر وغیرہ کے تھے بلکہ ان عمارات متبرکہ کے تھے جو حضرات انبیاء کے زمانے میں تھیں وہ بھی محض تذکرہ کے لئے [illegible] [illegible] [illegible]

معبود بن جاتی ہے جیسا کہ جناب شیث کے بیٹے کے متعلق ایسا ہو چکا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ منجملہ ان عمارات کے جو حضرت سلیمان نے جنات کے ہاتھوں سے بنوائی تھیں۔ بیت المقدس کی مسجد بھی تھی اس کی بنیاد حضرت داؤد نے رکھی تھی مگر جب قد آدم تک دیواریں بن گئیں تو حکم خدا ہوا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس وقت حضرت داؤد کا سن ۱۲۷ سال کا تھا اور ۱۴۰ سال کے سن میں انتقال فرمایا ان کے انتقال کے وقت حضرت سلیمان کا سن تیرہ برس کا تھا جب آپ کو بیت المقدس کی تعمیر کا حکم ہوا تو آپ نے قیمتی پتھروں کو ترشوا کر یہ مسجد بنوائی چنانچہ یاقوت۔ زمرد اور چاندی کی تختیوں سے دیواریں بنیں اس میں اعلیٰ قسم کے موتی لگائے گئے۔ فیروزہ کا فرش تھا اور یاقوت و زبرجد کے ستون جواہرات کی جڑاؤ چھت ان کی اس قدر چمک اور روشنی تھی کہ رات میں روشنی کرنے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ الغرض یہ سب اس کے سامان تھے جسے بخت النصر اجاڑ کر عراق لے گیا۔ اور اس کا کچھ نشان ہی باقی نہ رہا اور یہ عمارت جواب ہے بہت بعد کی بنی ہوئی ہے

یہ روایت کان کو نہیں لگتی جس خدا نے حضرت ابراہیم سے اپنا گھر (کعبہ) کھردرے بن گھڑے پتھروں سے بنوایا تھا وہ بھلا سلیمان کو کیسے اجازت دیتا کہ ایسا ترک بھڑک کا جواہرات سے چمکتا ہوا۔ چاندی سونے سے جھلکتا ہوا اس کے نام کا گھر بنایا جائے حضرت سلیمان کے بعد سلاطین نے جو رنگ آمیزی کی ہو وہ کی ہو سلیمان نے تو ہرگز ایسا گھر نہ بنایا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے گھر کو عجائب خانہ بنوا کر نہیں دکھانا چاہتا بلکہ اس کی تقدیس و عظمت دکھانے کے لئے بلاتا ہے اپنے حکم کی تعمیل کے لئے بلاتا ہے لوگ اس لئے نہ آئیں کہ وہاں جواہرات کی چمک دیکھیں گے۔ موتیوں کی جھالریں لٹکتی دیکھیں گے بلکہ حصول برکت کے لئے آئیں۔

(۶) اگرچہ مفسرین نے روشنی نہیں ڈالی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تانبے کا جو چشمہ دیا ابلا تھا وہ اس لئے ہوگا کہ اس سے جنات بڑی بڑی دیگیں اور پیالے وغیرہ بنائیں اور

اس لئے بنوائی گئیں تاکہ بیشمار لوگوں کو کھانا پکا کر کھلایا جا سکے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان بہت بڑے مہمان نواز تھے ۔

---

(۲۴۷) حضرت سلیمان کی موت کا واقعہ

پ۲۲ سبا ع ۲ ۱۔ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ
مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ

جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم جاری کیا تو مر گئے مگر کھڑے رہے اور جنات کو کسی نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتایا مگر زمین کی دیمک نے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھا رہی تھی پھر جب کھوکھلا ہو کر ٹوٹ گیا تو سلیمان کی لاش گری تو جنات نے جانا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اس ذلیل کرنے والے کام کرنے کی مصیبت میں مبتلا نہ رہتے ۔

مسجد بیت المقدس کی تعمیر ابھی ناتمام تھی کہ حضرت سلیمان نے اپنے ارکان سلطنت سے فرمایا کہ باوجودیکہ خدا نے مجھے اتنی بڑی سلطنت عطا کی ہے مگر میں ایک دن آرام سے نہیں بیٹھا آج فلاں محل میں جاتا ہوں میرے پاس کوئی نہ آئے ۔ الغرض آپ محل کے بالاخانہ پر گئے لاٹھی کا سہارا دیئے اطراف و جوانب کا نظارہ کر رہے تھے کہ ملک الموت نے آپ کی روح قبض کر لی لیکن آپ اسی طرح بقدرت خدا کھڑے رہے اور جنات اس خیال سے کہ آپ زندہ ہیں بدستور اپنے اپنے کام میں مشغول رہے جب ان کو ایک مدت گزر گئی اور مسجد تمام ہو گئی تو دیمک نے عصا کو کھا کر کھوکھلا کر دیا اور آپ گر پڑے تب جنات سمجھے کہ آپ مر گئے ہیں اس کے بعد وہ [illegible] چلتے بنے ۔

(۲۴۸) وارث کتاب اللہ کون ہیں

پ ۲۲ فاطر ع ۴ ، ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ۔

(ہم نے اپنے بندوں میں سے خاص ان کو قرآن کا وارث بنایا جنہیں (اہل سمجھ کر) ہم نے منتخب کیا ہے کیونکہ بندوں میں کچھ تو نافرمانی کرکے اپنی جان پر ستم ڈھاتے ہیں کچھ ان میں سے (نیکی و بدی کے) درمیان میں ہیں اور ان میں کچھ نیکیوں میں اوروں سے سبقت لے گئے ہیں باذن خدا اور یہی سبقت خدا کا سب سے بڑا فضل)

زمخشری نے تفسیر کشاف میں لکھا ہے ان بندوں سے آنحضرت کی امت کے وہ صحابہ تابعین ۔ تبع تابعین مراد ہیں جو قیامت تک کتاب خدا کے سچے وارث اور اسی کے مطابق ہادی ہوں گے اور جن کو خدا نے لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۔ فرمایا ہے اور اس آیت کی تفسیر میں بحوالہ شواہد التنزیل حاکم ابوالقاسم بیان کیا گیا ہے کہ خدا کی حجت اور خلق خدا کے گواہ حضرت علی اور ان کی اولاد ہیں تو حسب اصول موضوعہ کتاب خدا کے وارث بھی آئمہ معصومین علیہم السلام قرار پائے ۔ عجب نہیں کہ زمخشری کا بھی یہی منصوبہ ہو کیونکہ آنحضرت کے بعد صحابہ تابعین اور تبع تابعین میں ان کے سوا اور کون ہادی ہو سکتا ہے اس کی تائید حافظ ابوبکر نے بھی کی ہے انہوں نے صاف لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ بقول ابن حجر صاحب صواعق محرقہ تمام صحابہ میں جناب امیر کے سوا کسی نے سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ ۔ کا دعویٰ نہیں کیا یہ ظاہر ہے کہ اگر آپ کتاب خدا کے وارث نہ ہوتے تو ایسا دعویٰ نہ کرتے (منقول از حاشیہ مولانا فرمان علی صاحب)

اس آیت میں تین قسم کے لوگ ذکر کئے گئے ہیں ۔

(۱) ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ یہ تو انتخاب میں اس لئے نہیں آسکتے کہ اول تو ان میں اپنے نفس پر

ظلم کرنے کا عیب ہے دوسرے ان سے اوپر ایک طبقہ موجود ہے۔ مقتصد

(۲) مقتصد:- یہ بھی انتخاب میں نہیں آسکتے کیونکہ ان کے اعمال میں بدی شامل ہے دوسرے یہ کہ ان کے اوپر ایک طبقہ سابق بالخیرات کا ہے۔ اگر فاضل کے ہوتے مفضول کو ترجیح دی جائے گی تو یہ خلاف عقل وانصاف ہوگا۔

(۳) سابق بالخیرات:- یعنی نیکیوں کی دوڑ میں سب سے آگے رہنے والے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کون لوگ ہیں جہاں تک دائرہ عمل میں غور کیا جائے گا۔ حضرت علی سے آگے جانے والا کوئی نظر نہ آئے گا۔ کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ تمام مسلمانوں سے سات برس پہلے آپ نے رسول کے پیچھے نماز پڑھی اور مردوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے اظہار ایمان کیا۔ جہاد میں سب سے آگے آپ ہی رہے۔ سخاوت میں سب سے زیادہ سخاوت آپ ہی نے کی۔ حفاظت رسول میں سب سے آگے قدم آپ ہی کا رہا۔ زہد وورع میں سب سے بڑا حصہ آپ ہی نے لیا۔ چنانچہ اویس قرنی جیسا زاہد و تارک الدنیا یہ کہتا رہا "علی کے قدم کی خاک اویس کی آنکھوں کا سرمہ ہے"۔ سلمان و ابوذر و عمار جیسے زاہد علی کے دروازہ پر جبیں سائی اپنا فخر سمجھتے تھے۔

کتاب اللہ کی وراثت مال جیسی وراثت نہیں کہ ایک کے بعد دوسرے کی طرف از روئے قرابت نسبی منتقل ہو جائے خواہ وہ اہل ہو یا نااہل بلکہ وراثت کتاب تو اس سے متعلق ہوگی جو عالم کتاب ہو اور یہ مسلم ہے کہ تمام اصحاب رسول میں علی سے زیادہ عالم کوئی نہ تھا۔ صاحب ارجح المطالب نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ابن عباس نے فرمایا:

"میرا علم علی کے علم سے ہے اور علی کا علم نبی کے علم سے ہے اور نبی کا علم خدا کے علم سے ہے اور میرا اور تمام اصحاب محمد کا علم علی کے علم کے مقابل ایسا ہے جیسے سات سمندر کے مقابل ایک قطرہ"۔

وراثت کتاب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے حفظ کر لیا جائے یا بغل میں لئے رہیں

بلکہ یہ غرض ہے کہ آیات کے مفاہیم کو صحیح طریقہ سے سمجھایا جائے اور عمل کی صحیح صورت لوگوں کو بتائی جائے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اب وارث کتاب علمائے دین ہیں اگر علماء دین کے پاس صحیح علم ہوتا اور وہ کسی ایک تفسیر پر متفق ہوتے اور آیات متشابہات کی ایک ہی تاویل بالاتفاق بیان کرتے تو ایک دین کے تہتر فرقے نہ ہوتے۔

جو حقیقی وارث کتاب اللہ تھے حدیث ثقلین میں رسول اللہ نے ان کو کتاب کے ساتھ کر دیا تھا اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ اگر ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے پس جن لوگوں نے صرف کتاب سے تعلق رکھا اور اہلبیت کا دامن چھوڑ دیا وہ گمراہی سے نہیں بچ سکتے جو کتاب کا وارث ہوگا وہ کتاب کا پورا پورا علم اپنے سینہ میں رکھتا ہوگا اور جو لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے وارث بن گیا ہوگا وہ کیا بتا سکتا ہے کہ کتاب کے اندر کیا ہے اس کو ایک مثال سے سمجھیئے۔

ایک شخص کسی گھر سے ایک بکس چرا کر لے چلا۔ راستہ میں مشتبہ حالت میں پا کر پولیس والے نے ٹوکا کہ یہ بکس کس کا ہے اور کہاں لئے جاتا ہے چور نے دیدہ دلیری سے کہا۔ ہونا کس کا میرا ہے میرے ایک دوست کے یہاں رکھا تھا اب اسے گھر لئے جا رہا ہوں پولیس والا کہتا ہے کیا ہے اس کے اندر وہ کہتا ہے ہونا کیا میرے کپڑے ہیں پولیس مین نے کہا اس کی کنجی کہاں ہے اسے کھولو تاکہ میں دیکھوں کہ جو تم کہتے ہو وہی ہے۔ چور گھبرا کر کہتا ہے کنجی تو میں گھر بھول آیا اتنے میں بکس کا اصلی مالک و وارث دوڑا ہوا آتا ہے اور کہتا ہے یہ بکس میرا ہے یہ دیکھیئے میرے پاس کنجی ہے پولیس والا پوچھتا ہے کیا ہے اس کے اندر وہ کہتا ہے اس میں میرے وہ سرٹیفکیٹ ہیں جو میں نے مختلف اوقات میں حاصل کئے ہیں۔ غرض وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر بکس کھولتا اور دکھاتا ہے۔

(۱) دیکھیئے یہ میری پرخلوص ہمدردی کا سرٹیفکیٹ ہے۔ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ

(۲) یہ دیکھیئے میں نے حالت رکوع میں انگوٹھی دی تھی اس کی یہ سند ملی ہے۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ

(۳) ایک بار میں نے نذر کے تین روزے رکھے اور محتاجوں یتیموں اور قیدیوں کو کھانا دیا تھا اس کی سند یہ ہے۔ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا ہ

(۴) دیکھیے میرے پاکیزگی نفس کی یہ سند ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اہلَ

(۵) دیکھیے میں میدان جنگ میں جم کر لڑا تھا اس کی سند یہ ہے۔ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْص

(۶) دیکھیے میرے کمال ایمان کی یہ سند ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ

تم لم یرتابو پولیس والے نے کہا اچھا میں سمجھ گیا یہ کیس تمہارا ہی ہے یہ چور جھوٹا ہے میں اسے تھانے لئے جاتا ہوں۔

(۲۴۹) امام مبین کون ہے

پ۲۲ یس ع ۱۔ وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ہ (ہم نے ہر بات کو ایک واضح اور روشن پیشوا میں لکھ دیا ہے) حضرات اہلسنت نے امام مبین سے مراد قرآن کریم کو لیا ہے لیکن یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ قرآن کریم میں علم تو ہے عمل نہیں پھر ہر شے کا احصا کیسے ہوا۔ عدد اور احصا میں فرق ہے۔ عدد وہ شمار ہے جو زبان سے کیا جائے چونکہ ایسے شمار کرنے میں آدمی بھول جاتا ہے اس لئے عرب نے احصا کا طریقہ رکھا تھا یعنی کنکریوں پر شمار کرتے تھے تاکہ شمار میں غلطی نہ رہے یہ شمار کی عملی صورت ہے۔ حصاۃ عربی میں کنکری کو کہتے ہیں اسی سے احصا ہے جس کے معنی یہ ہیں۔ ایک کہا ایک کنکری رکھ دی دو کہے دوسری رکھ دی بیس کے بعد مثلاً اکیس آنے تو ایک کنکری اور رکھ دی اگر گننے میں بھول چوک ہوئی تو کنکریوں کو گن لیا شبہ رفع ہو گیا پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ ہر شے کا احصا علماً و عملاً امام مبین میں کر دیا ہے یعنی وہ ایسا امام ہے کہ اس کا عمل قرآن کے ساتھ ساتھ ہے نہ علم قرآن اس کے عمل سے جدا ہے نہ اس کا عمل قرآن سے جدا ہے رسول نے فرمایا ہے۔ علی مع القرآن والقرآن مع علی

اگر امام مبین سے قرآن کو مراد لیا جائے تو پھر اعمال کی عملی صورت کہاں سے لی جائے گی مثلاً نماز پڑھو قرآن کی تعلیم ہے لیکن کیسے پڑھو یہ قرآن نہیں بتاتا تو اب لا محالہ یہ طریقہ کسی سے سیکھنا ہوگا لہٰذا قرآن میں ہر شے کا احصا نہ ہوا برخلاف اس کے امام مبین سے اگر حضرت علی کو مراد لیا جائے تو وہ چونکہ من عندہ علم الکتاب کے مصداق ہیں لہٰذا اعلم کی تعلیم بھی دیں گے اور چونکہ معصوم ہیں لہٰذا جو عمل بتائیں گے وہ صحیح ہوگا۔

(۲۵۰) حبیب النجار کی تصدیق و دیگر واقعات

پ ۲۲ یٰس ع ۲۔ وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ اتَّبِعُوْا مَنْ لَا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ۔

(شہر کے اس سرے سے ایک شخص (حبیب النجار) دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا اے میری قوم ان پیغمبروں کا کہنا مانو۔ ایسے لوگوں کا کہنا مانو جو تم سے تبلیغ کی کوئی اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں)

اس آیت کی شان نزول یہ ہے۔

جب مقام انطاکیہ کے لوگوں میں گمراہی حد سے بڑھ گئی تو حضرت عیسٰی نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت یحییٰ اور حضرت یونس کو بھیجا جب یہ دونوں شہر کے قریب پہنچے تو ایک بوڑھے آدمی (حبیب النجار) کو دیکھا سلام کیا اس نے پوچھا تم لوگ کہاں جاتے ہو اور کس ارادے سے جاتے ہو انہوں نے کہا ہم اس شہر کے لوگوں کو خدا کی عبادت کی طرف متوجہ کرنے اور بتوں کی پرستش رد کرنے کے لئے آئے ہیں اس نے کہا تمہارے پاس کوئی دلیل اس کی ہے کہ تم خدا کے فرستادہ ہو۔ انہوں نے کہا ہم خدا سے دعا کر کے بیماروں کو اچھا کر دیتے ہیں اس نے کہا میرا لڑکا عرصہ سے بیمار پڑا ہے اور اطبا اس کے علاج سے عاجز آ گئے ہیں اُسے اگر اچھا کر دو تو میں جانوں کہ آپ لوگ اس دعوے میں سچے ہیں۔

فرمایا اسے ہمارے پاس لے آؤ۔ وہ دوڑا ہوا گیا اور اپنے لڑکے کو لے آیا۔ ان دونوں نے اپنے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ باری میں دعا کی وہ تندرست ہوگیا۔ یہ حال دیکھ کر حبیب فوراً ایمان لے آیا اور بت پرستی سے تائب ہوگیا۔ اس کے بعد یہ دونو شہر میں پہنچے اور بادشاہ تک رسائی حاصل کی اس سے بھی اس قسم کی باتیں کیں اس نے کہا اچھا تم لوگ ٹھہرو میں تمھارے معاملے میں غور کروں گا اس کے بعد یہ لوگ دوسروں کی ہدایت میں مشغول ہوئے ایک دن بادشاہ کی سواری جا رہی تھی کہ ان حضرات نے تکبیر کی آواز بلند کی اس کو بُرا معلوم ہوا اس نے حکم دیا کہ ان دونو کو ایک بت خانہ میں قید کر دیا جائے۔

جب یہ خبر حضرت عیسیٰ کو معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت شمعون کو جو آپ کے خلیفہ تھے انطاکیہ کی طرف روانہ کیا جب یہ وہاں پہنچے تو لوگوں نے پوچھا آپ یہاں کیسے آئے ہیں انہوں نے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ بادشاہ کے خدا کی پرستش کروں وہ یہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے ان کو عبادت کرنے کے لیے اس بت خانہ میں جانے کی اجازت دی جہاں یحییٰ اور یونس قید تھے۔

شمعون کچھ دنوں تک بادشاہ کے پاس آتے جاتے رہے بادشاہ کو ان سے انس و خلوص پیدا ہوگیا اور ریاستی امور میں ان سے مشورہ لینے لگا ایک دن موقع پاکر حضرت شمعون نے بادشاہ سے کہا یہ دو اجنبی کون ہیں جو بت خانہ میں قید ہیں۔ بادشاہ نے کہا یہ دونوں ایک نئے دین کا پیغام لے کر آئے تھے اس لیے میں نے دونو کو قید کر دیا ہے۔ شمعون نے کہا ہم ان دونو کو بلا کر پوچھیں تو جانیں یہ کہتے کیا ہیں۔

غرض وہ بلائے گئے شمعون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جب میں تمہیں بادشاہ کے سامنے بلاؤں تو میری شناسائی کا اظہار نہ کرنا میں تم سے بالکل اجنبی کی صورت میں گفتگو کروں گا۔ جب آئے تو شمعون نے ان سے کہا آپ لوگوں کے اندر کوئی کمال ہے جس سے پتہ چلے کہ آپ خدا یا اس کے رسول کے فرستادہ ہیں انہوں نے کہا ہاں ہمارے پاس ایک شخص

دلیل ہے۔ وہ یہ کہ ہم بیماروں کو اچھا کر دیتے ہیں اور مردہ کو زندہ کر دیتے ہیں اور یہ سب ہم باذن خدا کرتے ہیں۔ شمعون نے کہا یہ کیسے فرمایا ہم خدا سے دعا کرتے ہیں وہ ہماری دعا کو قبول کرلیتا ہے۔ شمعون نے بادشاہ سے کہا ان کا امتحان لینا چاہیئے۔ بادشاہ راضی ہوگیا ایک ایسے اندھے کو بلایا گیا جس کی آنکھوں کے نشان تک نہ تھے۔ شمعون نے کہا تم اس کو بینا کر سکتے ہو۔ انہوں نے کہا ضرور۔ دونو نے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ باری میں دعا کی دیکھتے دیکھتے اس اندھے کی دونو آنکھوں میں شگاف ہو گئے ان دونو نے ان شگافوں میں مٹی کے دو ڈھیلے رکھ دیئے دونوں آنکھیں اس کی روشن ہوگئیں بادشاہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔

شمعون نے کہا تمہارے خدا میں اور کیا قدرت ہے وہ بولے مردہ کو زندہ کر سکتا ہے انہوں نے کہا بادشاہ کے بیٹے کو مرے ہوئے عرصہ ہوگیا ہے کیا تم اسے زندہ کر سکتے ہو انہوں نے کہا ضرور۔ غرض شمعون مع ان کے اور بادشاہ کے اس کی قبر پر گئے دونو نے دعا کی۔ یکایک قبر شق ہوئی اور بادشاہ کا بیٹا زندہ ہو کر اس میں سے نکل آیا اور اس نے بیان کیا کہ میں ان دونو کی دعا سے زندہ ہوا ہوں میں ان دونو کو پہچانتا ہوں تب تو بادشاہ کی نظر میں ان کی بڑی وقعت ہوگئی اور بادشاہ ایمان لے آیا مگر اور لوگوں نے ان کی ہدایت پر عمل نہ کیا اور کفر پر اڑے رہے اور ان کو مختلف طریقہ سے ستانا شروع کیا تب حبیب النجار نے آکر ان کو اس ظلم سے روکنا چاہا ان بدبختوں نے اسے اتنا مارا کہ وہ بیچارہ مرگیا۔

حبیب النجار تین صدیقوں میں سے ایک ہے۔ صاحب صواعق محرقہ نے لکھا ہے کہ صدیق تین ہیں اول مومن آل فرعون (حزقیل) جس نے حضرت موسیٰ کی نبوت کی تصدیق کی۔ دوسرے حبیب النجار جس نے حضرت عیسیٰ کی تصدیق کی اور تیسرے علی ابن ابیطالب جنہوں نے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ کی تصدیق کی اور ان تینوں میں افضل حضرت

Marfat.com

علی ہیں کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے سیدالانبیاء والمرسلین کی تصدیق کی۔

اس واقعہ میں قابل غور امر طریقہ ہدایت ہے۔ یحییٰ اور یونس نے جو طریقہ اختیار کیا مقتضاء مصلحت وقت کے بالکل خلاف تھا اس لئے ان کو کامیابی نہ ہوئی اور حضرت شمعون نے جو طریقہ اختیار کیا وہ مناسب حال و مقام تھا البتہ ان کو کامیابی ہوئی اس لئے کہا جاتا ہے کہ تمام انبیاء فضائل و مراتب میں یکساں نہیں تھے۔

انبیاء کی تصدیق کرنے والوں میں سب سے پہلا شہید حزقیل ہے اللہ اس کی روح پر اپنی رحمت نازل کرے۔

(۲۵۱) قیامت میں اعضا کی گواہی

پ ۲۳ یٰس ع ۴۔ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے اور جو کارستانیاں یہ لوگ کرتے تھے خود ان کے ہاتھ ہم کو بتادیں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن زبان کی گواہی معتبر نہ ہوگی اسے خاموش کردیا جائے گا کیونکہ یہ دنیا میں بہت سے جھوٹ بول کر آئی ہوگی گواہی ان کی لی جائے گی جو کبھی دنیا میں جھوٹ بولتے ہی نہیں تھے اور چپ چاپ انسان کے افعال کو دیکھتے رہتے تھے زبان غیر معصوم ہے لہٰذا اس کی گواہی معتبر نہیں۔ انسان کے افعال کا زیادہ تر تعلق ہاتھوں اور پیروں سے ہے لہٰذا ان کی گواہی لی جائے گی۔

ہمارے اعضا درحقیقت خدائی جاسوس ہیں جو انسان کے ہر عمل کو خاموشی سے دیکھ رہے ہیں انسان سمجھتا ہے یہ میرے اعضا ہیں حالانکہ وہی اس کے خلاف گواہی دیں گے انسان اس وقت تعجب سے کہے گا۔ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی وہ کہیں گے اس ذات پاک نے ہمیں گویا کیا ہے جس نے ہر

کو قوت نطق دی ہے (الآیہ)

انسان کو ہر عمل سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے کیونکہ بہت سی آنکھیں اس کے عمل کو حسب صراحت قرآن دیکھنے والی ہیں چاہے وہ سات پردوں کے اندر ہی کوئی کام کیوں نہ کرے اوّل اللہ دیکھتا ہے دوسرے اس کا رسول دیکھتا ہے تیسرے اس کے مخصوص مومنین (آئمہ طاہرین) دیکھتے ہیں چوتھے کرام کاتبین۔ پانچویں اعضا۔ بتائیے اتنے دیکھنے والے موجود ہوں تو کوئی انسان اپنی بدکرداری کو کیسے چھپا سکے گا۔

---

(۲۵۲) رسول کو شعر گوئی کی ممانعت

پ ۲۳ یٰس ع ۵۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝

(ہم نے نہ اس کو (رسول) شعر کی تعلیم دی اور نہ شاعری اس کی شان کے لائق ہے یہ کتاب تو نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے)

شعر کہنا مطلقاً ممنوع نہیں البتہ شعر باطل کہنا ممنوع ہے اور شعر باطل وہ ہے جس سے انسان کے جذبات بر انگیختہ ہوں۔ عرب میں ایسے شاعروں کی بڑی قدر تھی۔ اگر آنحضرت شعر کہتے ہوتے تو عرب کے لوگ بجائے پیغمبر ماننے کے آپ کو شاعروں کے زمرہ میں لے لیتے باوجودیکہ آپ شعر نہیں کہتے تھے پھر بھی لوگ آپ پر شاعر ہونے کی تہمت لگاتے تھے اور قرآن مجید کو شاعری سمجھتے تھے لہٰذا اس خیال کی تردید کی گئی۔

مولانا محمد ہارون صاحب قبلہ مرحوم زنگی پوری نے اپنی کتاب نوادر الادب میں تحریر فرمایا ہے کہ اس الزام کو رفع کرنے کے لئے آنحضرت شعر کہہ ہی نہیں سکتے تھے آپ نے ایک شعر فرمایا تھا جو یہ ہے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کِذَاب ۔۔۔ اَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِب

(۲۵۴) قیامت میں محبت اہلبیت کا سوال ہوگا

پ۲۳ والصفت ع ۲:۔ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ۔

(انہیں روک لو ان سے کچھ پوچھنا ہے (اور کہا جائے گا) تمہیں کیا ہو گیا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے)

احادیث میں ہے کہ جب پل صراط سے لوگ گزریں گے تو ان کو روکا جائے گا اور منادی ندا کرے گا انہیں روک لو ابھی جنت میں نہ لے جانا ان سے کچھ پوچھنا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سوال توحید نبوت و قیامت کے متعلق تو نہ ہو گا۔ کیونکہ بغیر اس کے تو پل صراط کو عبور ہی نہ کر سکیں گے دوسرے کسی خاص امر کا امت محمدی کو حکم دیا گیا ہو گا جو توحید و نبوت و قیامت کے علاوہ ہو گا اس کے متعلق کچھ پوچھا جائے گا

وہ اجر رسالت کے سوا دوسرا امر نہیں ہو سکتا۔ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (اے رسول اپنی امت سے کہہ دو کہ میں اس کے سوا کوئی اجر تبلیغ رسالت کا نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ تم میرے ذوی القربیٰ سے محبت کرو) اس کے متعلق وہاں پوچھا جائے گا کہ تم نے اجر رسالت ادا کیا تھا یا نہیں اس کے متعلق رسول کی اور ذوی القربیٰ کی گواہی بھی لی جائے گی اگر یہ حضرات تصدیق کر دیں گے کہ اس شخص نے اجر رسالت ادا کیا تھا تب جنت میں جانے دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

روایت میں ہے کہ رسول اپنی امت سے سوال کریں گے کہ بتاؤ تم نے میرے بعد میرے اہلبیت کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور قرآن کو ان کے ساتھ کیا کیا تھا اس وقت کوئی راز دل چھپا نہ سکے گا جھوٹ بول نہ سکیں گے۔ جن لوگوں نے اہلبیت پر ظلم کئے ہوں گے وہ صاف صاف کہیں گے کہ یہ اجر ہم نے ادا نہ کیا تھا اس کے بعد حکم ہو گا انہیں آتش جہنم میں ڈال دو ان کا کوئی عمل مقبول نہیں کیونکہ انہوں نے تبلیغ رسول کا حق ادا نہیں کیا یہ دنیا سے

سے پیچھے رہے اور بھولے سے یہ خیال نہ آیا کہ ایک روز خدا اور رسول کی طرف سے اس کی باز پرس ہو گی۔

---

(۲۵۴) حضرت ابراہیم کا بتوں سے مکالمہ

پ ۲۳ والصفت ع ۳۔ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ۔ (پھر تو ابراہیم ان کے بتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا (تمہارے سامنے چڑھاوے رکھے ہیں) تم کھاتے کیوں نہیں اور تمہیں کیا ہو گیا بولتے کیوں نہیں)

ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم جانتے تھے کہ بت نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں تو پھر ایسا غیر ضروری سوال کیوں کیا وہاں تو کوئی بت پرست تھا بھی نہیں جو بتوں کے نہ کھانے اور نہ بولنے سے کوئی نتیجہ نکال سکتا۔

جواب یہ ہے کہ انسان کا بعض کلام اس کے واردات قلبی کا ترجمان ہوتا ہے اور غصہ میں بے اختیار اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے یہی صورت حضرت ابراہیم کے لئے بھی تھی انہیں معلوم تھا کہ ان بتوں کو لوگ خدا سمجھ کر پوجتے ہیں حالانکہ ان میں ذرا بھی دم خم نہیں نہ بولتے ہیں نہ کھاتے پیتے ہیں پھر یہ احمق انہیں کس وجہ سے اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں یہی خیال الفاظ کی صورت میں زبان پر ظاہر ہو گیا۔

(۲۵۵) حضرت ابراہیم کا خواب میں بیٹے کو ذبح کرنا

پ ۲۳ والصفت ع ۳۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ

مِنَ الصَّابِرِیْنَ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ وَنَادَیْنَاهُ اَنْ یَّا اِبْرَاهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِیْنُ ۔ وَفَدَیْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۔

(جب اسماعیل اپنے باپ کے ساتھ دوڑنے لگے تو ایک روز ابراہیم نے کہا بیٹا میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں خود تمہیں ذبح کر رہا ہوں بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ اسمٰعیل نے کہا ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے اسے بے تامل بجا لائیے انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے جب دونوں نے یہ ٹھان لی اور باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے آمادہ دیکھ کر آواز دی لے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا اب تم دونوں کو بڑے مرتبے ملیں گے ہم نیکی کرنے والوں کو یوں ہی جزائے خیر دیا کرتے ہیں بیشک یہ بہت بڑا سخت امتحان تھا ہم نے اسمٰعیل کا فدیہ ایک ذبح عظیم یعنی بڑی قربانی کو قرار دیا)

مذکورہ بالا آیات کے متعلق چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) جناب ابراہیم نے خواب میں حضرت اسمٰعیل ذبح کرتے دیکھا تو اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ خدا کا حکم ذبح کرنے کا ہے خواب خیال بھی ہو سکتا ہے۔

(۲) جب حکم خدا سمجھ گیا تو پھر اس امر میں بیٹے سے رائے لینے کی کیا ضرورت تھی

(۳) ایسا سخت امتحان قدرت نے کیوں لیا جو فطرت انسان کبھی گوارا نہیں کر سکتی

(۴) باپ کا اپنے ہاتھ سے بیٹے کو ذبح کرنا انتہائی قساوت قلبی کی دلیل ہے ایک نبی کے لئے اس کو کیوں پسند کیا گیا۔

(۵) جب حکم دیا تھا تو اسے واپس کیوں لیا۔ ذبح کیوں نہ ہونے دیا۔

(۶) حکم دینے اور واپس لینے میں کیا مصلحت تھی

(۷) ذبیح کو دنبہ سے کیوں بدلا۔

(۸) ذبیح عظیم کیا ہے۔

(۹) فدیہ قرار پانے کی صورت کیا ہوئی۔

(۱۰) ایک دنبہ کے ذبح ہونے میں اس کی کیا اہمیت تھی کہ اس کی یادگار قیامت تک باقی رکھنا ضروری ہوا۔

مفسرین بیچاروں نے ان سوالات کو حل کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور جنہوں نے کچھ تھوڑی سی فرمائی ہے وہ قابل تسکین نہیں۔

سب سے پہلے اس پر غور کرنا ہے کہ یہ خواب حضرت ابراہیم نے دیکھا کیوں انبیاء کا خواب شیطانی خواب نہیں ہوا کرتا ضرور یہ خواب خدا کی طرف سے دکھایا گیا۔

صاحب کتاب "ابن الذبیحین" علامہ احمد تبریزی جو فارسی زبان میں ہے لکھا ہے (یہ قلمی نسخہ میں نے وزیرالدولہ خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیراعظم ریاست پٹیالہ کے کتب خانہ میں دیکھا تھا افسوس ہے کہ یہ بیش بہا خزانہ تقسیم ملک کے وقت بری طرح لٹ گیا۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں :-

حضرت ابراہیم کے زمانہ میں ان کی قوم کے بیشتر لوگ ستارہ پرست تھے انہوں نے ہر ستارہ کا ایک ہیکل (مندر) بنا رکھا تھا ان میں چند ہیکل خاص تھے جیسے ہیکل زحل، ہیکل مشتری و ہیکل زہرہ۔ ان میں اور ہیاکل سے زیادہ تقدیس مانی جاتی تھی ان ہیاکل میں سیاروں کی فرضی مورتیاں بنا کر رکھی گئی تھیں جن کی روزانہ پوجا پاٹ ہوتی تھی۔

ہیکل زحل سب سے بڑا مندر تھا اس مورتی کے پجاری یہ نذر مانا کرتے تھے کہ فلاں بچہ جو حالت حمل میں ہے اگر لڑکا پیدا ہوگا تو ہم راہ خدا میں اس کو قربان کریں گے جب وہ لڑکا بارہ تیرہ برس کا ہو جاتا تھا تو پہلے ایک جشن منایا جاتا تھا اس کے بعد جلوس کی شکل میں اس لڑکے کو لے کر ہیکل زحل میں آتے تھے وہاں سنگ مرمر کی ایک لمبی سل ہوتی تھی

جس پر اس لڑکے کو لٹایا جاتا تھا اور اس خنجر سے جو زحل کی مورتی میں پڑا رہتا تھا اس معصوم بچہ کو ذبح کر دیا جاتا تھا۔ ذبح کے بعد اس لڑکے کے ماں باپ کو مبارک باد دی جاتی تھی اور اس کا خون تھوڑا تھوڑا لوگ بطور تبرک لے جاتے تھے اور آئندہ جس کسی کو اپنا لڑکا نذر کرنا ہوتا تھا یہ خون اس کے ماتھے پر اس طرح لگا دیا جاتا تھا جیسے ہندو تلک لگاتے ہیں۔

ان کا عقیدہ تھا کہ جس مذہب میں انسانی قربانی نہیں وہ مذہب برحق نہیں اور اس کے ماننے والوں کے لئے نجات نہیں۔

جب حضرت ابراہیم ان پر تبلیغ دین اسلام کرتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ ہم ایسے دین کو ہرگز نہیں مان سکتے جس میں انسانی قربانی نہیں خدا کو پسند ہی انسانی قربانی ہے جس مذہب میں انسانی قربانی نہیں وہ سچا مذہب ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ خدا کی منشاء کو پورا ہی نہیں کرتا ماں باپ کے لئے اس سے بڑھ کر ذریعہ تقرب نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے پارۂ جگر کو قربان کر دیں۔

حضرت ابراہیم سخت متشوش تھے کہ اس گمراہ قوم کو کس طرح سمجھائیں۔ اس قوم کی ہدایت کے لئے قدرت کی طرف سے یہ صورت ہوئی کہ حضرت ابراہیم کو خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے دکھایا گیا۔

جب اسمٰعیل کو ساتھ لے کر منیٰ میں پہنچے تو ان کی قوم کے بکثرت لوگ اس قربانی کو دیکھنے کے لئے وہاں پہنچ گئے اور آپس میں کہنے لگے اب ابراہیم ہمارے دین پر آ گئے ہیں لیکن جب بجائے اسمٰعیل کے دنبہ ذبح ہوا تو حضرت ابراہیم نے اس قوم سے کہا کہ اگر خدا کو انسان کی قربانی پسند ہوتی تو میرے بیٹے سے بڑھ کر قربانی کے لئے کون ہو سکتا تھا۔ یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی اور اسی روز سے انسانی قربانی کا سلسلہ بند ہو گیا۔

چونکہ اس واقعہ سے ایک بڑی رسم کا انسداد ہوا اور لاکھوں کروڑوں بے گناہوں کی

کی جانیں بچ گئیں لہٰذا اس کی یادگار قیامت تک باقی رکھنا ضروری سمجھا گیا۔ یہ دنبہ کی قربانی کی یادگار کا سلسلہ نہیں ہے بلکہ ایک رسم بد کی جڑ کٹنے کی یادگار ہے اگر حضرت اسمٰعیل کی قربانی ہو جاتی تو یہ رسم بد اور زور پکڑ جاتی اور انسداد کی بجائے گمراہی اور زیادہ پھیل جاتی یہ وجہ بھی خواب میں دکھانے اور اسمٰعیل کو ذبح سے بچانے کی۔

رہا مضمون خواب کا پورا نہ ہونا تو حضرت ابراہیم نے تو اپنی آمادگی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی ذبح کے جتنے مقصدات تھے سب پورے ہو چکے تھے یہاں تک کہ چھری بھی چلا دی گئی تھی پس جب نیت اور ارادہ فعل اس حد تک پہنچ جائے تو گویا وہ فعل وقوع میں آگیا۔

اس واقعہ نے تمام سوالات کے جوابات پیش کر دیئے رہا یہ امر کہ بیٹے سے کیوں رائے لی گئی۔ جواب یہ ہے کہ وہ اپنے خلوص کے ساتھ بیٹے کا خلوص بھی دکھانا چاہتے تھے بغیر ان کی مرضی حاصل کئے یہ فعل حضرت اسمٰعیل پر جبر ہوتا اور جبر کرکے ذبح کرنا مجبور پر ظلم ہوتا۔ چونکہ بے قصور محض رضائے الٰہی کے لئے ان کو ذبح کرنا تھا لہٰذا ان کی رائے لینی ضروری تھی۔

ذبح عظیم کو جو فدیہ قرار دیا گیا ہے وہ اس دنبہ کا فدیہ نہیں ہے بلکہ اسمٰعیل کا فدیہ ہے صورت اس کی یہ ہے کہ جناب اسمٰعیل کے ذبح سے بچانے میں ایک رسم بد کا انسداد ہوا۔ اگر ان کو نہ بچایا جاتا تو معلوم کب تک نوع انسانی پر یہ ظلم ہوتا رہتا۔ یزید کے زمانہ میں ایک دو نہیں بیشمار رسوم بد رواج پاگئی تھیں ان کا انسداد ایک جان کے بچانے سے نہیں ہو سکتا تھا بلکہ بہت سی قربانیوں کے بعد حق و باطل کے درمیان ایک حد فاصل قائم کی جا سکتی تھی اُدھر اتنی قربانیاں ہوں اور ان مظالم کے تحت ان کو ذبح کیا جائے کہ ان پر ذبح عظیم کا اطلاق ہو سکے۔ غور کیجئے جب ذبح اسمٰعیل کے واقعہ کو تا قیامت رکھنا اللہ تعالیٰ کو رکھنا منظور ہے تو واقعہ کربلا جو دنیا میں اپنی نظیر آپ ہے کیوں قیامت

Marfat.com

تک باقی رکھنا مقصود الٰہی نہ ہوگا۔

جہاں کسی ہادی دین کو قتل سے بچاکر انسداد ضلالت ہو سکتا تھا قدرت نے وہاں بچاکر کیا اور جہاں ہادیان دین کے قتل ہو جانے سے ہو سکتا تھا وہاں ان کے قتل ہونے سے بدکاریوں کا انسداد کر دیا اور ہر سال ان دونو واقعات کی یادگار باقی رکھنا ضروری سمجھا گیا۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ جب تک کسی رسم بد کے متعلق کوئی عظیم الشان واقعہ پیش نہیں آتا لوگ زیادہ غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ روم کے ایمفی تھیٹر کا واقعہ تاریخوں میں پڑھ لیجئے۔ سالہا سال سے ایسے انسانیت سوز کھیل تماشے ہو رہے تھے کہ دیکھنے والوں کے دل ہل جاتے تھے۔ "ایرینا" یعنی کشتی کا دنگل بڑا شاندار بنایا جاتا تھا جس پر ریشمی شامیانے تانے جاتے تھے یہ ایک گول دائرہ کی عمارت کے بیچ میں ہوتا تھا۔ پبلک تماشے دیکھنے کے لئے اوپر کی منزلوں میں بیٹھتی تھی۔ پہلے جانوروں کو جانوروں سے لڑایا جاتا تھا مثلاً شیر کے مقابل شیر یا کسی بیل کو چھوڑا جاتا اور پبلک تالیاں بجا بجا کر خون بہنے کا تماشہ دیکھتی۔ جب جانوروں کا خون بہہ چکتا اور ان کے بدن کے چیتھڑے اڑ چکتے تو پھر تلواریں لے کر آدمی میدان میں کودتے اور وہ چپاچپ تلواریں چلتیں کہ زمین سے خون ابلنے لگتا۔ ایک بار دو جوان میدان میں آئے تلواریں چلنے لگیں قریب تھا کہ وار ہونے لگیں کہ ایک نا شناس پادری مجمع سے اکھاڑے میں آ گیا اور دونو کے بیچ میں کھڑے ہو کر روکنے لگا اور کہنے لگا لوگو اس طرح انسان کے قیمتی خون کو پانی کی طرح نہ بہاؤ۔ خدا اس کو ناپسند کرتا ہے۔ پادری کا یہ روکنا ظلم پسند تماشائیوں کو ناگوار ہوا۔ ان کے منہ دنگل پڑا ہر طرف سے آوازیں آئیں پادری کو مار ڈالو۔ قتل کردو۔ یہ یہاں کہاں سے آمرا

پبلک کی یہ آوازیں سن کر ان دونو جوانوں نے تلواریں مار مار کر غریب پادری کے ٹکڑے کر دیئے تماشہ ختم ہو گیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اب لوگوں نے

ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا شروع کیا کہ یہ کیا ہوا۔ پادری اکھاڑے میں کیوں آیا وہ کیا چاہتا تھا اس کی خواہش بجا تھی یا بیجا۔ آخر قوم کے عقلا بہت جلد اس نتیجہ تک پہنچ گئے۔ کہ یہ تماشے نوع انسانی پر بے پناہ ظلم ہے ان کو بند کرنا چاہیے۔ غرض لوگ اس کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے اٹھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال ایفی تھیٹر ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا اور ہزارہا جاندار قتل ہونے سے بچ گئے۔

واقعہ کربلا نے یہی صورت اختیار کی جب لوگوں نے اس کی اہمیت پر غور کیا تو پتہ چل گیا کہ یزید دشمن اسلام ہے اس نے مسلمانوں میں فسق و فجور کو رواج دیا ہے۔ غرض واقعہ کربلا کے بعد حق و باطل کے درمیان ایک ایسی حد فاصل بن گئی جو قیامت تک کسی کے مٹائے نہ مٹے گی

(۲۵۶) یونس اور مچھلی

پ ۲۳ والصّٰفّٰت ع ۴:۔ وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ۝

(بیشک یونس پیغمبروں میں سے تھے (وہ وقت یاد کرو) جب یونس بھاگ کر ایک بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے تو اہل کشتی نے قرعہ ڈالا ان ہی کا نام نکلا اور یونس نے زک اٹھائی اور دریا میں گر پڑے تو ان کو مچھلی نگل گئی اور یونس خود اپنے کو ملامت کر رہے تھے اگر خود تسبیح و ذکر خدا نہ کرتے تو روز قیامت تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے پھر ہم نے ان کو مچھلی کے پیٹ سے باہر نکال کر ایک کھلے میدان میں ڈال دیا اور وہ نڈھال ہو گئے تھے اور ہم نے ان پر سایہ کے لئے) ایک کدو کا درخت اگایا)

حضرت یونس رسول تھے اور ایک لاکھ لوگوں کی طرف مبعوث کئے گئے تھے ان کی قوم نافرمان تھی گو وہ بار بار ان کو ہدایت کرتے رہے مگر ان کے کان پر جوں نہ رینگی۔ حضرت یونس نے مایوس ہو کر خدا سے نزول عذاب کے لیے دعا کی خدا نے کہا بھیجوں گا وقت کا کوئی تعین نہیں حضرت یونس نے اس خبر کے سنانے میں جلدی کی۔ جب عذاب میں تاخیر ہوئی تو قوم نے ان کا مذاق اڑایا تو وہ خفا ہو کر وہاں سے چل دیئے جب ایک دریا کے کنارے پہنچے تو دیکھا کشتی جانے کے لیے تیار ہے۔ یہ بھی اس میں بیٹھ گئے۔ کشتی چلی اور کچھ دیر بعد ایک گرداب میں پھنس گئی۔ کشتی والوں نے کہا ضرور کوئی ہم میں ایسا غلام ہے جو اپنے آقا کی نافرمانی کر کے بھاگا ہے اسے کشتی سے باہر پھینک دینا چاہیئے الغرض سب کے نام لکھ کر قرعہ ڈالا گیا تو حضرت یونس کا نام نکلا کشتی والوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ انہیں پکڑ کر دریا میں ڈال دیا کشتی کے پاس ہی ایک مچھلی منہ کھولے کھڑی تھی اس نے فوراً ہی انہیں نگل لیا۔

تین روز تک وہ انہیں اپنے پیٹ میں لئے دریا میں گھومتی رہی اور یونس اس کے شکم میں تسبیح خدا کرتے رہے آخر بحکم خدا مچھلی نے اسی کنارہ پر آ کر انہیں اگل دیا۔ بہت کمزور ہو گئے تھے بدن کی کھال بہت ملائم ہو گئی تھی۔ چلنے کی طاقت نہ رہی تھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اسی وقت ایک کدو کا درخت وہاں اگا دیا۔ یونس چلتے چلتے اس درخت سے لپٹ گئے اور جب بدن میں طاقت آئی تو پھر اپنی قوم کی طرف چلے۔

یونس کے جانے کے بعد عذاب الٰہی اس قوم کے سروں پر آ لٹکا۔ دیکھ کر وہ لوگ گھبرا گئے اور سب دریا پر مع اپنے گھر والوں کے نکل کھڑے ہوئے اور رو رو کر طلب گار فریاد کرنے لگے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ اگر عذاب ہٹ جائے تو ہم سب یونس پر ایمان لے آئیں گے چنانچہ وہ سب ایمان لائے جب انہوں نے یونس کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور بڑے احترام سے ان کو بستی میں لے آئے۔

اس قصہ میں چند باتیں قابل غور ہیں:

(۱) یونس کا غصہ خدا پر تھا کہ نزول عذاب میں دیر کیوں کی یا قوم پر کہ تاخیر عذاب میں ان کی سرکشی بہت زیادہ ہوگئی تھی اور بددل ہو کر وہاں سے چل دیئے ہوتے۔

جواب یہ ہے کہ یہ غصہ معاذاللہ خدا پر نہ تھا بلکہ قوم کی سرکشی پر تھا۔ معاذاللہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک رسول خدا پر غصہ کرے اور جس بنا پر وہ مصیبت میں گھرے یہ تھی کہ انہوں نے صبر و ضبط سے کام کیوں نہیں لیا اور جس حال میں بھی تھے نزول عذاب کے منتظر کیوں نہ رہے اسی ترک اولیٰ نے ان پر مصیبت نازل کی۔

(۲) کیا وجہ تھی کہ یونس تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہے اور ان کا بال بیکا نہ ہوا۔ عندالعقل یہ بات محال معلوم ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرات انبیاء و مرسلین کے اجسام طاہرہ کا قیاس عام لوگوں کے اجسام پر نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک یہ حضرات خود نہ چاہیں دنیا کی کوئی طاقت انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی اس کی بہت سی مثالیں ہیں حضرت ابراہیم کو آگ کے شعلے ضرر نہ پہنچا سکے۔ صندوق موسیٰ کو دریائے نیل کی موجیں نہ ڈبو سکیں۔ انبیاء و مرسلین تو اپنے مقام پر ہیں۔ اصحاب کہف کو دیکھو کہ ہزار ہا سال سے غار کے بطن میں پڑے سو رہے ہیں اور کسی مادہ ارضی نے ان کے اجسام کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے کرشمے یونہی دکھایا کرتا ہے۔

(۳) کدو کے درخت میں کیا خصوصیت تھی کہ اگایا گیا پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی نشوونما بہت جلد ہوتی ہے دوسرے اس کے پتے بڑے ہوتے ہیں جن کا گھنا سایہ ہوتا ہے مقصود یہ تھا کہ یونس اس کے پتوں کے سایہ میں دھوپ سے بچے رہیں۔ تیسرے اس کے پتوں پر مکھی نہیں بیٹھتی چونکہ کھال نہایت نرم ہوگئی تھی اس لئے مکھی سے بچانا منظور تھا۔

(۲۵۷) حضرت داؤد کو خدا نے ملک بھی دیا تھا اور عقل و حکمت بھی

پ ۲۳ ص ع ۲:- وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ - (ہم نے ان کی سلطنت

کو مضبوط کیا اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کی قوت عطا کی)

اللہ تعالیٰ نے جن انبیا کو سلطنت عطا فرمائی تو ان کو مقدمات کے فیصلہ کرنے کے لئے خاص طور قوت فیصلہ بھی عطا کی تاکہ غلط فیصلہ کرنے سے محفوظ رہیں ایک بار حضرت داؤد کی کچہری میں ایک شخص نے دعویٰ دائر کیا کہ فلاں شخص نے میری گائے چرالی ہے آپ نے مدعی سے گواہ طلب کئے اور دوسرے دن فیصلہ کا وعدہ کیا۔ شب میں مدعا علیہ کے قتل کا خواب میں حکم ہوا۔ آپ بیدار ہوئے تو بہت پریشانی لاحق ہوئی کیونکہ چوری سے قتل کا کیا تعلق۔ آپ نے اس روز بھی فیصلہ کو ٹال دیا اور تمام دن اس مسئلہ پر غور کرتے رہے۔ دوسری رات کو آپ نے پھر وہی خواب دیکھا تب آپ کو یقین ہوگیا مدعا علیہ واجب القتل ہے۔ آپ کو مگر سبب قتل معلوم نہ ہوا۔ مدعا علیہ کو بلایا اور اس سے کہا سچ سچ بتاؤ تم نے یہ گائے کس طرح حاصل کی۔ مجھے واقعات کا علم ہوگیا ہے اس نے کہا میں نے مدعی کے باپ کو قتل کرکے اس کی گائے پر قبضہ کیا تھا۔ جب اس نے اقرار کرلیا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ چونکہ قتل کا واقعہ لوگوں پر مخفی تھا اور حضرت داؤد نے اس کو ظاہر کیا تو اس روز سے آپ کی رعایا پر آپ کا رعب و دبدبہ اس حد تک ہوگیا کہ لوگ جرائم کرنے میں اس لئے خوف کرنے لگے کہ آپ پر ان کا ضرور انکشاف ہو جائے گا۔

(۲۵۸) حضرت داؤد کے سامنے ایک عجیب مقدمہ

پ ۲۳ ص ع ۲: هَلْ اَتٰكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى
دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ
بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ
تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ
قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ

بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ وَظَنَّ

دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاکِعًا وَّاَنَابَ ۔

(اے رسول کیا تم تک ان دو دعویداروں کی خبر پہنچی ہے کہ جب وہ حجرہ (عبادت) کی دیوار پھاند پڑے اور داؤد کے پاس آ کھڑے ہوئے تو وہ ان سے ڈر گئے ان لوگوں نے کہا آپ ڈریں نہیں ہم دونو ایک مقدمہ کے فریقین ہیں کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے آپ ہمارے درمیان صحیح صحیح فیصلہ کر دیجئے اور انصاف سے نہ گزریے اور ہمیں سیدھی راہ دکھا دیجئے)

(روئداد یہ ہے کہ) یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہے ۔ اس پر بھی یہ مجھ سے کہتا ہے کہ یہ دنبی بھی مجھ کو دیدے اور بات چیت میں بھی بہت سختی کرتا ہے ۔حضرت داؤد نے (بغیر اس کے کہ مدعا علیہ سے کچھ پوچھیں) کہہ دیا یہ تیری دنبی کو جو اپنی دنبیوں میں ملانا چاہتا ہے تو یہ تیرے اوپر کھلا ظلم ہے اور اکثر شرکا ایک دوسرے پر ظلم کیا ہی کرتے ہیں ۔ مگر جن لوگوں نے سچے دل سے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے (وہ ایسا نہیں کرتے) اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں یہ سن کر وہ دونوں چل دیئے اب حضرت داؤد نے سمجھا کہ ان کا امتحان ہوا اور وہ ناکامیاب رہے پس خدا سے بخشش کی دعا مانگنے لگ

حضرت داؤد کو ایک بار یہ خیال ہوا کہ مجھ سے بہتر فیصلہ کرنے والا دنیا میں کوئی نہیں بس پھر کیا تھا آ گئے معرض امتحان میں ۔ وہ ایک روز مقدمات کے فیصلے کرتے اور ایک روز اپنے ضروری کام انجام دیتے ۔ ایک روز تمام دن عبادت کرتے ۔ عبادت کے دن حجرہ کے دروازے بند کر لیتے اور کسی کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دیتے ایک دن مشغول عبادت تھے کہ دو فرشتے بشکل انسان وہاں آ موجود ہوتے اور اپنا مقدمہ پیش کیا جس کا ذکر آیت میں ہے ۔ آپ نے جو فیصلہ کیا وہ اس لئے صحیح نہ تھا کہ نہ تو آپ نے مدعی سے گواہ طلب اور نہ مدعا علیہ کا بیان لیا ۔ جب دونوں فرشتے چل دیئے تب ان کو خیال آیا کہ یہ میرا امتحان

Marfat.com

اور میں اس میں ناکامیاب ہوگیا۔ اس بنا پر گریہ وزاری کی اور اتنا روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت داؤد نے اپنے مرتبہ تقرب میں اضافہ کے لئے خود خدا سے امتحان لینے کی درخواست کی تھی۔

کتنا فرق ہے حضرت داؤد اور حضرت علی میں۔ حضرت علی نے بیشمار قضیے فیصل کئے لیکن کبھی کوئی فیصلہ غلط نہ ہوا اور عرب میں یہ ضرب المثل بن گیا:۔ قَضِيَّةٌ وَلَا اَبَا حَسَنٍ لَهَا (قضیہ تو ہے مگر اس کے فیصلہ کرنے والے علی نہیں) اور رسول نے فرمایا:۔ اَقْضَاكُمْ عَلِيٌّ (تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں)

عہد خلافت خلیفہ ثانی میں حضرت علی نے ایک قضیہ کا فیصلہ کیا اور جب عمر نے کہا اس کا ثبوت قرآن سے دیجئے تو آپ نے فوراً آیت پڑھ دی انہوں نے کہا اے علی آپ بہت جلد آیت پڑھ دیا کرتے ہیں اور قضیہ کا فیصلہ بھی جلد کر دیا کرتے ہیں آپ کو یہ خوف نہیں ہوتا کہ جلدی میں غلط فیصلہ ہو جائے فرمایا۔ اے عمر یہ بتاؤ۔ تمہارے ہاتھ میں کے انگلیاں ہیں انہوں نے کہا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ پانچ ہیں فرمایا تم نے جواب دینے میں جلدی کی۔ انہوں نے کہا اس میں جلدی کیسی۔ یہ پانچوں میری نظر کے سامنے ہیں۔ فرمایا جس طرح یہ انگلیاں تمہاری نظر کے سامنے ہیں اسی طرح کائنات کا ورق علی کی نظر کے سامنے ہے

---

(۲۵۹) سلیمان کے گھوڑوں کا قصہ

پ۲۳ س ص ع ۱۳۔ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ [illegible] الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ [illegible]

(ایک روز شام کے وقت حضرت سلیمان کے [illegible]

پیش کئے گئے تو ان کے سامنے [illegible]

آیا تو کہنے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد کو مال کی الفت پر ترجیح دی یہاں تک کہ آفتاب مغرب کے پردہ میں چھپ گیا تو بولے اچھا ان گھوڑوں کو میرے پاس لاؤ جب آئے تو ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے)

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اس پر حسب ذیل حاشیہ لکھا ہے:-

آپ نے ان گھوڑوں کی قربانی کردی اور ان کا گوشت لوگوں میں تقسیم کر دیا لکھتے ہیں حضرت سلیمان کا ارادہ دمشق اور نصیبین کے کفار پر چڑھائی کا تھا اس کی تیاری میں عمدہ گھوڑے آپ نے اپنے سامنے طلب کئے تھے آپ ان کو دیکھنے میں ایسے منہمک ہوئے کہ آخری وقت جو دعائیں اور وظائف پڑھتے تھے ترک ہو گئے اور آفتاب غروب ہو گیا اس کا آپ کو اتنا صدمہ ہوا کہ باوجودیکہ یہ بھی ایک امر خیر تھا کہ جہاد کی غرض سے گھوڑے چنے جا رہے تھے مگر یہ چونکہ اپنے ذاتی شوق کی چیز تھی لہذا ان مستحبی وظائف کے ترک ہونے کے کفارہ میں گھوڑوں کو کاٹ ڈالا۔

معلوم یہ روایت مولانا نے کہاں سے لی ہے جہاد کے لئے تیاری مستحبات بجا لانے سے زیادہ اہم و اعظم تھی ایسی صورت میں کفارہ کیسا۔ کیا وہ کوئی ان کا ذاتی کام تھا کیا یہ کام داخل عبادت نہ تھا آیت میں ٹانگوں وغیرہ کے کاٹنے کا ذکر نہیں بلکہ ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے کا ہے۔

مولانا امداد حسین صاحب قبلہ کاظمی نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے تفسیر صافی صـ۴۳۳ پر بحوالہ کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ ایک دن شام کے وقت حضرت سلیمان کے سامنے گھوڑے پیش ہو رہے تھے اور وہ ان کے دیکھنے میں مشغول تھے کہ سورج چھپ گیا پس انہوں نے فرشتوں سے کہا کہ اس کو ہمارے لئے لوٹا دو تا کہ نماز ٹھیک وقت پر پڑھ لیں۔ چنانچہ لوٹا دیا گیا۔ حضرت سلیمان کھڑے ہوئے اور اپنی دونوں پنڈلیوں اور گردن پر مسح کیا اور ان لوگوں کو جن کی نماز ان کے

ساتھ ہونے والی تھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا کیونکہ نماز کے لئے ان کا وضو یہی تھا۔ جب نماز پڑھ لی تو سورج غروب ہو گیا۔

حضرت سلیمان کے لیے ردِ شمس کا ذکر نہ ادعیہ ماثورہ میں ہے نہ احادیث معتبرہ میں۔ حضرت یوشع بن نون اور حضرت علی کے لیے تو ادعیہ میں ہے سلیمان کے لئے نہیں۔ روضۃ الصفا میں حضرت علی سے ردِ شمس کی روایت منقول ہے۔ بہ حال صافی کی حدیث سے یہ مطلب صاف ہو گیا کہ حضرت سلیمان نے گھوڑوں کو کاٹا نہیں تھا نہ کوئی وجہ ان کے کاٹنے کی تھی اگر ترک اولیٰ ہوا تھا تو اس کے لئے استغفار کرنا تھا جیسا اور انبیاء نے کیا نہ کہ بے قصور گھوڑوں کو کاٹنا۔ کرے کوئی بھرے کوئی۔ مسح کرنے سے مراد گھوڑوں کی ٹانگوں یا گردن کا مسح کرنا مراد نہیں بلکہ اپنی ٹانگوں اور گردن کا مسح کرنا ہے اور یہی قرین قیاس ہے یعنی وقت کی تنگی کے لحاظ سے بجائے وضو تیمم کر لیا گیا اس شریعت میں تیمم کا یہی طریقہ ہو گا۔

صاحب تفسیر انوار النجف آیہ انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی کے متعلق لکھا ہے کہ ذکر سے مراد توریت ہے مطلب آیت کا یہ ہے حضرت سلیمان نے فرمایا میں نے اپنے پروردگار کی کتاب توریت کی وجہ سے گھوڑوں سے محبت کی یہاں تک کہ سورج غروب ہو [illegible]

روایت عامہ میں ہے کہ [illegible] گھوڑے آپ کے سامنے پیش ہوئے [illegible] کا معائنہ کرتے کرتے نماز کا وقت چلا گیا تو آپ نے وہی گھوڑے واپس بلوائے اور ان کی ٹانگیں اور گردنیں کاٹ ڈالیں کیونکہ ان کی وجہ سے نماز قضا ہوئی تھی اور اس فعل کے عذاب میں سلیمان سے [illegible] ان کی سلطنت چھین لی گئی [illegible] روایت امیر المومنین نے [illegible] فرمایا یہ بالکل جھوٹ ہے بلکہ حضرت سلیمان [illegible] گھوڑوں کا معائنہ فرما [illegible] یہ کام بھی ان کا ذکر تھا اور [illegible] ذکر پروردگار سے [illegible] ہو گئے [illegible] [illegible] نظروں سے [illegible]

(۲۶۰) کرسی سلیمان پر ایک مُردہ جسم

پ ۲۳ س ص ع ۱۲۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ۔

(اور ہم نے سلیمان کا امتحان لیا اور ان کے تخت پر ایک بے جان دھڑ لاکر گرا دیا)

مولانا فرمان علی صاحب نے اپنے مترجمہ قرآن پر حسب ذیل حاشیہ لکھا ہے۔

حضرت سلیمان کے لشکر میں جہاں آدمی تھے، جنات بھی تھے یہ جنات چاہتے تھے کہ حضرت سلیمان کے اولاد نہ ہو تاکہ سلطنت کے مالک وہی ہو جائیں سلیمان کو ان کی نیت کا پتہ چل گیا۔ ایک روز فرمایا میری ستر بیبیاں ہیں سب کے پاس جاؤں تو ستر بیٹے پیدا ہوں مگر آپ نے اس وقت انشاءاللہ نہ کہا۔ پیغمبر کے لئے اتنی بات بھی شان نبوت سے گرتی ہوئی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے اگرچہ ستر بیبیوں سے صحبت کی مگر صرف ایک بی بی سے لڑکا پیدا ہوا اور وہ بھی مردہ بے جان۔ لوگوں نے اس کو آپ کے تخت پر لاکر ڈال دیا کہ لیجئے یہی وارث تاج وتخت ہے جب آپ کو انشاءاللہ نہ کہنے کا خیال آیا تو بارگاہ باری میں توبہ کی اور گریہ وزاری بھی۔ ..

اس روایت میں چند امور غور طلب ہیں۔

(۱) جنات کا یہ چاہنا کہ ان کے اولاد نہ ہو کیا حقیقت رکھتا ہے۔ کیا اولاد دینا جنات کے بس میں تھا کیا ان کو اولاد دینے یا نہ دینے میں کوئی اختیار حاصل تھا۔

(۲) کیا واقعی حضرت سلیمان کے محلات میں عورتوں کی چھاؤنی تھی۔ جس میں ستر عورتیں قیام پذیر تھیں۔ بعض راویوں نے تو تین سو تک لکھی ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ سرکار خاتم الانبیاءؐ تک ازواج کی یہ کثرت کہیں اور نہیں پائی جاتی اس کی کوئی وجہ معلوم ہونی چاہیئے۔ بیشک حضرت سلیمان کو ایک بہت بڑی سلطنت دی گئی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ عورتوں کو اس کثرت سے رکھنے کی بھی ان کو اجازت ہو۔ یہ صرف محلات کی زینت تھیں یا ان سے

مباشرت بھی ہوتی تھی۔ مباشرت کی بھی ایک حد ہوتی ہے ۔

(۳) لوگوں نے طنزاً یہ کیوں کہا لیجیئے یہ ہے وارث تخت و تاج ۔ ضرور اس میں کوئی نئی ہے

(۴) انشاءاللہ نہ کہنا اول تو ایک نبی کے لئے محل تعجب ہے اور اگر بالفرض نہ بھی کہا تھا تو اس کی یہ سزا کہ اولاد ذکور سے انہیں محروم کر دیا گیا اور سلطنت کو ان کے گھر سے نکال لیا گیا یہ ترک اولیٰ تھا اس کی اتنی بڑی سزا نہ ہونی چاہئے تھی ۔ تو یہ استغفار پر یہ گناہ بخش دیا جاتا اور اولاد سے ان کو محروم نہ کیا جاتا ۔

بات اتنی تھی کہ جناب سلیمان کی ازواج میں ایک بی بی ایسی تھیں جن سے ان کو زیادہ الفت تھی ۔ وہ چاہتے تھے کہ اس کے اولاد ہو تو اسے وارث سلطنت بنائیں لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا لہٰذا اس کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوا وہ مردہ تھا ۔ جو لوگ سلیمان علیہ السلام کی اس تجویز کے مخالف تھے وہ خوش ہوئے اور انہوں نے طنزاً اس مردہ بچہ کو تخت پر لا کر رکھ دیا اس سے معلوم ہوا کہ وارث سلطنت بنانا کسی نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا جس کو خدا چاہے بنائے ۔ (تاریخ الانبیاء فارسی مطبوعہ ایران)

حضرت داؤد علیہ السلام کے کئی بیٹے تھے اپنی ایک محبوبہ بی بی کے بیٹے کو سلطنت دینا چاہتے تھے لیکن خدا نے حکم دیا کہ ان سب سے کچھ سوالات کیے جائیں جس کے جوابات بہتر ہوں اسے بتایا جائے جناب سلیمان کے جوابات سب سے بہتر تھے لہٰذا انہی کو حضرت داؤد کا جانشین بنایا گیا ۔

ملک سلیمان اور تسخیر جنات

۲۳ ص ع ۳ ۔ قال رب اغفر لی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب فسخرنا لہ الریح تجری بامرہ رخاء حیث اصاب والشیاطین کل بناء و غواص و آخرین مقرنین فی الاصفاد ھذا عطاؤنا فامنن او

اَمۡسِكۡ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ۔ (سلیمان نے کہا پروردگار مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے واسطے شایان شان نہ ہو اس میں شک ہی نہیں کہ تو بڑا بخشنے والا ہے تو ہم نے ہوا کو ان کا تابع کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے تھے ان کے حکم کے مطابق دھیمی چال سے چلتی تھی اسی طرح جتنے شیاطین (دیو) عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے تھے سب کو تابع کر دیا اس کے علاوہ دوسرے دیووں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور (ہم نے کہا) اے سلیمان یہ ہماری بے حساب عطا ہے پس چاہے اسے لوگوں کو دے کر احسان کر دیا سب اپنے ہی پاس رکھ لو تم سے کوئی حساب نہ ہوگا)

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حضرت سلیمان کی خودغرضی تھی کہ ایسا ملک مانگا جو ان کے بعد کسی کو ملے ہی نہیں لیکن یہ غلط فہمی ہے ایک نبی کے دل میں ایسے خیالات گردش کر ہی نہیں سکتے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ خاصان خدا میں کم سے کم ایک شخص ایسی خصوصیات کے ساتھ بادشاہ ہو کہ اس کے بعد دنیا کے کسی بادشاہ کو اس قسم کی حکومت ملے ہی نہیں تاکہ کسی کو خاصان خدا کے مقابل فخر و مباہات کا موقع نہ ملے اور وہ خصوصیت یہ تھی کہ ہوا کو جنات کو اور تمام حیوانات کو مسخر کر دیا تھا اس کی تردید میں کہ شاید سلیمان ایسی بڑی مخصوص سلطنت کو خدا کے نزدیک کوئی بڑا عطیہ سمجھتے ہوں ان کو جتا دیا گیا کہ یہ خدا کے نزدیک کوئی بڑی چیز نہیں بہت معمولی ہے چاہے کسی کو دے ڈالو یا اپنے پاس رکھے رہو اس کا کوئی حساب تم سے نہ ہوگا۔

بعض مفسرین نے جنات سے مراد وہ دیو پیکر انسان لئے ہیں جو نہایت وحشی اور سرکش تھے لیکن یہ صحیح نہیں۔ جنات بجائے خود خدا کی ایک مخلوق ہیں جن کو قرآن کریم میں انسان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اگر وہ انسان ہوتے تو علیحدہ سے ذکر کرنے کی

ضرورت نہ تھی۔ جناب سلیمان کے عمل تسخیر سے یہ لوگ بصورت انسان ان کے سامنے حاضر ہو گئے تھے یہ دو قسم کے جن تھے ایک وہ جنہوں نے بخوشی حضرت سلیمان کی اطاعت قبول کر لی تھی دوسرے وہ سرکش و نافرمان جو ان کی سلطنت میں رخنہ ڈالتے تھے اور آپ کے تابعین کو ستاتے تھے۔ حضرت سلیمان نے ان کو گرفتار کرا کے زنجیروں سے جکڑ دیا تھا وہ حضرت سلیمان کی سلطنت کے آخر تک برابر جکڑے پڑے رہے۔

۲۶۲ خلقت انسانی میں قدرت کا کمال

پ۲۳ الزمر ع۱ ۔ یَخْلُقُکُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ

(خدا وہ ہے جس نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک قسم کی پیدائش کے بعد دوسری قسم (نطفہ سے جما ہوا خون کا لوتھڑا) کی پیدائش سے تہ بہ تہ اندھیروں (جھلی۔ رحم اور پیٹ) میں پیدا کرتا ہے)

مصور جب کوئی نقش بناتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ کسی ساکن ہوا اور روشنی ہو۔ لیکن مصور قدرت کی کاریگری دیکھو کہ نقش انسانی کو اس نے ایک سیال (نطفہ) سطح کے اوپر بنایا اور پیٹ رحم جھلی تین پردوں کے اندر انتہائی تاریکی میں بنایا جو کیا بنایا کوئی نہیں جانتا اندر ہی اندر سب کچھ بنتا رہا لیکن زمانہ کو خبر کیا بن رہا ہے لڑکی ہے یا لڑکا۔ کالا ہے یا گورا۔ ناقص الخلقت ہے یا کامل الخلقت۔ سعید ہے یا شقی نہایت احسن جب مکمل کر لیتا ہے تو ایک ایسے راستے سے باہر نکالتا ہے جس سے نکلنے کی امید نہیں کی جا سکتی تھی یہ اس کی قدرت کے عجیب و غریب کرشمے ہیں اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے رزق کا بندوبست کر دیتا ہے۔ سبحانہ ما اعظم شانہ

(۲۶۳) خواب میں رُوح کہاں جاتی ہے

پ۲۴ الزمر ع ۵ : ۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۔

(خدا ہی لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں (اپنی طرف) کھینچ بلاتا ہے اور جو لوگ نہیں مرتے ان کی روحیں ان کی نیند میں کھینچ لی جاتی ہیں پس جن کے بارے میں خدا موت کا حکم دے چکا ہے ان کی روحوں کو روک لیتا ہے باقی (مرنے والوں کی روحوں) کو پھر ایک مقررہ وقت تک کے لئے واپس بھیج دیتا ہے)

انسان مجموعہ ہے تین چیزوں کا بدن نفس اور روح ۔ نفس کا جسم بھی مادی جسم جیسا ہوتا ہے لیکن وہ برزخی مادہ کا بنا ہوا ہوتا ہے اسے ہم چھو نہیں سکتے ۔ خواب میں جو لوگ ہم کو نظر آتے ہیں وہ برزخی یا مثالی بدن والے ہوتے ہیں ۔ اسی طرح جو چیز بھی ہم خواب میں دیکھتے ہیں وہ اسی مادہ کی ہوتی ہے ۔

نفس بدن کے ہر حصہ پر چھایا ہوا ہوتا ہے جب آدمی سونے لگتا ہے تو نفس ہلکے ہلکے اس سے علیحدہ ہونا شروع ہو جاتا ہے اگر بالکل علیحدہ ہو جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے خواب میں وہ بالکلیہ علیحدہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا ایک حصہ بدن سے متصل رہتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی کیڑا کاٹتا ہے یا کوئی بدن کو ہلاتا ہے تو وہ فوراً سارے جسم پر چھا جاتا ہے ۔ موت کے وقت اس کا تعلق بالکل قطع ہو جاتا ہے ۔

بحالتِ خواب جب ہمارا نفس بدن سے الگ ہوتا ہے تو وہ اپنی برزخی آنکھوں سے خواب میں لوگوں کو دیکھتا ہے کیونکہ ان کے نفوس بھی برزخی ہوتے ہیں اور دیکھنے والا نفس بھی اس وقت بدن قید کرنے سے آزاد ہوتا ہے ۔ ایک مثال کے ذریعہ سے سمجھیئے :۔

ایک آدمی بھوکا سوتا ہے وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ ایک باغ کے اندر ہے جہاں

کے دوست کا ہے اس کا دوست مختلف قسم کے میوے اس کے سامنے لاکر رکھتا ہے وہ کھانے لگتا ہے یہاں تک کہ شکم سیر ہو جاتا ہے اس کے ہاتھ اور منہ پھلوں کی شیرینی سے چپکنے لگتے ہیں۔ یکایک آنکھ کھل جاتی ہے۔ اب اس کے پیٹ میں کچھ نہیں۔ جیسا بھوکا سویا تھا ویسا ہی بھوکا اٹھا نہ ہاتھ چپک رہے ہیں نہ منہ۔ معلوم ہوا کہ اس کھانے کا تعلق بدن مادی سے نہ تھا بلکہ بدن نفسی یا برزخی سے تھا اور پھل بھی مادی نہ تھے بلکہ برزخی تھے جس کی لذت نفس لے رہا تھا بدن مادی سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

روح عالم امر سے تعلق رکھتی تھی عالم خلق سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا بہت تھوڑا سا علم دیا ہے۔ نفس کی طرح روح میں تمام اعضاء نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک نورانی چیز ہے جو نفس پر چھائی رہتی ہے اس سے نفس میں حرکت پیدا ہوتی ہے یعنی نفس بدن میں حرکت پیدا کرتا ہے جب انسان مرتا ہے تو نفس اور روح دونوں اس سے جدا ہو جاتے ہیں اور سیدھے عالم برزخ میں پہنچتے ہیں تا قیامت ان کو اس عالم میں رہنا ہوگا۔ روح کا آلہ کار نفس ہے اور نفس کا آلہ کار بدن ہے۔

(۲۶۴) مومن آل فرعون کا قصہ

پ ۲۴ المومن ع ۳۔ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ۔

(ایک ایمان دار شخص نے کہا جو فرعون کے خاندان سے تھا اور اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا لوگوں سے کہا کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نشانیاں لے کر آیا ہے)

حزقیل مومن آل فرعون ۔ فرعون کے ماموں زاد یا چچازاد بھائی تھے یہ پانچ یا چھ برس تک تقیہ میں رہے جو لوگ تقیہ کے متعلق شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں وہ اس آیت پر غور کیوں نہیں کرتے آیت میں یکتم ایمانہ" اگر تقیہ نہیں تو اور کیا ہے ۔

مومن آل فرعون کے متعلق لوگوں نے فرعون سے جا لگائی کہ حزقیل نہ تیری خدائی کو مانتا ہے نہ تیری ربوبیت کو ۔ وہ تو موسیٰ پر ایمان لائے ہوئے ہے یہ سن کر فرعون کو غصہ آیا حکم دیا فوراً اسے ہمارے سامنے پیش کرو ۔ اگر اس نے میری خدائی کا اقرار نہ کیا تو تم سب کے سامنے میں اسے قتل کر دوں گا ۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوئے تو اس نے کہا کیا تو مجھے خدا نہیں مانتا کیا تو میری ربوبیت پر ایمان نہیں لایا ۔

انہوں نے حاضرین دربار کو مخاطب کر کے کہا جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر گواہ رہنا ۔ اے فرعون تو بھی سن اور لوگو تم سب بھی سنو میرا عقیدہ یہ ہے ۔

" جو تم سب کا خدا ہے وہی میرا خدا ہے جو تم سب کا رب ہے وہی میرا رب ہے فرعون یہ جواب سن کر خوش ہو گیا حالانکہ حزقیل کا مطلب یہ تھا کہ جو تم سب کا اصلی خدا ہے وہی میرا ہے اور جو تم سب کا رب ہے وہی میرا رب ہے ۔ "

(۲۶۵) شریعت کا آغاز کہاں سے ہوا

پ ۲۵ الشوریٰ ع ۲ : وَشَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۔

(تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس پر چلنے کا نوح کو حکم دیا تھا اور اے رسول اس کی ہم نے تمہارے پاس وحی کی تھی اور اس کا حکم ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کو بھی دیا تھا وہ یہ ہے کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا)

اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوالیس ہزار انبیاء بھیجے جن میں تین سو تیرہ صاحب کتاب و صحف

تھے اور ان میں سے پانچ رسولوں کو صاحب شریعت بنایا۔ نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ۔ پس شریعت کا آغاز حضرت نوح سے ہوا۔ ان سے پہلے حضرت آدم سے لے کر حضرت نوح تک جو انبیاء گزرے ان کو صرف متعلقات عقلیہ کی تعلیم بذریعہ وحی دی جاتی تھی جو اصول دین تھے وہ کبھی نہیں بدلے ہر نبی انہی کی تعلیم دیتا تھا یعنی توحید رسالت قیامت اور فروع میں ان باتوں کی جو عند العقل ممدوح ہیں جیسے سچ اچھا ہے جھوٹ برا ہے دیانت اچھی چیز ہے۔ خیانت بری ہے۔ وفاداری اچھی ہے بے وفائی بری وغیرہ وغیرہ۔ حضرت نوح سے ہدایت بصورت شریعت ہونے لگی اور خدائی احکام ایک کتاب یا صحیفہ کی صورت میں نازل ہونے لگے۔

---

(۲۶۶) رسول کا اجر رسالت

پ۲۵ الشوریٰ ع ۲۔ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝

(اے رسول کہہ دو میں (تبلیغ رسالت) کا اپنے قرابت داروں کی محبت کے سوا کوئی بدلہ نہیں چاہتا اور جو شخص نیکی حاصل کرے گا ہم اس کے لئے اس کی نیکی میں اضافہ کریں گے)

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ ایک روز مہاجرین و انصار جمع ہوئے اور آپس میں کہنے لگے آنحضرت نے تبلیغ دین میں بڑی زحمتیں اٹھائی ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اس کا کچھ اجر حضرت کی خدمت میں پیش کریں لہٰذا سب نے کچھ مال جمع کیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خیال ظاہر کیا اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ میں تم لوگوں سے از قسم مال دنیا کوئی چیز نہیں چاہتا میری رسالت کا اجر یہ ہے کہ تم میرے ذوی القربیٰ سے محبت کرو جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے ذوی القربیٰ کون ہیں تو فرمایا میری عترت

میرے اہل بیت ۔ آگاہ ہو جو شخص آل محمد کی دوستی پر مرے گا وہ شہید کہلائے گا۔
سنو جو آل محمد کی دوستی پر مرے گا وہ مغفور ہوگا۔
سنو ۔ جو آل محمد کی دوستی پر مرے گا وہ توبہ قبول کیا ہوا مرے گا۔
آگاہ ہو جو آل محمد کی دوستی پر مرے گا وہ کامل الایمان مرے گا۔
آگاہ ہو جو آل محمد کی دوستی پر مرے گا منکر و نکیر اسے بہشت کی خوشخبری دیں گے۔
آگاہ ہو جو آل محمد کی دوستی پر مرے گا اس کی قبر کے فرشتے زیارت کریں گے۔
آگاہ ہو جو دشمنی آل محمد پر مرے گا روز قیامت اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا یہ رحمت خدا سے مایوس ہے۔
آگاہ ہو جو دشمنی آل محمد پر مرا وہ کافر ہے۔ جو دشمنی آل محمد پر مرا وہ بہشت کی بو نہ سونگھے گا
کسی نے پوچھا جن کی محبت کو خدا نے واجب کیا ہے یہ کون لوگ ہیں فرمایا علی و فاطمہ
اور ان کے بیٹے حسن و حسین (تفسیر کشاف، صحیح بخاری، مسلم، مسند احمد حنبل، درمنثور سیوطی)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رسالت کا اجر ایسا قرار دیا ہے جو ہر وقت ہر حالت میں ہر شخص دے سکتا ہے اور اس کے متعلق کوئی حیلہ حوالہ نہیں کر سکتا۔ برخلاف اس کے اگر مال کو اجر قرار دیا جاتا تو غریب لوگ اس سے محروم رہتے اور امیر لوگ حیلے بہانے کرتے جو لوگ خمس و زکوٰۃ نہیں دیتے وہ بھلا اجر رسالت کیا دیتے اور اگر دیتے تو اس کا مصرف مرضی خدا و رسول کے خلاف قرار دے لیتے جیسے خمس کا مصرف بجائے سادات کے اخراجات لشکر قرار دے لیا گیا تھا چنانچہ آج تک سادات مسلمانوں کے خمس سے محروم ہے اور اس حق سادات کو معلوم کن کن مدوں میں خرچ کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اجر رسالت ایسا فرمایا ہے جس میں سرتا سر امت ہی کا فائدہ ہے کیونکہ اگر اہل بیت رسول کی محبت ہوگی تو ضرور ہے کہ مسائل دین میں ان کی اقتدا بھی کی جائے گی اور چونکہ وہ معصوم ہیں لہٰذا ان کی اقتدا ہر حالت میں باعث ہدایت ہوگی۔ افسوس ہے کہ باوجود اس آیت

Marfat.com

کہ امت نے آل رسول کے ساتھ وہ سب کچھ کیا جو ایک بدترین دشمن کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ اخلاقاً دشمن کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔ کونسا ظلم تھا جو ان پر نہیں کیا گیا اور کونسی توہین تھی جو ان کے حق میں روا نہ رکھی گئی۔ کیا قیامت میں اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔ غضب کی بات ہے کہ اولاد رسول کو چھوڑ کر مسلمان اصحاب رسول کی محبت میں ایسے غرق ہوئے کہ آیات احادیث سب کو بھلا بیٹھے۔ کیا اس کا نام اسلام ہے۔

(۲۰۷) وحی کی صورتیں

پ۲۵ الشوریٰ ع ۵: مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ۔

(اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں رہتا اس سے بات کرے مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے پھر وہ اپنے اختیار سے جو چاہتا ہے پیغام بھیجتا ہے) یہ تین طریقے خاص خدا کے پیغام بھیجنے کے ہیں۔

خواب میں جو پیغام کسی نبی کو ملتا ہے وہ القائی القاب کی وحی ہوتا ہے جیسے حضرت ابراہیم نے خواب میں حضرت اسمعیل کو ذبح کرتے دیکھا یا حضرت رسول خدا نے بنی امیہ کو بندروں کی طرح اپنے منبر پر اچھلتے کودتے دیکھا یہ وحی کی پہلی صورت ہے۔ دوسری صورت جیسے حضرت موسیٰ کو درخت کے پردہ سے پیغام ملا تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ آ کر پیغام دے جیسے حضرت مریم کے پاس فرشتہ آیا۔ حضرت ابراہیم کے پاس فرشتے آئے یا حضرت رسول خدا کے پاس فرشتہ آ کر پیغام پہنچاتا تھا۔

وحی کی دو صورتیں ہیں تشریعی و غیر تشریعی۔ اول الذکر کا تعلق انبیاء و مرسلین سے ہے اور غیر تشریعی کا تعلق ان کے علاوہ دیگر مخلوق سے ہوتا ہے جیسے حضرت موسیٰ کی ماں کو وحی کی

واوحینا الیٰ اُمِّ موسیٰ یا شہد کی مکھی کو وحی ہوئی۔ واوحیٰ ربُّکَ الی النحلِ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے مادر موسیٰ یا شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات پیدا کردی۔ وحی کی ایک قسم الہام ہے اس کا تعلق شرعی احکام سے نہیں ہوتا بلکہ واقعات اور اس کے نتائج سے ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے آئمہ کو الہام ہوتا تھا وحی نہیں کیونکہ احکام شریعت مکمل ہو چکے تھے اور ان سب کا علم ان حضرات کو تھا ان میں کسی ترمیم و تنسیخ کو دخل ہی نہ تھا البتہ واقعات اور نتائج سے بذریعہ الہام یعنی اَلقائی القلب سے ان کو آگاہ کردیا جاتا تھا۔

(۲۶۸) آسمان و زمین کس پر روئے

پ۲۵ الدخان ع ۱۱۔ فَمَا بَکَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالاَرْضُ وَمَا کَانُوْا مُنْظَرِیْنَ۔

(ان پر (فرعون اور اس کی قوم) نہ آسمان کو رونا آیا نہ زمین کو اور نہ انہیں مہلت ہی دی گئی)

اس آیت سے پتہ چلا کہ آسمان و زمین میں رونے کی صلاحیت ہے ورنہ قرآن میں ان کے رونے کا ذکر نہ ہوتا یہ اور بات ہے کہ ان کے رونے کا طریقہ کیا ہے اگر کسی واقعہ پر زمین و آسمان کا رونا ثابت نہ ہو تو پھر ان کو رونے سے نسبت دینا ہی عبث ہوگا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو آسمان بھی رویا اور زمین بھی۔ آسمان کا رونا اس کا سرخ ہو جانا ہے اس کی موید وہ روایت ہے جو ابن حجر عسقلانی نے صواعق محرقہ میں لکھی ہے کہ حضرت علی کا گزر ایک بار کربلا میں ہوا جب قبر حسین کی جگہ پر پہنچے تو فرمایا یہی ہمارے اونٹوں کے بٹھانے اور اسباب رکھنے کی جگہ ہے رسول کے اہلبیت میں سے کچھ لوگ یہاں قتل کئے جائیں گے جن پر آسمان بھی روئے گا اور زمین بھی۔

Marfat.com

(۲۶۹) والدین کے ساتھ احسان

پ ۲۶ الاحقاف ع ۲ ۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَ
وَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۔

(ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس کی ماں نے رنج ہی کی حالت میں اسے پیٹ میں رکھا اور رنج ہی کی حالت میں اس کو جنا اور اس کے حمل اور دودھ بڑھائی کی مدت تیس ماہ ہوتے ہیں)

اس آیت کی رو سے اگر دودھ بڑھائی کے دو سال نکال دیئے جائیں تو مدت حمل صرف چھ ماہ رہتی ہے اس مدت کا بچہ زندہ نہیں رہتا مدت حمل زیادہ ہے سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا اور امام حسین علیہ السلام کے کسی ماں کا حمل چھ ماہ نہیں رہا لہذا یہ آیت امام حسین علیہ السلام کی شان میں ہے ۔

---

(۲۷۰) آنحضرت صلعم کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا مطلب

پ ۲۶ الفتح ع ۱ ۔ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ
وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۔

اے رسول ! یہ حدیبیہ کی صلح نہیں بلکہ ہم نے تم کو کھلم کھلا فتح عطا کی تاکہ خدا تمہاری امت کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دے اور تمہیں سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھے جن لوگوں کو عصمت انبیاء کے [illegible] اس آیت سے رسول خدا کا معصوم ہونا ثابت کرتے ہیں ان کا یہ خیال غلط ہے [illegible] کیونکہ یہاں امت کے گناہ [illegible]

کئے تھے ان سب کو اسلام لانے کے بعد بخش دیا گیا۔ جیسا کہ فتح مکہ کے بعد تمام کفار و مشرکین کو حضور نے خانہ کعبہ میں جمع کر کے فرمایا تھا۔ بتاؤ اب تمہارے کرتوتوں کا کیا بدلہ دیا جائے اور تم مجھ سے کیا امید رکھتے ہو۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کریم ابن کریم ہیں حضرت نے فرمایا لا تثریب علیکم الیوم (یعنی اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے گئے اب کوئی الزام تم پر نہیں) یا آیت کا یہ مطلب لیا جائے کہ یہ مشرکین تمہاری طرف جن گناہوں کو منسوب کرتے ہیں۔ وہ سب بخشے گئے یعنی اوّل تو وہ گناہ ہی نہیں تھے اور اگر ان کے نزدیک تھے تو کہہ دو وہ سب بخشے گئے

---

(۲۷۱) بیعت رسول بیعت خدا ہے

پ۲۶ الفتح ع۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔

(اے رسول جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ وقت بیعت ان کے ہاتھوں پر ہوتا ہے)

اللہ تعالیٰ نے رسول کے ہر عمل کو اپنا عمل بتایا ہے جیسے آیہ مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ (اے رسول تم نے تیر نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا) پس جو لوگ رسول کی عصمت کو تسلیم نہیں کرتے ان کو سمجھنا چاہیے جس کا فعل اللہ کا فعل ہو اور جس کا قول مطابق وحی ہو وہ خلاف عصمت کوئی بات کیسے بول سکتا ہے اور کوئی فعل کیسے کر سکتا ہے۔

---

(۲۷۲) نبی کی آواز پر آواز بلند کرنے کی ممانعت

پ۲۶ الحجرات ع۱۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔

(اے ایمان والو نبی کی آواز سے اونچی آواز نہ کیا کرو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے

Marfat.com

زور زور سے بالا کرتے ہو ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو ایسا نہ ہو کہ تمھارا کیا کرایا سب اکارت ہو جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو)

بخاری میں ہے ابن منذر ابن مردویہ نے عبداللہ بن زبیر سے اس آیت کی شان نزول یہ بیان کی ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر کے پاس بنی تمیم کے کچھ لوگ آئے تو حضرت ابوبکر بول اٹھے کہ ان لوگوں کا حاکم قعقاع بن معبد کو بنائیے عمر کہنے لگے نہیں یہ ٹھیک نہیں اقرع بن حابس کو ان کا امیر بنائیے یہ سن کر ابوبکر بولے ہاں تم میری مخالفت کرتے ہو۔ عمر نے کہا مجھے تمھاری مخالفت تو منظور نہیں مگر جو بات حق تھی میں نے کہہ دی غرض اس قسم کی باتیں ہوتے ہوتے آوازیں بلند ہو گئیں تو خدا نے ان کی تنبیہ کے لئے یہ آیت نازل کی (تفسیر درمنثور) اس تنبیہ کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ گذشتہ جو اعمال کئے تھے سب حبط ہو گئے

اگر یہ کہا جائے کہ اس حکم کے بعد ان سے یہ گناہ سرزد نہیں ہوا تو یہ غلط ہے۔ باوجود اس حکم محکم کے صادر ہونے کے حضرت کے مرض الموت میں حدیث قرطاس کے بیان کے تحت صحابہ کرام میں جن میں ابوبکر و عمر بھی شامل تھے ایسا سخت جھگڑا ہوا اور اتنا شور و غل مچا کہ حضور نے خشمناک ہو کر فرمایا۔ قوموا عنی (میرے پاس سے دور ہو جاؤ میرے پاس جھگڑا کرنا درست نہیں۔ اب اس آیت کے آخری حصے کو ملائیے کہ تمھارے سب اعمال حبط و ضائع ہو جائیں گے لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ جو حضرات رسول کے سامنے جھگڑا کر رہے تھے ان کے سابقہ اعمال حبط ہو گئے تو اب بتائیے ان کے پاس رہا کیا اس کے بعد جانشین رسول ہونے کا دعویٰ کیسے صحیح ہو گا۔

رسول خدا کا یہ انتہائی احترام ہے کہ ان کی آواز پر آواز بلند کرنے کی اجازت نہیں ہے خدا نہیں چاہتا کہ جو الفاظ دہن مبارک رسول سے نکلے اس پر کسی دوسرے کے دہن کی نکلی ہوئی آواز غالب آ جائے۔

۔۔ غیبت اور برا بھلا کہنے کی ممانعت

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۔۔ بدگمانی اور دوسروں کے حال کی ٹوہ لگانے کی ممانعت

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ تم کو اس سے ضرور نفرت کرو گے
اللہ سے ڈرو بیشک اللہ بڑا توبہ کرنے والا مہربان ہے۔

مروی ہے کہ ایک بار آنحضرت کے ساتھ سفر میں ابوبکر و عمر بھی تھے ان لوگوں نے سلمانؓ رضی اللہ عنہ کی غیبت کی اس کے بعد کسی آدمی کو سالن لانے کے لئے آنحضرت کے پاس بھیجا۔ آپ نے فرمایا وہ دونوں تو گوشت سے خوب پیٹ بھر چکے اب سالن کیا ہوگا۔ جب یہ بات ان دونوں نے سنی تو بڑی حیرت ہوئی دوڑے دوڑے حضرت کے پاس آئے اور کہنے لگے حضور ہم نے ایک مدت سے گوشت دیکھا بھی نہیں کھانا کیسا۔ فرمایا ابھی تک تم دونوں کے دانتوں میں وہ گوشت بھرا ہوا ہے۔ کیا تم نے ان کی غیبت کر کے اس کا گوشت نہیں کھایا۔ پھر یہ آیت پڑھی اس پر وہ شرمائے (تفسیر درمنثور سیوطی)

---

۲۷۵) انبیا خدا کے یہاں سے علم لیکر آتے ہیں

پ۲۶ الذاریات ع ۲ قالوا لا تخف وبشروه بغلام علیم

(فرشتوں نے ابراہیم سے کہا ڈرو مت اور ان کو ایک صاحب علم لڑکے کی خوشخبری دی)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیا بطن مادر سے علم لیکر نکلتے ہیں [illegible]

[illegible]

آتے ہیں اور وہ دنیا کے کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پاتے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا کے یہاں سے علم حاصل کئے ہوئے آتے ہیں جب یہ ثابت ہوا کہ رسولِ خدا کو امّی یا جاہل کہنا جہالت نہیں تو اور کیا ہے ورنہ یہ ثابت کیا جائے کہ کس نبی نے کس مدرسہ مکتب یا کس استاد سے تعلیم پائی ہے۔

(۲۷۶) جنّ و انس کو عبادت کے لئے پیدا کرنے کا مطلب

پ۲۷ الذاریات ع ۳: ۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۔

(ہم نے نہیں پیدا کیا جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ عبادت کریں)

بظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن وانس صرف عبادت ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور کسی کام کے لئے نہیں ۔ پس رات دن وہ نماز پڑھتے جائیں اور تسبیح گھماتے جائیں لیکن ایسا نہیں فروعِ دین کی بجا آوری کے علاوہ ہر وہ کام جو کسب حلال کے لئے کیا جائے یا خلق خدا کی امداد کے لئے ہو ۔ احکام الٰہی کے مطابق ہو تو وہ عبادت ہے اور خیر میں حصہ لینا اہل حاجت کی مدد کرنا ۔ بیماروں کی عیادت کرنا ۔ صلہ رحم کرنا ۔ ہمسایہ کی مدد کرنا افعال بد سے بچنا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا کسب حلال کے لئے کوئی پیشہ اختیار کرنا یہ سب امور داخل عبادت ہیں اور مستحق اجر و ثواب ۔

رسول اللہ نے فرمایا ہے الکاسب حبیب اللہ ۔ کوئی پیشہ اختیار کر کے روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے ۔ صرف عبادت کے لئے گوشۂ عزلت میں بیٹھ جانا اور دنیا کے تمام کام کاج چھوڑ دینا رہبانیت ہے ۔ جس کی اسلام نے مذمت کی ہے ۔

(۲۷۷) ستارہ کا ٹوٹنا

پ ۲۷ ۔ والنجم ع ۱: ۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔

(تارے کی قسم جب ٹوٹا تمھارے رفیق محمد نہ گمراہ ہوئے اور نہ بہکے وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ بولتے ہی نہیں یہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے ۔)

ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ہم بنی ہاشم کے کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت رسول خدا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتفاقاً ایک ستارہ ٹوٹا یہ دیکھتے ہی آپ نے فرمایا یہ ستارہ جس گھر میں گرے گا وہی میرے بعد میرا وصی ہوگا یہ سن کر لوگ اس کو دیکھنے کے لئے اُٹھے دیکھا کہ وہ علی کے گھر میں گرا تو لوگ گستاخانہ کہنے لگے یارسول اللہ آپ علی کی محبت میں گمراہ ہوگئے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (دیکھو مناقب ابوالحسن بن مغازلی شافعی اور شرف المصطفٰے ابوحامد شافعی)

مفسرین نے شان نزول میں بھی اختلاف کیا ہے مفسرین اہلسنت تو اس کو مانتے ہی نہیں کہ حضرت علی کے گھر میں وہ ستارہ گرا اور جو مانتے ہیں وہ بھی ستارہ گرنے کے متعلق کچھ بیان نہیں کرتے ۔ نئی روشنی والے اس پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں کہ ستارہ گرنا کیسے ممکن تھا ۔ پادری ڈاڈ صاحب نے اپنے ایک مضمون میں "قرآن پر ایک نظر" لکھا ہے جس کو پادری مظہر الحق نے اپنی کتاب قول الحق میں نقل کیا ہے یہ ہے :

"مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے اور قرآن میں اس کا ذکر ہے کہ ستارہ ٹوٹ کر کسی کے گھر میں گرا ۔ زمین پر کسی ستارہ کا گرنا ممکن ہی نہیں ۔ یہ تو مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق آثار قیامت میں سے ہے پس قبل از وقت یہ قیامت کیسے آگئی یہ مسلمانوں کی من گھڑت روایت ہے ستارہ تو ستارہ ہی ہے اگر ایک ہوائی جہاز ٹوٹ کر کسی کے گھر میں گر پڑے تو وہ گھر تباہ و برباد ہو جاتا

اس کے رہنے والے ہلاک ہو جاتے ۔ ایک ستارہ کو ایک غبارہ کی طرح کیوں فرض کر لیا گیا
مدینہ کے گھروں میں جو چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں ان کے کسی گھر کے صحن میں اتنی وسعت
کہاں سے پیدا ہو گئی کہ ایک ستارہ اس کے صحن میں اتر آیا اور پھر یہ نہ معلوم ہوا کہ اس کا حشر کیا
ہوا آیا وہ اٹھ کر پھر آسمان پر چلا گیا یا مسلمانوں نے اسے توڑ پھوڑ کر اپنے گھر میں رکھ لیا
قرآن کی صداقت کا قیاس اس پر کر لیجئے ۔ "

پادری ڈاڈ اور پادری مظہر الحق دونوں کی عقل ماری گئی ہے ان کی سمجھ میں یہ بات آئی ہی
نہیں ۔ نجم اور کوکب مختلف المعنی والنتیجہ دو لفظ ہیں ۔ کواکب ان ستاروں کو کہتے ہیں جو
وقت شب ہم کو نسا ئے آسمانی میں چمکتے نظر آتے ہیں یہ اپنے اپنے مدار پر قائم ہیں ۔
یہ بھی دو قسم کے ہیں ۔ ثابت اور سیار یعنی کچھ اپنی جگہ پر قائم ہیں اور کچھ گردش کرتے رہتے ہیں
حضرت ابراہیم نے جن ستاروں سے استدلال کیا تھا وہاں لفظ کوکب ہے نجم نہیں ۔ نجم عربی
زبان دو معنی میں استعمال ہوا ہے اول بیلدار نباتات جیسے النجم والشجر یسجدان
(بیلیں اور درخت خدا کو سجدہ کرتے ہیں) دوسرے وہ چھوٹے چھوٹے ستارے جو فضا
میں گردش کرتے رہتے ہیں ان کی روشنی بہت مدھم ہوتی ہے ان کی جمع نجیمات ہے ۔ جدید
سائنس نے دوربینوں کے ذریعہ سے جو تحقیق کی ہے وہ یہ ہے کہ نجیمات مادہ ارضی سے
بنے ہوئے ہوتے ہیں ۔ سورج کی کرنوں کے ذریعہ سے خاک کے چھوٹے چھوٹے
ذرے بلند ہوتے ہیں اور ہوا ان کو گردش دیتی رہتی ہے وہاں سماوی مادوں سے یہ آپس میں
ملتے جلتے ہیں اور گولے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں ۔ شب و روز کی گردش میں ذرات کی تہیں ان
پر جمتی چلی جاتی ہیں اور ان کا وزن اور حجم بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ کئی کئی من وزنی
ہو جاتے ہیں ان کی چمک بہت خفیف ہوتی ہے جو دوربینوں سے نظر آتی ہے انگریزی
میں ان کو میٹیورر (MATEVRE) کہتے ہیں ۔ رات کے وقت کبھی کبھی یہ اپنی گردش
میں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے ہیں اس وقت ان سے جو شعلہ نکلتا ہے اسے ہم دیکھ

ہیں ان کے ٹکڑے ٹوٹ کر زمین پر گرتے ہیں تو آگ کی طرح گرم ہوتے ہیں۔ ٹھنڈا ہونے پر ان کو اٹھایا جاتا ہے جو پتھروں سے زیادہ وزنی ہوتے ہیں۔ لندن کے میوزیم میں کئی ٹکڑے بڑے بڑے رکھے ہوئے ہیں اور کلکتہ کے عجائب خانہ میں بھی کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں پس ان میں سے کسی ایک کا کسی کے گھر میں گرنا کوئی محل تعجب نہیں جب یہ ٹکراتے ہیں اور ان سے روشنی پیدا ہوتی ہے تو انگریزی میں اس کو شوٹنگ اسٹار کہا جاتا ہے غالباً آیت میں نجم سے یہی مراد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نجوم کا اطلاق قرآن مجید میں ان چھوٹے ستاروں پر بھی کیا گیا ہے جو نظام شمسی کے تحت فضائے آسمانی میں چمکتے نظر آتے ہیں۔ آثار قیامت میں ان کا گرنا قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ اذا النجوم انکدرت جب ستارے گر پڑیں گے ان میں بعض کی روشنی اوروں سے زیادہ تیز ہے جس کو قرآن میں نجم ثاقب کہا گیا ہے۔ بہر حال چھوٹے ستاروں پر نجم کا لفظ اطلاق کیا گیا ہے اور ستاروں پر کوکب کا۔

(۲۷۸) قاب قوسین او ادنیٰ سے کیا مراد ہے

پ النجم ع ۱۔ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ

مولانا [illegible] صاحب رحمہ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ ان کو نہایت طاقت ور [illegible] ... آسمان کے بلند کنارہ پر تھا ... پھر وہ قریب ہوا ... دو کمان کے برابر فاصلہ رہ گیا ... اس ترجمہ ... تاویل فرمائی ...

(۱) فاستوی کے معنی لکھے ہیں وہ آسمان کے (مشرقی) کنارہ پر تھا تو وہ اپنی اصلی صورت میں کھڑا ہوا یعنی جبریل امین ۔ مولانا نے بریکٹ میں (مشرقی) لکھا ہے یہ کس لفظ سے اخذ کیا گیا ہے اس کا ترجمہ سب سے اونچا کنارہ کیوں نہ کیا گیا کیا وہاں بھی نظام شمسی تھا کہ شرق و غرب کے حدود معین ہوتے) فاستوی کا ترجمہ فرمایا وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اپنی اصلی صورت میں ۔ سیدھا کھڑا ہوا اس کے معنی یہ ہوئے کہ پہلے جبریل ٹیڑھے کھڑے تھے پھر سیدھے ہو گئے اگر قائم ہو گیا ترجمہ ہوتا تو کیا خرابی تھی اکثر مترجمین نے یہی ترجمہ کیا ہے

(۲) پھر لکھا ہے فرشتہ قریب ہوا اور آگے بڑھا (جبریل محمد ہیں) دو کمان کا فاصلہ رہ گیا میں عرض کرتا ہوں جبریل تو حضور کو جا کر لائے ہی تھے پھر سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئے تھے اور حضور آگے بڑھے چلے گئے تھے پھر جبریل کے اور حضور کے درمیان دو کمان کا فاصلہ کیسا ۔ جبریل نے سدرہ پر پہنچ کر صاف کہہ دیا تھا ۔ لو دنوت انملۃ لاحترقت (اگر اب میں ایک انگلی کی برابر آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا) جبریل کی منزل تو یہاں ختم ہو گئی اور حضور آگے بڑھ گئے پھر ان دونو کے درمیان کا فاصلہ کیسا ۔ کیا مسجد اقصیٰ جہاں حضور تشریف لے گئے تھے اس کے اور جبریل کے درمیان دو کمان کا فاصلہ تھا یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ کونسی دو کمانیں تھیں جو اس فاصلے کے بتانے کے لئے بولی گئیں اور ان کی لمبائی کیا تھی تاکہ فاصلے کا اندازہ ہو سکے ناپ کے سارے پیمانے چھوڑ کر صرف کمانیں ہی کیوں انتخاب میں آئیں ۔

علامہ شیخ عبد العلی ہروی اعلی اللہ مقامہ، نے جو کچھ ان آیات کے متعلق افادہ فرمایا ہے وہ طبیعت کو لگتی بات ہے انہوں نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے ۔

جبریل سدرہ پر ٹھہر گئے یا قائم ہو گئے اور رسول افق اعلیٰ یعنی عالم امکان کا جو سب سے اونچا کنارہ تھا وہاں پہنچے وہاں سے آگے بڑھے اور بڑھتے ہی گئے یہاں تک کہ سرادق عظمت و جلال کے قریب ہوئے جیسے دو کمانوں کے کنارے قریب ہوتے ہیں وجود کو ایک دائرہ فرض کیجئے جو واجب الوجود اور ممکن الوجود دونو پر بولا جاتا ہے

پس اگر دائرہ کے بیچ میں ایک خط کھینچا جائے تو دو کمانیں بنتی ہیں نیچے کا حصہ عالم حدوث و امکان فرض کیجئے اور اوپر کا حصہ عالم وجوب مانیئے ان دونوں کے درمیان جو خط ہے وہ عالم امکان کی حد ہے۔

یعنی اس سے بالاتر کسی مخلوق کا وجود نہیں پایا جاتا۔ آیہ معراج میں مسجد اقصیٰ کا ذکر ہے یعنی سجدہ کرنے کی آخری جگہ جو عالم امکان کے خاتمہ کو بتاتی ہے پس حضور معراج میں عالم امکان کی آخری حد تک پہنچے۔ وہاں نہ کسی مخلوق کا وجود نہ کسی کی رسائی۔ حتیٰ کہ جبریل بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے پس خلاصہ اس کا یہ ہوا کہ جبریل امین ایک مقام پر ٹھہر گئے اور حضور بڑھتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک عالم امکان کی آخری حد پر پہنچے۔ یہ بھی خدا کی قدرت کی بڑی نشانی۔

حکیم فیثاغورث نے کہا ہے کہ ہر شے کا کمال یہ ہے کہ وہ جہاں سے چلی ہے دائرہ بناتی ہوئی وہیں تک پہنچ جائے پس یہ کمال کی حد ہے اس کے آگے ترقی کی کوئی منزل نہیں۔ مثلاً گیہوں کا ایک دانہ زمین بویا۔ وہ پھوٹا پھر اس نے اپنی ترقی کی منزلیں طے کرنی شروع کیں جب وہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اس میں گیہوں کا دانہ آگیا تو بس اس کی ترقی ختم ہوگئی اس نے اس کو دائرۃ الوجود کہا ہے۔ اس اصول کے تحت جب ہم سرکار دو عالم کی ترقی کو دیکھتے ہیں تو یہ راز کھلتا ہے کہ عالم نور میں جہاں آپ تھے عالم ظہور کی منزلیں طے کر کے جب وہیں پہنچ گئے تو عالم امکان کی ترقی ختم ہوگئی اس کے آگے کوئی منزل نہیں۔ یہی وہ سب سے بڑی نشانی تھی جو حضور کو دکھائی گئی ورنہ عالم امکان کی اور کوئی چیز وہاں تھی ہی نہیں جس کو حضور دیکھتے۔

۲۷۹ معراج میں رسول کو کیا وحی کی گئی

پ ۲۷ النجم ۱۰: فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ۔ خدا نے بندہ کی طرف وحی کی جو کی

وحی کو صیغہ راز میں رکھا گیا۔ یہ کیوں اگر اس کا تعلق احکام عبادات وغیرہ سے ہوتا تو رسول معراج سے واپس آنے کے بعد آمے ضرور ظاہر فرما دیتے۔ یہ عجیب بات ہے کہ خدا نے بھی چھپایا اور رسول نے بھی۔ مفسرین خاموش۔ اصحاب خاموش کسی نے نہ پوچھا کہ حضور یہ کیا راز تھا جو معراج میں آپ سے بیان کیا گیا۔

معراج ہجرت سے پہلے ہوئی جب کار رسالت کا آغاز تھا غالباً کوئی ایسا امر تھا کہ اگر اس کا اعلان شروع ہی میں کر دیا جاتا تو ضرور کسی فتنہ کے برپا ہونے کا اندیشہ تھا اور یہ اندیشہ اتنا قوی تھا کہ رسول نے آخر عمر تک اس وحی کے مضمون کو چھپائے ہی رکھا۔ لوگوں کے دلوں کے اندر جو کچھ چھپا ہوا تھا خدا اس کو خوب جانتا تھا اور مضمون وحی کے بعد جو فتنہ و فساد برپا ہونا تھا اس کو بھی جانتا تھا۔ لہذا اس مضمون کو رسول نے اپنے دل ہی میں رکھا۔ ہاں جب حضور کے دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آیا اور امر اسلام کو پوری قوت حاصل ہو گئی۔ تبلیغ اپنی تمام منزلیں طے کر چکی تو حکم ہوا :-

اے رسول جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے تمہارے رب کی طرف سے اسے اُمت تک پہنچا دو)

یہاں بھی لفظ مَا لایا گیا وہی مَا جو فاَوحیٰ اِلیٰ عَبدِہٖ مَا اَوحیٰ۔ میں تھا۔ یہاں بھی کھل کر نہیں بتایا گیا تاکہ غدیر خم کی منزل سے پہلے ہی لوگ رخصت نہ ہو جائیں۔ بہرحال اس مَا کا انکشاف جب ہی ہوا جب سب مسلمان غدیر خم کی منزل پر پہنچ گئے۔

اگر مسلمانوں کو یہ تسلیم نہیں تو پھر بتائیں وہ مضمون وحی کیا تھا جو صیغہ راز میں حضور کو معراج میں بتایا گیا چونکہ کار تبلیغ مکمل ہو چکا تھا لہذا کسی کے رخنہ ڈالنے سے اسلام کو نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ علی کی ذات کو پہنچ سکتا تھا۔ سو وہ انہوں نے برداشت کر لیا۔ اسلام ان کی سرپرستی میں آ کر اپنے اصول و فروع کو محفوظ رکھ سکا۔

(۲۸۰) سدرہ پر جبریل کو دوبارہ دیکھنا

پ ۲۷ النجم ع ۱۔ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى۔

انہوں نے اس (جبریل) کو سدرہ کے پاس دوبارہ (وقت نزول) پھر دیکھا اس سدرہ کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ سدرہ پر جو نور چھا رہا تھا وہ چھا رہا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جبریل کا آخری مقام سدرہ تھا اور عظمت و جلال یزدی کا نور اس پر کچھ اس طرح چھایا ہوا تھا کہ اسے دیکھ کر نہ تو حضور کی آنکھ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی یعنی اسے دیکھ کر آپ کی آنکھ خیرہ نہ ہوئی کیونکہ آپ خود نبی نور تھے اور نہ آگے بڑھی اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے آگے دیکھنے کی کوئی چیز نہ تھی جسے دیکھتے۔ اگر خدا قابل رویت ہوتا تو حضور دیکھ کر آتے یہ نہیں کہ نعوذ باللہ حضور نے مقام قاب قوسین دنیٰ پر دیکھا لہٰذا معلوم ہوا وہ پاک ذات قابل رویت ہی نہیں۔

---

(۲۸۱) زبان رسول سے کبھی کسی بت کی تعریف نہیں ہوئی

پ ۲۷ النجم ع ۱۔ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى

کیا تم نے لات و عزیٰ اور تیسرے پچھلے منات کو دیکھا (یعنی کیا یہ معبود ہو سکتے ہیں)

مفسرین اہلسنت نے لکھا ہے کہ حضور ... لات و عزیٰ کی مذمت سے ... پریشان تھے ... چاہتے تھے کوئی صورت ایسی ہو کہ ... جب یہ آیت حضور کے سامنے تلاوت فرما رہے تھے تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کرا دئے تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ [illegible]

یہ سن کر مشرکین خوش ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے اب محمد راہ راست پر آ گئے۔ تعجب ہے کہ مسلمان مفسرین ومؤرخین عالم ہو کر ایسی جاہلانہ باتیں کہیں۔ اول تو شیطان کا تسلط حضور پر ہو نہیں سکتا۔ پھر ایسے کفر آمیز کلمات حضور کی زبان پر جاری کیسے ہو سکتے ہیں۔ بھلا غور کیجئے جب ان کی بڑائی اور شفاعت تسلیم کر لی تو پھر اسلام میں توحید رہی کہاں۔ تعجب یہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے سیرت النبی میں یہ واقعہ لکھ مارا ہے۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

(۲۸۲) معجزہ شق القمر

پ۲۷ القمر ع ۱۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ (قیامت قریب ہوئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا)

یہ کوئی روایت نہیں حدیث نہیں بلکہ قرآن یہ خبر دے رہا ہے کوئی مسلمان اس کو جھٹلا نہیں سکتا۔ لوگ کہتے ہیں چاند میں شگاف پڑنا عقلاً محال ہے اگر اس میں شگاف پڑا ہوتا تو جو لوگ چاند پر گئے ہیں وہ ضرور اس کو بیان کرتے اگر امر واقع ہے اس کا تعلق ہوتا تو بہت سے لوگ اس شگاف کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔

جواب ان شبہات کا یہ ہے کہ رات کو جب یہ معجزہ دکھایا گیا تو اس وقت لوگ عموماً سویا کرتے ہیں جب پہلے سے کوئی اعلان نہ تھا تو لوگ کیوں اس کے دیکھنے کی طرف متوجہ ہوتے۔ عدم اعلان کی صورت میں لوگوں کو چاند گرہن وسورج گرہن کی طرف توجہ نہیں ہوتی بلکہ اخباروں میں اعلان کے بعد بھی بہت سے لوگ نہیں دیکھتے۔

اب رہا چاند پر جانے والوں نہ دیکھنا تو ابھی چاند پر جانے والے بیچاروں نے دیکھا ہی کیا ہے ایک خطری سطح کو پامال کر کے چلے آئے ہیں۔ چاند پر بہت سے پہاڑوں کے بڑے بڑے غاروں کا پتہ چلایا ہے جو میلوں لمبے ہیں انہوں نے ایسے دہانے

Marfat.com

معلوم کئے ہیں جو دو پہاڑوں کے درمیان ہیں ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی ایک اس معجزہ سے تعلق رکھتا ہو۔ قرآن کا یہ کہنا نہیں کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو کر جدا جدا ہو گئے بلکہ وہ تو یہ کہتا ہے کہ شق ہو گیا جس کے معنی یہ ہیں کہ بیچ میں ایک دراڑ سی نظر آنے لگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جیسے بامجاز چاند شق ہوا تھا اسی طرح بامجاز وہ خلا پڑ بھی ہو گیا ہو یا امتداد زمانہ سے جیسے زمین کے گڑھے پڑ جاتے ہیں وہ بھی پڑ ہو گیا ہو۔

---

(۲۸۳) مَسّ کتابت قرآن

پ۲۷ الواقعہ ۱۲۔ اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ۔

(یہ بڑے رتبہ کا قرآن ہے جو ایک چھپی ہوئی کتاب میں لکھا ہوا ہے اس کو بس وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاک ہیں)

مس کے معنی چھونے کے بھی ہیں اور تعلق رکھنے کے بھی قرآن اور کتاب میں فرق ہے جو کچھ قلب رسول پر قلم قدرت سے لکھا گیا وہ کتاب اللہ ہے یعنی المکتوب بید اللہ (اللہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی) اور جو رسول نے پڑھ کر سنایا وہ قرآن ہے یعنی [illegible] پڑھا ہوا قرآن کی کتابت کو بے وضو چھونے کا حکم نہیں لیکن کتاب اللہ جو سینۂ رسول کے اندر ہے اس کو چھونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کتاب اللہ سے تعلق نہیں رکھتے مگر وہ پاک اور پاکیزہ لوگ جو مصداق آیۂ تطہیر ہیں مس کے یہ دوسرے معنی آیۂ قرآنی سے ثابت ہیں [illegible] جب [illegible] ولادت فرزند کی بشارت دی گئی تو انہوں نے گھبرا کر کہا [illegible] سے بچہ کیسے پیدا ہوگا [illegible] لم یمسسنی بشر کسی بشر کا مجھ سے تعلق ہی نہیں ہوا [illegible] کے معنی صحیح نہیں ہو سکتے کیونکہ [illegible] انہیں ان کی والدہ نے [illegible] ولادت [illegible]

نے ضرور چھپا ہو کا پس سے مراد تعلق ہے ۔

معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کا تعلق رسول کے بعد آئمہ طاہرین میں سے ہے عام لوگوں کو اس تک رسائی نہیں ۔ قرآن زبان سے زبانوں پر جاری ہوا اور کتاب اللہ سینہ سے سینوں میں چلی ۔ قرآن کے حافظ عام لوگ اور کتاب اللہ کے حافظ خاص لوگ ۔ احکام الہیہ کی اوریجنل کاپی کتاب اللہ اور اس کی مکتوب کاپی قرآن ۔ اگر قرآن میں کوئی تحریف ہو جائے تو اس کا مقابلہ اوریجنل کاپی سے ہوگا یعنی جو امام بتائے گا وہ صحیح سمجھا جائے گا ۔

۲۸۴ نبوّت و کتاب ذریت ابراہیمی کو ملی

پ ۲۷ الحدید ع ۴ ۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرَاهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۔

(ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان میں بعض ہدایت یافتہ ہیں اور ان ہی کے بہتیرے بدکردار ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ نبوّت اور کتاب اولاد انبیاء کا حق ہے صرف اولاد ہونا کافی نہیں بلکہ ہدایت یافتہ ہونا ضروری ہے ورنہ اولاد نوح اور ابراہیم میں اکثریت فاسق لوگوں کی ہے ذریت کا اطلاق صرف انہی لوگوں پر ہوگا جو صاحبان ایمان ویقین اور علم وحکمت والے ہوں جب یہ طے ہوگیا کہ نبوت وکتاب کا تعلق اولاد ابراہیم کے صالحین و مومنین سے ہوگا ۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد خلافت وکتاب ایسے لوگوں سے متعلق نہیں ہوسکتی جو سالہا سال کفر وشرک میں رہے ہوں ۔

(۲۸۵) حضرت رسول خدا کے متعلق حضرت عیسیٰ کی بشارت

پ ۲۸ الصف ع ۱: وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ ... وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔

(جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں اور ایک پیغمبر جن کا نام احمد ہوگا میرے بعد آئیں گے ان کی خوشخبری سناتا ہوں جب پیغمبر ان کے پاس واضح اور روشن دلیلیں لے کر آیا تو کہنے لگے یہ تو کھلا ہوا جادو ہے)

عیسائیوں نے انجیلوں میں اتنی تحریف کی کہ وہ انجیل ہی نہ رہی چنانچہ ان میں پیشین گوئی نہیں ہے اور آنحضرت کا نام اس میں فارقلیط ہے تمام انبیاء و مرسلین میں صرف آنحضرت ہی ایسے صلی اللہ علیہ وآلہ ہیں جن کے نام [illegible] تمام انبیاء اپنی اپنی امت کو آنحضرت کے آنے کی [illegible] دیتے رہے [illegible] زبان [illegible] آپ کا [illegible] حضرت عیسیٰ نے آپ کا نام [illegible] سے زیادہ [illegible] حقیقت [illegible] آپ سے زیادہ کوئی [illegible] [illegible] [illegible]

---

(۲۸۶) دین اسلام تمام ادیان پر غالب آنے کا

پ الصف ع ۱: هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ [illegible]

(وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو [illegible])

اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین برا ہی کیوں نہ مانیں)

غالب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اسلام کے سوا دنیا میں کوئی اور دین باقی ہی نہ رہے ہر طرف سے لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی آوازیں آئیں۔ یہ پیشین گوئی اب تک پوری نہیں ہوئی کیونکہ دنیا میں بہت سے ادیان پائے جارہے ہیں لیکن ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ اسلام کے سوا دنیا میں کوئی دین پایا ہی نہ جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا۔ جب تمام آل محمد ولی عصر حضرت امام مہدی علیہ السلام ظہور فرمائیں گے آپ تمام زمین کو عدل و داد سے اسی طرح بھر دیں گے جیسی وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

(۲۸۷) تمنّائے موت کرنا اولیائے خدا کا خاصّہ ہے

پ ۲۸ جمعہ ع ۱:۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ۔

(اے رسول کہہ دو اے یہودیو اگر تمھارا یہ گمان ہے کہ تم ہی نرالے اللہ کے دوست ہو اگر تم سچے ہو تو ذرا تمنائے موت تو کرو اور وہ ہرگز تمنائے موت اس لئے نہ کریں گے کہ وہ بہت کچھ بداعمالیاں کر چکے ہیں اور اللہ ظالموں کا جاننے والا ہے)

یہودی کہا کرتے تھے:۔ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ۔ (ہم خدا کے بیٹے ہیں اور اس کے احباب میں سے ہیں اس کی تردید میں خدا فرماتا ہے اے رسول ان سے کہہ دو اگر خدا کے دوست بس تم ہی ہو تو موت کی تمنا تو کرو اس سے معلوم ہوا کہ تمنائے موت کرنے والے اولیائے خدا میں ہوتے ہیں۔

دنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو موت سے گھبراتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کبھی مریں نہیں دوسرے وہ لوگ ہیں جو صبر و سکون سے اس منزل کو طے کر جاتے ہیں نہ اس سے گرا

کرتے ہیں اور نہ اس کے آنے سے خوش ہی ہوتے ہیں تیسرے وہ لوگ ہیں جو لقائے الٰہی کے شوق میں موت کی تمنا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا میں ڈھونڈے نہیں ملتے البتہ آل محمد میں یہ خصوصیت عمومیت کے ساتھ ملتی ہے۔ چنانچہ حضرت علی نے وقت شہادت فرمایا تھا: فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا) یعنی راہ خدا میں شہادت نصیب ہونے کی وجہ سے میری زندگی کامیاب زندگی بن گئی اور یہ بھی فرمایا واللہ لابن ابی طالب آنس بالموت من الطفل بثدی أمه (واللہ ابو طالب کا بیٹا موت کا اتنا ہی مشتاق ہے جتنا ایک بچہ اپنی ماں کی چھاتی کا مشتاق ہوتا ہے) اور یہ بھی فرمایا ہے مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں موت پر جا پڑوں یا موت مجھ پر آ پڑے۔ واقعہ اگر اہل بیت نہ ہوتے تو یہ آیت بغیر اپنا مصداق بنائے ہوئے واپس جاتی اس گھر کے چھوٹے بڑے سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

---

(۲۰۰) ذکر رسول کا نام ہے

پ ۲۸ التحریم ع ۲۔ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُولًا۔

اللہ نے تمہاری طرف ذکر کو جو رسول ہے بھیج دیا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ذکر کو رسول کا لقب قرار دیا ہے۔

یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی امر کی زیادتی حد کو پہنچ جاتی ہے تو وہ اس کام والے کا نام بن جاتی ہے جیسے زید اگر زیادہ عدل کرے تو کہتے ہیں زید عدل ہے چونکہ حضرت ہمیشہ ذکر الٰہی کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ہی ذکر رکھ دیا پس جب رسول ذکر ہیں تو ان کے اہل بیت اہل الذکر ہیں۔ قرآن مجید فرماتا ہے: فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (اگر تم کوئی بات نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو)۔ ان کو رسول نے حدیث ثقلین میں قرآن کے ساتھ کیا ہے۔

ایک بار بنی تمیم کے کچھ لوگ مدینہ میں چند سوالات دریافت کرنے کے لئے آئے

اور لوگوں سے پوچھا اہل ذکر کون ہیں ہم ان سے کچھ پوچھنے آئے ہیں لوگ ان کو خلیفہ اول کے پاس لے گئے انہوں نے میراث کے متعلق ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے کہا میراث کے متعلق مجھے علم نہیں تم علی کے پاس جاؤ۔ راہ میں حضرت عمر مل گئے انہوں نے کہا کیسے آئے تھے انہوں نے حال بیان کیا انہوں نے بھی یہی رائے دی تب انہوں نے کہا جب تم لوگ مسائل شرعیہ سے ناواقف ہو تو رسول کے جانشین کیوں بنے ہوئے ہو۔

(۲۸۹) رسول کی دو بیبیوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے تھے

پ۲۸ التحریم ۱۔ إِن تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِن تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ۔

(اے رسول کی دو بیبیو (عائشہ و حفصہ) اگر تم اس حرکت سے توبہ کرو تو خیر کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں اور اگر تم مخالفت رسول میں ایک دوسرے کی اعانت کرتی رہو گی (تو کچھ پرواہ نہیں) خدا اور جبریل اور ایمانداروں میں سے ایک شخص ان کے مددگار ہیں ا ان کے علاوہ کل فرشتے بھی مددگار ہیں)

اس آیت کے متعلق طولانی قصہ ہے۔ وہ بھی سن لیجئے۔

حضرت رسول خدا نے پندرہ نکاح کئے تھے ان ازواج کے نام یہ ہیں۔

خدیجۃ الکبریٰ۔ ام سلمہ۔ میمونہ۔ سودہ۔ زینب بنت جحش۔ جویریہ۔ ام حبیبہ صفیہ۔ عائشہ۔ حفصہ۔ زینب بنت خزیمہ۔ زینب بنت عمیس۔ خولہ۔ عمرہ۔ بنت ...

ان میں سے آخر دو صحبت سے سرفراز نہ ہو سکی تھیں۔ تین بیبیاں اول کی سب سے ... سرکار دوعالم نے حضرت خدیجہ کی زندگی میں کسی دوسری سے عقد نہیں کیا۔ یہ فخر ... بی بی کو حاصل ہے آپ نے ہر بی بی کے لئے علیحدہ علیحدہ ایک کمرہ بنوا دیا تھا۔ آپ ... کے پاس ایک شب بسر کرتے تھے۔ صبح روزانہ ہر ایک کے پاس تھوڑی دیر کے ... چلے جاتے۔ ہجرت کے بعد مقوقس سلطان روم نے ماریہ قبطیہ کنیز کو آنحضرت کی خدمت ...

Marfat.com

میں بطور تحفہ بھیج دیا تھا آپ نے انہیں ابو ایوب انصاری کے گھر میں جہاں ہجرت کے بعد
حضور نے سب سے پہلے قیام فرمایا تھا۔ مقیم کر دیا تھا۔ رفتہ رفتہ آپ ان پر اس قدر ہمدردی
کرنے لگے تھے کہ اپنے پینے کے پانی کا انتظام بھی انہی کے یہاں رکھا بلکہ حضرت کی ذاتی
چیزیں بھی وہیں رہتی تھیں اس لئے لوگ ان کے گھر کو مشربۂ ام ابراہیم کہتے تھے خدا کی
رحمت سے کچھ عرصہ بعد وہ حاملہ ہو گئیں حضرت عائشہ و حفصہ کے حسد کی وجہ سے حضور کو طرح
طرح کا خوف پیدا ہوا۔ اس وجہ سے حضور وہیں قیام فرمانے لگے۔ غرض ابراہیم پیدا ہوئے تو ماریہ کو
دودھ نہ اترا۔ حضرت نے ایک بکری خرید دی۔ جس کے دودھ سے ان کی پرورش ہونے لگی
تھوڑے دنوں میں ہاتھ پاؤں نکل آئے اور چہرہ پھول کی طرح دمکنے لگا۔ حضرت عائشہ
اور حفصہ میں بہت میل جول تھا اور سوتاپا نہیں بلکہ بہناپا تھا اور ایک دوسرے کی ہمراز تھیں
ان کو ان موجودہ بیبیوں ہی سے حسد نہ تھا بلکہ حضرت خدیجہ مرحومہ پر بھی فوقیت کا حوصلہ تھا
چونکہ آنحضرت خدیجہ کے عالی درجات، اپنی محبت اور خالص الایمان ہونے کی وجہ سے
اکثر ان کا ذکر خیر کرتے رہتے تھے تو یہ دونوں خصوصاً حضرت عائشہ کو بہت ناگوار ہوتا تھا
بعض وقت جھنجھلا کر کہہ دیتی تھیں آپ کیا ایک بوڑھی عورت کو بار بار یاد کرتے ہیں بلکہ
کبھی اس سے بھی زیادہ سخت کلمات زبان پر لے آتیں جنہیں سن کر حضرت فاطمہ رو دیتی تھیں
الغرض ان دونوں نے یہ تہیہ کیا کہ آپ پر قابو پالیں اور ہر طرح سے اپنے بس میں کر لیں
مگر یہ حضرت کا ظرف تھا کہ ان کے خانگی معاملات میں نہ الجھتے اور ان کے جھگڑوں میں سکوت
سے کام لیتے۔ ایک بار کسی نے عمدہ شہد حضور کے لئے بھیجا۔ آپ نے ام سلمہ یا
زینب کے یہاں حفاظت سے رکھوا دیا آپ روزانہ وہاں جا کر شہد نوش فرمایا کرتے تھے
ان دونوں کو اتنی دیر بھی حضرت کا وہاں بیٹھنا گراں گزرتا تھا۔ اس بارہ میں مشورہ ہوا۔ حضرت عائشہ
نے حفصہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ آنحضرت کو کسی ترکیب سے شہد چھڑوانا چاہئے تاکہ وہاں
کا بیٹھنا چھوٹے غرض ایک روز شہد کھانے کے بعد جب حضرت عائشہ کے پاس آئے
تو انہوں نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ حضرت نے سبب پوچھا کہنے لگیں آپ کے منہ سے
مغافیر (ایک بدبودار گوند) کی بو آتی ہے اس کے بعد آپ حضرت حفصہ کے پاس آئے انہوں نے

بھی یہی کہا حضرت نے فرمایا میں نے صرف شہد کھایا ہے عائشہ بولیں ضرور ہے کہ شہد کی مکھیوں نے مغافیر کے پھولوں کو چوسا ہوگا۔ غرض کہ آپ نے عائشہ سے راز کے طور پر فرمایا کہ اب میں شہد نہ کھاؤں گا اور اس خیال سے کہ جن بی بی کے پاس شہد رکھا تھا ان کی دل شکنی نہ ہو۔ یہ بھی فرما دیا کہ اس کو ظاہر نہ کرنا مگر وہ اپنی ہم راز سے کہاں چھپانے والی تھیں فوراً حفصہ کو جا کر یہ خوش خبری سنا دی کہ آج سے وہاں کا بیٹھنا چھوٹا۔

اب دوسرا قصہ سنئے جو اس زمانہ میں ہوا۔

اتفاقاً ایک روز حضرت حفصہ اجازت لے کر اپنے میکہ چلی گئیں اس رات کو انہی کی باری تھی جب حضرت اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر گھر میں تشریف لائے اور گھر خالی پایا۔ تو آپ نے ماریہ قبطیہ کو بلا بھیجا کہ رات کو وہیں رہیں۔ صبح کو حضور نے اپنے فرزند ابراہیم کو اپنے شانوں پر بٹھالیا اور فرمایا یہ مجھ سے کس قدر مشابہ ہیں۔ اس پر حضرت عائشہ بولیں مجھے تو کوئی مشابہت معلوم نہیں ہوتی۔ فرمایا کیا جسم میں بھی مشابہت نہیں۔ انہوں نے طنزاً کہا جو بکری کا دودھ پی کر پلے گا اس کا بدن تو ضرور خوب صورت ہوگا۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حضرت حفصہ غصہ میں بھری وہاں پہنچ گئیں ایک تو ان دو حضرت کی توجہ اور حیاہ کی بنا پر ماریہ قبطیہ سے رشک تھا ہی اس شب کے واقعہ نے اور بھڑکا دیا۔ کاندھے ابراہیم کو دیکھ کر کریلا اور نیم چڑھا ہو گیا۔ حضرت حفصہ نے تند و تیز لہجہ میں کہا۔ آپ نے میری عزت و حرمت کا ذرا خیال نہ کیا اور ایک لونڈی کو میرے برابر کر دیا یہ کیا اندھیر ہے میرا مکان میرا بچھونا اور یہ لونڈی۔ اسے تو آپ نے سر پر چڑھا لیا ہے حضور نے فرمایا کیا تمہارے خیال میں وہ میرے اوپر حلال نہیں مگر وہ خواہ مخواہ مچانے لگیں آپ نے انہیں سمجھایا اور علیحدہ لے جا کر فرمایا میں تمہاری خاطر سے قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ ماریہ سے صحبت نہ کروں گا مگر دیکھو خبردار یہ راز ہے اس کو کسی سے کہنا نہیں کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔ یہ فرما کر آپ باہر چلے گئے مگر ان کو کھلبلی ہوئی اور پیٹ میں بات نہ پچی۔ موقع پا کر اسی وقت حضرت عائشہ کو مژدہ جا سنایا کہ میں نے آج

نمایاں کیا ہے۔

یہ دونو واقعے جو ان دونو سے پے در پے ہوئے تو خدا نے وحی کے ذریعے سے
قلعی کھول دی اور سب باتیں حضرت کو معلوم ہو گئیں۔ آپ نے ماریہ کا قصہ اور حفصہ کا
غصہ حضرت عائشہ سے بیان کر دیا اور شہد والا قصہ چونکہ ان کا ہی تھا۔ حضرت نے شدت
حیا سے اس کا ذکر نہ کیا۔ حضرت عائشہ تعجب سے پوچھنے لگیں۔ آپ کو حفصہ کا حال
کس نے بتایا فرمایا خدا نے۔

الغرض یہ آیات انہی دونو خدرات کی سرزنش میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت کو حکم ہوا کہ
قسم کا کفارہ دے کر ماریہ سے تعلق باقی رکھو اور شہد بھی کھاؤ۔ اس واقعہ سے چونکہ حضرت کو حفصہ
سے سخت صدمہ پہنچا تھا اس لئے آپ نے ان کو طلاق دے دی اور [illegible] کے لئے
اپنے میکے کو رخصت ہو گئیں۔ اس پر حضرت عمر کو بہت رنج ہوا اور غصہ میں حفصہ
کو مخاطب کر کے کہا اگر [illegible] باقی [illegible] ہوئی تو رسول اللہ تجھے پھر طلاق نہ
دیتے۔ اس واقعہ سے حضرت کو اس قدر کوفت ہوئی کہ تمام ازواج سے الگ ہو کر ماریہ
کے گھر میں ۲۹ روز تک رہے اور کسی کے یہاں نہ گئے لوگوں کو شبہ ہوا کہ شاید آپ
نے بیبیوں کو طلاق دے دی ہے۔ یہ ہے خلاصہ ان کی تفصیلات روایات کا جو کتب تفسیر و حدیث میں [illegible]
دیکھو تفسیر درمنثور سیوطی، تفسیر [illegible]، بخاری، مسلم، سنن ابی داؤد وغیرہ۔

مذکورہ بالا بیان ہم نے مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے ترجمہ قرآن کے حاشیہ سے لیا
غور کیجئے یہ ساری کیسی خوفناک باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا [illegible] کرنے کے لئے
[illegible] آپ [illegible] بتایا [illegible] ام المومنین [illegible] علیہا السلام [illegible] اپنے
نام [illegible] ان سے بعد کی آیات میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر رسول تم کو طلاق دے دیں تو خدا
[illegible] تم سے بہتر [illegible] بیبیاں عطا کرے گا جو فرمانبردار ہوں گی اور
خدا و رسول کی مطیع [illegible] عبادت گزار [illegible] والیاں
بیاہی ہوئی [illegible] اور بن بیاہی کنواری ہوں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ صفات حضرت کی ازواج میں یا تو تھی ہی نہیں یا تھیں تو کم تھیں۔ اللہ کا یہ فرمانا کہ تم سے بہتر لے آئے گا اس کی دلیل ہے کہ کچھ کوتاہیاں ان میں تھیں مسلمانوں کا یہ کہنا کہ ان دونوں بیبیوں نے توبہ کر لی تھی یہ ایک روایت ہے جس کا تعلق درایت سے نہیں اگر توبہ قبول ہو گئی ہوتی تو قرآن میں اس کا ذکر ضرور ہوتا تاکہ مسلمانوں کو تسکین ہو جاتی۔ حدیث میں بھی اس کا کہیں ذکر نہیں۔ لہٰذا روایت پر صرف اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

نوح اور لوط کی بیبیاں

پ ۲۸ التحریم ع ۱۲۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ۔

(خدا نے کافروں کی عبرت کے واسطے نوح کی بی بی (واعلہ) اور لوط کی بی بی (واہلہ) کی مثل بیان کی ہے یہ دونو ہمارے نیک بندوں کے تصرف میں تھیں تو دونوں نے اپنے شوہروں سے دغا کی تو ان کے شوہر خدا کے مقابلے میں کچھ بھی کام آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں تم بھی داخل ہو جاؤ)

نوح کی بی بی کا یہ حال تھا کہ کفار سے ملی ہوئی تھی۔ جب حضرت نوح ہدایت کرتے تو یہ لوگوں کے گھر جا کر کہہ آتی کہ یہ دیوانہ شخص ہے تم اس کی بات کان لگا کر سنو ہی نہیں جب طوفان آیا تو یہ بدبخت بجائے کشتی میں آنے کے کفار سے جا ملی اور کہنے لگی کوئی اس کشتی میں نہ بیٹھے نوح خود بھی ڈوبے گا اور دوسروں کو بھی ڈبوئے گا اور لوط کی بی بی کا یہ حال تھا کہ ان جوانوں سے ملی ہوئی تھی جن کو لواطت کا مرض تھا۔ جب کوئی نوجوان حضرت لوط کے یہاں مہمان آتا تو یہ فوراً ان بدمعاشوں کو خبر کر دیتی۔ ایک بار جب فرشتے نوجوان انسانوں کی صورت میں قوم لوط پر عذاب نازل کرنے آئے اور حضرت لوط کے یہاں ٹھہرے تو اس بدبخت عورت نے فوراً ان لوگوں کو خبر کر دی وہ سب بھاگے ہوئے آئے اور حضرت لوط سے کہا ان جوانوں کو ہمارے سپرد کر دو۔ یہ قصہ قرآن میں مذکور ہے۔ آخر عذاب الٰہی ان پر نازل ہوا اور

Marfat.com

وہ سب کے سب مر گئے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب تک نفس انسانی میں حصول نیکی کی صلاحیت نہ ہو کسی کی صحبت اس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی خواہ نبی کی بی بی ہی کیوں نہ ہو۔ جب عورت کا دل ٹیڑھا ہو جاتا ہے تو پھر مشکل سے سنبھلتا ہے۔ طبیعت عورت کی مثال امیر المومنین نے ٹیڑھی پسلی سے دی ہے کہ اگر اسے زور دے کر سیدھا کرنا چاہو گے تو ٹوٹ جائے گی اسی حالت پر چھوڑ دو تو پہلو سے چمٹی رہے گی۔

---

(۲۹۱) آسیہ زن فرعون

پ ۲۸ ع ۲۰ وضرب اللہ مثلا للذین آمنوا امرأت فرعون اذ قالت رب ابن لی عندک بیتا فی الجنۃ ونجنی من فرعون وعملہ ونجنی من القوم الظالمین

خدا نے مومنوں کی تسلی کے لئے فرعون کی بی بی آسیہ کی مثال بیان کی ہے کہ جب انہوں نے دعا کی کہ اے پروردگار میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے اعمال سے بچا لے اور ظالم قوم سے چھڑا لے

[illegible]

---

(۲۹۲) عالم امکان کی حدّ آخر

پ ۲۹ المعارج - ع ۲ : - تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ

(اللہ تو کسی جگہ بیٹھا نہیں کہ یہ کہا جائے کہ ملائکہ اس تک پچاس ہزار برس میں پہنچتے ہیں بلکہ صورت یہ ہوگی عالم امکاں کی حد آخر جہاں تک کوئی ممکن جا سکتا ہے اتنی دور ہے کہ ملائکہ اور جبریل وہاں تک پچاس ہزار میں پہنچتے ہیں اس کے بعد عالم امکان ختم ہے اور ایک دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوتا ہے ۔ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۔ اب خیال کرو یہ مسافت کتنی ہوئی اور کتنا زمانہ ہمارے حساب سے وہاں تک جانے کے لئے درکار ہے ۔

معراج میں سرور عالم اس عالم امکان کی حد آخر تک جو مسجد اقصیٰ ہے ۔ اس سرعت سے تشریف لے گئے کہ ؎

ابھی بستر خواب تک گرم تھا   کہ معراج پا کر پھر آئے محمدؐ

خدا کی آیات میں اس سے بڑی آیت کیا ہوگی ۔ سدرہ فرشتوں کی پرواز کی آخری حد ہے اگر ان کو اس منزل خاص تک جانے کی اجازت دی جائے تو پچاس ہزار برس میں وہاں تک پہنچ سکیں گے ۔ یہ باتیں انسانی فہم سے بالاتر ہیں ۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہمارے لئے تو خاموش رہنا ہی بہتر ہے ۔

---

(۲۹۳) علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا

پ ۲۹ الجن ع ۲ : - عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۔

(اللہ عالم الغیب ہے اور اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس پیغمبر کو پسند کرتا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر غیب کا علم رکھتے ہیں مگر اتنا ہی جتنا خدا ان کو بتا دے پس انبیاء سے غیب دانی کی نفی مطلق نہیں کی جا سکتی۔ انبیاء جو پیشگوئی کرتے ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ بات ان کو بتائی جاتی ہے۔

اب رہا کاہنوں اور نجومیوں کا پیشین گوئی کرنا وہ اسباب و حالات سے [illegible] ہے جیسے موسمیات کے ماہر ہوا کے رخ اور اس کے درجہ و کیفیات وغیرہ [illegible] کر دیا کرتے ہیں ان نتائج کے اخذ میں چونکہ قیاس کو دخل ہوتا ہے [illegible] غلطیاں واقع ہوتی ہیں اور ان کی پیشین گوئیاں غلط ثابت ہوتی ہیں لیکن انبیاء کی پیشگوئیاں کبھی غلط نہیں ہوتی کیونکہ وہ تعلیم من جانب اللہ ہوتی ہے۔

(۲۹۴) نفس کی تین قسمیں

پ ۲۹ القیامۃ ۲ ۱۔ لا اقسم بالنفس [illegible] ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں۔ نفس انسانی کے مرتبے کے اعتبار سے تین قسمیں [illegible] ہیں اول نفس امارہ [illegible] میں ہے [illegible] ان النفس لامارۃ [illegible] نفس انبیاء، صالحین اور عوام سب کے اندر پایا جاتا ہے [illegible] تک ہمارے انبیاء [illegible] کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں [illegible] کرو ان ہوتا ہے [illegible] نہیں وہ ان کو [illegible] یوسف نے [illegible] نفس [illegible] سے نازل [illegible] ہوتی ہے۔

دوسری قسم نفس لوامہ ہے [illegible]

جائے گا اور اس کے اندر سے دبی ہوئی آواز نکلتی رہے گی ضرور کیا ہے ضرور کیا ہے اگر نفس امارہ سے مغلوب ہو کر نفس لوامہ کو کمزور کر دیا جائے تو پھر انسانیت ہی ختم ہو جاتی ہے اور وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

تیسری قسم نفس مطمئنہ ہے:- یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (اے نفس مطمئنہ تو اپنے رب کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ) انسانیت کا کمال اسی کی بدولت ہے جس کو یہ دولت نصیب ہوتی ہے وہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ مرضی الٰہی کو پیش نظر رکھ کر گزارتا ہے اور ہر حالت میں توکل بخدا رہتا ہے اس کی بنا پر انبیاء و مرسلین کے مدارج و فضائل تمام ہوتے ہیں۔

---

(۲۹۵) جاں کنی کا ہولناک عالم

پ ۲۹ القیٰمۃ ع ۱:- کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ ۨالْمَسَاقُ۔

(سن جب جان بدن سے کھنچ کر ہنسلی تک پہنچے گی اور کہا جائے گا (اس وقت کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے اب مرنے والے نے سمجھا کہ اس کی سب سے جدائی کا وقت آ گیا اور (موت کی تکلیف سے) پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی (اس وقت آواز آئے گی) اب تجھے اپنے رب کی طرف چلنا ہے)

اللہ تعالیٰ ہر بندہ مؤمن کو اس حالت سے محفوظ رکھے اور اس کی جاں کنی آسانی سے ہو۔ جو لوگ محبان اہل بیت ہیں اور اعمال خیر بجا لاتے رہے ہیں ایسے ہولناک وقت میں امیر المؤمنین علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور ملک الموت سے فرماتے ہیں۔ اے ملک الموت یہ ہمارا دوست ہے اس کی جان آہستہ سے نکالو۔

---

(۲۹۶) شدّاد کا بہشت

پ۳۰ الفجر: کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ

تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا یعنی ارم والے [illegible] جن کی مثل دنیا کے شہروں میں کوئی پیدا ہی نہیں کیا گیا۔

یہ ترجمہ مولانا [illegible] صاحب مرحوم کا ہے جس میں ذات العماد کا ترجمہ [illegible] کیا گیا ہے [illegible] درست نہیں صحیح ترجمہ یہ ہے "تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ [illegible] والے ارم کے رہنے والے [illegible] کیا تھا۔"

مولانا امداد حسین صاحب کاظمی نے اپنے ترجمہ القرآن المبین میں [illegible] مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں لکھا ہے [illegible]

حضرت نوح کی پانچویں پشت میں ایک شخص جس کا نام عاد تھا اس کے دو بیٹے تھے [illegible] دونوں بادشاہ تھے جب [illegible] مر گیا تو شداد سب ملکوں کا بادشاہ ہو گیا [illegible] کے ماتحت [illegible] تھے خدا نے [illegible] کو [illegible] کیا اس وقت کے پیغمبر [illegible] کو اس نے [illegible] پیغمبر نے کہا خدا [illegible] کا بہشت کیا ہے جب پیغمبر نے اس کی صفت بیان کی تو اس نے کہا [illegible]

غرض اس نے [illegible] بہشت بنانا [illegible] اس [illegible] بادشاہان دنیا کے پاس جو کچھ [illegible] اس نے سب منگوالیا [illegible] باغ تیار ہوا اس کا نام اپنے دادا کے نام پر ارم [illegible] اس کی دیوار [illegible] کی اینٹیں [illegible] ان کے [illegible] میں موتی [illegible] [illegible] ان کے [illegible] [illegible]

زبرجد کے تھے۔ خوشے موتیوں کے تھے الغرض جب باغ تیار ہو گیا تو شداد مع خدم وحشم اس کے دیکھنے کو چلا۔ جب قریب دروازہ کے پہنچا تو شدید چیخ کی آواز سنی دیکھا تو ایک خوفناک صورت نظر آئی پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ملک الموت ہے۔ غرض ایک پاؤں چوکھٹ پر تھا اور ایک باہر کہ اس کی روح قبض کر لی گئی اور باغ اسی وقت لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ امیر معاویہ کے زمانہ میں عبداللہ بن قلابہ اپنے اونٹ تلاش کرتا ہوا اس باغ میں پہنچ گیا چنانچہ اس نے آکر جو کیفیت بیان کی اس کی تصدیق کعب الاحبار نے کی۔

مولانا مرحوم ایسی بے سر و پا روایت کو اگر قرآن جیسی با عظمت کتاب کے حاشیہ پر جگہ نہ دیتے تو اچھا ہوتا کیونکہ اس کی تو ساری چولیں ڈھیلی ہیں اس بہشت کی ساخت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ اعجازی صورت میں تو تھا نہیں جسے بے چون وچرا تسلیم کر لیا جائے۔ ایک کافر نے بنوایا تھا۔ جب قرآن کہتا ہے بیشک وہ ایسی تعمیر تھی کہ اس زمانہ کے شہروں میں اس کی مثل کوئی تعمیر نہ پائی جاتی تھی بلحاظ اس کے اونچے اونچے ستونوں کے کہتے یا بلحاظ اس کی لمبائی چوڑائی کے تو اس کو مان لینا چاہیئے لیکن لاکھوں گز لمبی زمین پر جس میں ایک ہزار محل تھے مشک وغیرہ کا فرش بیان کرنا ضرور تعجب میں ڈالتا ہے یہ مٹی تو نہ تھی کہ کہیں سے کھود کر پھیلا دی گئی تھی۔ آخر تھا تو مشک وعنبر ہی جس کی پیداوار بہت کم ہوتی ہے۔ بہرحال اتنی بہتات ایک افسانہ ہی افسانہ ہے۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ ایسا عجوبہ روزگار بہشت جس میں تمام دنیا کا خزانہ چھلک رہا تھا اول تو غائب ہوا پھر یکایک چمک کر زمین کے اوپر آ گیا یعنی سارا باغ جو ہزارہا گز زمین میں پھیلا ہوا تھا۔ فصل بہار آتے ہی لہلہانے لگا اور کہاں عرب کی سرزمین پر گو بیابیں اس کی ساخت ہوئی تھی پھر نظر بھی کیسے آیا۔ ایک غریب چرواہہ کو جس کا نام عبداللہ بن قلابہ تھا اس نے جناب کعب الاحبار صاحب سے جو صحابی رسول تھے اور یہودی سے مسلمان ہوئے تھے اس اپنے بیان کی تصدیق

کرا دی کہ عبداللہ بن سلامہ جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ نہ تو اس بدو عرب نے سونے کی شاخ توڑی نہ جناب کعب الاحبار نے وہاں جا کر کسی درخت کو جڑ سے اکھاڑا نہ وہاں کا مشک وغیرہ اپنے دامن میں بھرا دونوں ناکام رہے۔ جس زمانہ بتایا جاتا ہے امیر معاویہ کا۔ ان تک یہ خبر ضرور پہنچی ہوگی کہ شداد کا بہشت پھر زمین پر پھوٹ نکلا یہ خبر سنتے ہی وہ تو دوڑ پڑتے اور سارا باغ اور سارا مشک وغیرہ سمیٹ کر دمشق لے جاتے اور دنیا کے سب سے متمول بادشاہ شمار ہونے لگتے آخر یہ خبر انہیں کیوں نہ پہنچائی گئی اور اگر پہنچائی گئی تھی تو انہوں نے اس طرف کیوں نہ توجہ کی۔ یہ روایت مولانا نے غالباً روضۃ الصفا سے لی ہے۔

عام لوگوں میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بہشت کو اٹھا لیا اور اپنے سات بہشتوں میں سے ایک اسے قرار دیا۔ غالباً یہ اس لئے مان لیا ہوگا کہ خدا ایسا نہیں بنا سکتا تھا۔ اللہ رحم کرے ہم مسلمانوں پر اور ان کے عقائد فاسدہ پر۔ ہمارے مفسرین، متکلمین اور مورخین کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنی مصنفات کو دلچسپ اور بھاری بھرکم بنانے کے لئے جو روایت جہاں سے ملتی ہے نقل کر دیتے ہیں۔ پہلے زمانہ والے شاید ان بے سروپا باتوں کو مان لیتے ہوں۔ لیکن اب زمانہ اور ہے ان افسانوں کو کون پوچھتا ہے۔

(۲۹۷) والد و ما ولد سے کیا مراد ہے

پ۳۰ البلد لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ وَأَنتَ حِلٌّ بِهَٰذَا الْبَلَدِ وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ

(مجھے اس شہر کی قسم ... رہتے ہو اور باپ اور ... اولاد کی قسم)

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے والد سے مراد آدم لی ہے اور ما ولد سے اولاد آدم سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں آدم اور اولاد آدم کے ذکر کو کیا ربط ہے قسم ہے اس شہر کی جس میں اے رسول تم چلا پھرا کرتے ہو یعنی مکہ کی اس سلسلے میں کسی ایسے باپ اور اس کی اولاد کا ذکر ہونا چاہئے جس سے رسول کے چلنے پھرنے کو کوئی ربط ہوتا۔

بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح یہ شہر قابل قسم ہے جس میں تم ہو۔ اسی طرح ایک باپ اور ایک بیٹا بھی قابل قسم ہے۔ جس نے تمہاری حمایت وحفاظت کی ورنہ تم اس شہر میں چل پھر نہ سکتے تھے۔ کفار و مشرکین تمہیں قتل کر دیتے۔ باپ ابوطالب ہیں جنہوں نے سخت سے سخت تکلیفیں اٹھا کر تمہاری مدد کی تمہاری حفاظت کی۔ دوسرے ان کا شیر دل بیٹا تمہارا قوت بازو علی ہے۔ جس نے ہمیشہ تمہاری مدد کی اور وہ پیدا بھی اس شہر میں ہوا اور کعبہ میں ہوا۔ پھر کیوں نہ اس کی قسم کھائی جائے۔ اس صورت سے قسم کے دونوں حصوں میں ربط پیدا ہو جاتا ہے۔

(۲۹۸) رسول کا شرح صدر اور نصب جانشین کا حکم

پ ۳۰ - الانشراح : . اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ -

(اے رسول کیا ہم نے تمہارے سینہ کو علم سے کشادہ نہیں کر دیا اور تم پر سے وہ بوجھ اتار نہیں دیا جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی اور ہم نے تمہارا ذکر بھی بلند کیا تو (ہاں) ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے بیشک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے تو جب تم فارغ ہو جاؤ تو (جانشین) مقرر کر دو اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرو)

مفسرین اہلسنت نے شرح صدر کی ایک عجیب مضحکہ خیز صورت بتائی ہے لکھتے ہیں

کہ جبریل آئے اور رسول اللہ کے سینہ کو چاک کیا اور آپ کے دل کو نکالا اور اس میں جو سیاہ نقطہ تھا جو باعث گناہ ہوتا ہے اس کو نوچ کر پھینک دیا اور اس میں جو اس کے بعد دل کو پھر سینہ میں [illegible] کر دیا [illegible] اول تو حضرت [illegible] کا تسلیم کرنا منافی ایمان [illegible] تھا بھی تو کیا ضرور اس آپریشن کے [illegible] کو حق الیقین نہیں رکھا جا سکتا [illegible] حضرت موسیٰ کا [illegible] ہوا تھا۔ لیکن وہاں اس آپریشن کی ضرورت پیش نہ آئی [illegible] آپریشن ہوا تو سید المرسلین اور خاتم النبیین کا۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

شرح صدر کے معنی ہیں علم سے سینہ کو کشادہ کر دینا [illegible] میں تمام [illegible] رسول [illegible] مطلب قرآن [illegible] رسول [illegible] تمہارے [illegible] کشادہ نہیں کر دیا [illegible] ہے کہ حالت تنگی صدر کا باعث ہوا کرتی ہے۔

دوسرا احسان خدا نے یہ جتایا ہے کہ تم پر نبوت کا [illegible] بوجھ تھا [illegible] توڑے دیتا تھا ہم نے اس کو علی کی خلافت اور وزارت سے [illegible] نہیں کر دیا۔ [illegible] خلافت علی کے اظہار کو [illegible] مشکل کام سمجھتے تھے [illegible] خلافت کا خوف تھا اس سے [illegible] بھی فرما دیا کہ [illegible] مشکل کے بعد آسانی ہے اور [illegible] وقت [illegible] فرما دیا کہ جب تم [illegible] تو [illegible] [illegible] چلے [illegible] اہلبیت [illegible] کرنے سے پہلے [illegible] مقرر کیا۔

(۲۹۵) زمین کا کلام کرنا

پ اذا زلزلت الارض زلزالها واخرجت الارض اثقالها
وقال الانسان مالها يومئذ تحدث اخبارها

جب زمین [illegible]
[illegible]

ہے تو اس روز وہ اپنے حالات بیان کرے گی ۔)

صاحب تفسیر کبیر کا عام انسان مراد لینا قطعاً غلط ہے ۔ عام انسان قیامت کے روز جب زمین میں زلزلہ آرہا ہوگا کیا اس سے سوال کر سکتا ہے وہ تو خود گھبرایا ہوا ہوگا پوچھے بھی تو زمین اسے کیوں جواب دے گی اور اپنے واقعات اسے کیوں سنائے گی ۔ پھر اگر کوئی شخص معین مراد نہ ہو تو کہاں سے انسان اس سے پوچھیں گے اور وہ سب کو جواب دے گی ۔ مفسرین شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ انسان جن کو ابوتراب کہا جاتا ہے زمین سے پوچھنے کا حق رکھیں گے کہ تجھے کیا ہوگیا یہ زلزلہ کیوں آرہا ۔ اس وقت وہ ان سے اپنے تمام حالات شروع سے آخر تک بیان کر دے گی ۔

تاریخوں میں یہ واقعہ پایا جاتا ہے کہ ایک بار مدینہ میں زلزلہ آیا ۔ لوگ گھبرا گئے حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں آئے اور لوگوں کا خوف وہراس بیان کیا ۔ آپ لوگوں کو ساتھ لئے ایک کھلے مقام پر آئے اور ایک جگہ ہاتھ رکھ کر فرمایا: ۔ یَا اَرْضُ مَا لَکِ لَا تَسْکُنِیْ ۔ (اے زمین تجھے کیا ہوگیا تو ساکن کیوں نہیں ہوتی) زمین اسی وقت ساکن ہوگئی کائنات پر یہ حق تصرف سوائے محمد وآل محمد اور کسی کو حاصل ہی نہیں ۔

تمت بالخیر ۴ ماہ اگست ۱۹۷۴ء
مطابق ۵ شعبان المعظم ۱۳۹۴ ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب مستطاب

رموز القرآن

جس میں

بعض آیات قرآنی کی تفسیر اور ان کے رموز و حقائق کو بیان کیا گیا ہے

ذاکرین و واعظین کے لئے بہترین تحفہ

حسب خواہش

الحاج ڈاکٹر سید محمد احسن صاحب نقوی ایم بی بی ایس

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم الحاج مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

مصنف دو صد و نہ کتاب

ناشر

شیعہ بکڈپو ناظم آباد ۲ کراچی نمبر ۱۸

[illegible] سندھ آفسٹ پریس کراچی